يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ

اعجاز التنزیل

قرآن مجید کے لفظاً و معناً کلام اللہ اور معجزہ ہونے

کے ثبوت میں

مصنفہ عالی جناب معلی القاب وزیر الدولہ مدبر الملک

خلیفہ سید محمد حسن خان بہادر سی۔ آئی

ای وزیر اعظم ریاست پٹیالہ ادام اللہ اجلالہم

بار دویم

حسب فرمایش منیجر صاحب ڈیپوٹی بک ڈپو مدرستہ العلوم علیگڈھ

در مطبع عام مفید آگرہ باہتمام محمد قادر علی خان صاحب طبع شد

۱۹۰۴ء
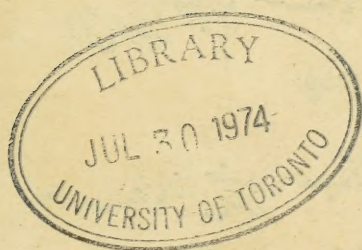
فہرست مضامین کتاب اعجاز التنزیل

"هٰذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَنُصَلِّی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الْکَرِیْمِ

وہ اَن دیکھا - اور اَن بوجھا - پاک اور ناتغیر پذیر وجود - جو سب سے پوشیدہ اور سب پر ظاہر ہے اور ہمارا ہونا جسکے ہونے کی دلیل ہے اور جس کا نام اللّٰہ ہے - جس طرح اپنی ذات مین بے نظیر و بے مانند ہے اُسیطرح اپنے افعال و آثار مین بھی بے مثل و بے عدیل ہے - یعنی جسطرح کوئی اپنے تئین اُسکا سا نہین بنا سکتا - اُسی طرح اُسکے سے افعال و آثار بھی صادر نہین کر سکتا اور کیونکر کر سکے کہ بے مثالی اور بے نظیری اُسکی ذات کی طرح اُسکے افعال و آثار کا خاصہ ہے - اور خاصہ کی یہی تعریف ہے کہ اپنے موصوف کے سوا دوسری شے میں نہ پایا جاوے : اور جبکہ یہہ امر بداہتًا ثابت ہے - تو ہم کہتے ہیں کہ کوئی کلام جو اُس ذاتِ پاک کا کلام ہو - ناممکن ہے کہ انسان ایسا کلام کر سکے

جو کسی ایک صفت مین بھی اُسکا ہمرتبہ یا ہمپایہ ہو۔ کیونکہ وہ اُسکا کلام یا فعل ہے

جو اپنی ذات کی طرح اپنے افعال مین بھی۔ بے نظیر و بے مانند ہے۔ اور جس کلام

کو کلام خدا کہا جاوے اُسکے جانچنے اور پرکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ دیکھا جاوے کہ

انسان سے اُسکا معارضہ ممکن ہے یا نہین۔ اور اگر ناممکن ہو تو جان لینا چاہئے

کہ وہ کلام۔ کلام خدا ہے۔

اب دیکھنا چاہئے کہ جس کلام کو ہم مسلمان کلام خدا کہتے اور یقین کرتے ہین

ایسا ہے یا نہین؟ پس ہم کہتے ہین کہ۔ بیشک و شبہ ایسا ہی ہے۔ اور

ممکن نہین کہ انسان اُسکا معارضہ کر سکے۔ اور ہم کون اور ہمارا کہنا کیا۔ جبکہ

خود اُسکے متکلم نے کمال شد و مد سے اُسکے اپنا کلام اور بے مثل و بے مانند

ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اُسکو ثابت کر دکھایا۔ چنانچہ سورہ بقرہ مین فرمایا

"اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا

شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ" یعنی اگر تم کو اُس چیز

مین شک ہے جو ہمنے نازل کی ہے اپنے بندہ پر تو اُسکے ایک ٹکڑے ہی

کی مانند لاؤ اور خدا کے سوا اپنے حمایتیون کو بھی بُلا لو اگر تم سچے ہو۔ پھر

سورہ یونس مین فرمایا "اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ

وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ" یعنی کیا

کافر قرآن کو کہتے ہین کہ یونہیں بنا لیا ہے؟ تو (اے پیغمبر) تو اُن سے

کہہ کہ اگر سچے ہو تو اُسکے ایک ٹکڑے ہی کی مانند تم بھی لاؤ اور خدا کے سوا

جسکو مدد کے لئے بلا سکتے ہو بُلا لو۔ پھر سورہ ھود مین فرمایا۔

"اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰاهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" یعنی کیا کافر قران کو کہتے ہیں کہ یونہین بنالیا ہے؟ تو (اے پیغمبر) تو اُنسے کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو اُسکی دس سورتوں ہی کی مانند یونہیں بنا لاؤ اور سوائے خدا کے جسکو بُلا سکتے ہو مدد کے لئے بُلا لو۔ پھر سورۂ بنی اسرائیل مین فرمایا۔

"قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا" یعنی کہدے (اے پیغمبر) کہ اگر جن وانس اس بات پر متفق ہوں کہ اس قرآن کی مثل بنالائیں تو اُسکی مانند نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار بھی ہو۔

مگر یہہ امر غور طلب ہے کہ اِن آیتوں میں قرآن کی مثل و مانند سے کیا مُراد ہے؟۔ تقریباً تمام علما اور مفسرین کی یہہ رائے ہے کہ چونکہ زمانۂ نزول قرآن میں اہل عرب کو "فصاحت و بلاغت" کا بڑا ہی دعویٰ تھا۔ پس خدا نے قرآن کے من اللہ ثابت کرنے کو اُسمیں یہہ معجزہ رکھا کہ ویسا فصیح و بلیغ کلام کوئی بشر نہیں کہہ سکتا۔ چنانچہ آجتک کوئی نہیں کہہ سکا۔ اور اِسی بنا پر اُنھوں نے لفظ مانند سے "فصاحت و بلاغت" مین مانند ہونا قرار دیا ہے مگر چونکہ اِن آیتوں میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے "فصاحت و بلاغت" میں معارضہ کا چاہا جانا پایا جائے۔ اسلئے میرے محترم دوست آنریبل سر سید احمد خان بہادر۔ سی۔ آیس۔ آئی اس رائے کو نہین

مانتے اور فرماتے ہیں کہ اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ قرآن مجید نہایت اعلیٰ سے اعلیٰ

وجہ فصاحت و بلاغت پر واقع ہے - اور چونکہ وہ ایسی وحی ہے جو پیغمبر کے قلب نبوت پر نہ بطور معانی و مضمون کے بلکہ بلفظہ ڈالی گئی تھی جسکے سبب سے ہم اُسکو وحی مَتلُوّ یا قرآن یا کلامِ خدا کہتے اور یقین کرتے ہیں - اسلیئے ضرور تھا کہ وہ ایسے اعلیٰ درجۂ فصاحت پر ہو جو بے مثل و بے نظیر ہو - مگر یہہ بات کہ اُسکی مثل کوئی نہیں کہہ سکا یا کہہ سکتا اُسکے من اللہ ہونیکی دلیل نہیں ہو سکتی سلہ کسی کلام کی نظیر نہونا اس بات کی تو بے شبہ دلیل ہے کہ اُسکی مانند کوئی دوسرا کلام موجود نہیں ہے - مگر اِسکی دلیل نہیں ہے کہ وہ

سلہ اگرچہ جمہور علماے اسلام کی یہہ راے ہے کہ قرآن مجید بوجہ اپنی "فصاحت و بلاغت" اور نظم و ترتیب کے معجز ہے - مگر بعض علما اخبار عن الغیب کو بھی اسمیں شامل کرتے ہیں - اور بعض نے صِرف صَرفہ ہی کو وجہ اعجاز قرار دیا ہے - یعنی خدا کا فصحا و بلغاے عرب کی ہمتوں کو قرآن کے معارضہ سے پھرا دینا جسکا مدعا یہہ ہے کہ فصاحت و بلاغت اور نظم و ترتیب کی وجہ سے نہیں - بلکہ صِرف صَرفِ ہمت کی وجہ سے مشرکین معارضہ نکر سکے - چنانچہ اِبرَاھِیم بن سَیَّاد معروف بہ نَظّام مُعتَزِلی اور بعض اصحاب شَیخ اَبُو الحَسَن اَشعَرِی اور شَرِیف مُرتَضےٰ عَلَمُ الھُدَا اِسی طرف گئے ہیں - اور عیسےٰ ابن صبیح ملقب بہ مُزدار نے تو یہانتک کہدیا ہے کہ "فصاحت و بلاغت" اور نظم میں معارضہ ممکن ہے مگر محققین کی راے یہہ ہے کہ قرآن مجید باعتبار اپنے معانی و الفاظ دونوں کے معجز ہے خصوصاً جبکہ دونوں باتوں کو بالاشتمال ملحوظ رکھا جاے جیسا کہ علّامہ عبدُ الرزاق لاہیجانی نے اپنی کتاب گوھر مراد میں لکھا ہے - مولف عفی عنہ

خدا کی طرف سے ہے۔ بہت سے کلام انسانوں کے دنیا میں ایسے موجود ہیں کہ اُن کی مثل "فصاحت و بلاغت" میں آجتک دوسرا کلام نہیں ہوا مگر وہ مِن اللہ تسلیم نہیں ہوتے" اور مذکورہ بالا آیتوں کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں کہ "نہ ان آیتوں میں کوئی ایسا اشارہ ہے جس سے "فصاحت و بلاغت" میں معارضہ چاہا گیا ہو بلکہ صاف پایا جاتا ہے کہ جو ہدایت قرآن سے ہوتی ہے اُسمیں معارضہ چاہا گیا ہے۔ کہ اگر قرآن کے خُدا سے ہونیمیں شبہ ہے تو کوئی ایک سورہ یا دس سورتیں یا کوئی کتاب مثل قرآن کے بنا لاؤ جو ایسی ہادی ہو" اور اپنی اس رائے کی تائید میں سورۂ قصص کی اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔ قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ یعنی (اے پیغمبر) تو کافروں سے کہدے کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی کتاب جو توریت اور قرآن سے زیادہ ہدایت کرنے والی ہو اُسے لاؤ" اور فرماتے ہیں کہ "توریت کی عبارت فصیح نہیں ہے۔ بلکہ عام طور کی عبارت ہے۔ اس لئے کہ علاوہ قومی دستورات اور تاریخانہ مضامین کے جو اُس کے جامع نے اُسمیں شامل کئے ہیں جسقدر مضامین وحی کے اسمیں ہیں اُنکا القا بھی بلفظہ شاید بجز احکام عشرہ توریت کے جنکو حضرت موسیٰ نے پہاڑ میں بیٹھکر پتھر کی تختیوں پر لکھو لیا[۱] تھا پایا نہیں جاتا۔ پس ظاہر ہے کہ قرآن گو کیسا ہی فصیح ہو مگر جو معارضہ ہے وہ اُسکی "فصاحت و

---

[۱] محقق سید نے اس امر کو کہ کتابت فی الالواح خدا کا فعل تھا بلکہ حضرت موسیٰ کا کام تھا معقول طور پر ثابت کیا ہے۔ دیکھو تفسیر القرآن۔ جلد سوم صفحہ ۲۴۴ لغایت ۲۴۷۔ (مولف)

بلاغت، یا اُسکی عبارت کے بے نظیر ہونے پر نہیں ہے بلکہ اُسکے ہمثیل

ہادی ہونے میں ہے جو بالتصریح سورہ قصص کی آیت میں بیان ہوا ہے

ہان اُسکی فصاحت و بلاغت اُسکے بے نظیر ہادی ہونے کو زیادہ تر روشن

اور مستحکم کرتی ہے" (انتہیٰ قولہ سلمہ) جسکا خلاصہ یہہ ہے کہ چونکہ سورہ بقرہ وغیرہ

سورتوں کی آیتوں میں تصریح نہیں ہے کہ کس چیز میں معارضہ چاہا گیا ہے۔

اور سورہ قصص کی آیت نے اُسکی صراحت کر دی ہے تو درست بات

یہی ہے کہ معارضہ قرآن مجید کے ہمثیل ہادی ہونے میں چاہا گیا ہے نہ

فصیح و بلیغ ہونے میں"۔

بزرگ سید کا یہہ اختلاف راے ایک تو اس خیال سے ہے

کہ کوئی یہہ شبہ نکرے کہ جس حالت میں کہ بہت سے کلام انسانوں کے

دنیا میں ایسے موجود ہیں کہ اُنکی مثل "فصاحت و بلاغت" میں دوسرا کلام

نہیں ہوا اور وہ من اللہ تسلیم نہیں ہو سکتے تو پھر قرآن میں کیا خصوصیت ہے

کہ من اللہ تسلیم کیا جاوے۔ دوسرے اسوجہ سے کہ جن لوگوں کی زبان

عربی نہیں ہے اور وہ اُسکی "فصاحت و بلاغت" سے ناآشنا ہیں تو قرآن کی

"فصاحت و بلاغت" اُنپر حجت نہیں ہو سکتی اور جب حجت نہ ٹھہری تو قرآن مجید معجزہ

مستمرہ نرہا جسکے ہم مسلمان مدعی ہیں۔ کیونکہ اُنکی کتاب کا یہہ موضوع ہے کہ ہر قسم

کا شبہ یا اعتراض جو قرآن کے من اللہ ہونے کی نسبت کیا جاوے اُسکا حل

اُسمیں موجود ہو۔ جیسا کہ اُنھوں نے اسکا لکھنا شروع کرنے سے پہلے مشتہر بھی

کیا تھا اور چونکہ قرآن مجید میں دقایق علم مبداء و معاد جسکے جاننے پر انسان کی

ہے بیانی نجات موقوف ہے ایسی شرح و بسط اور ایسے بے نظیر

ہے مرزا ہوئے ہیں کہ ویسا یا اُس سے بہتر بیان کرنا ممکن نہیں۔ اور بڑے

عالم اور فلسفی اور جاہل سے جاہل گنوار بلا خصوصیت قوم اور ملک اور

ترجمہ کے ذریعہ سے ہر وقت اور ہر زمانہ میں اُسکو سمجھ سکتا اور اُسکے مدعا سے

واقفیت حاصل کرسکتا ہے۔ اسلئے اُنھوں نے اسی امر کو جو قرآن کا اصل

مطلب و مُدعا ہے محلّ معارضہ ٹھہرایا ہے۔ مگر میں اُنسے کسیقدر مختلف الرّائے

ہوں۔ اور سورۂ قصص کی آیت کو دوسری آیتوں کا جنکا اوپر ذکر ہوا مفسر

نہیں سمجھتا۔ اور اِس امر کو تسلیم نہیں کرتا کہ محل معارضہ قرآن کا صرف ہمیشہ

ہادی" ہونا ہے "نہ فصیح و بلیغ" ہونا۔ کیونکہ سورۂ قصص کی اِس آیت سے پہلے

جو آیت ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرکین عرب نے یہودیوں کے سکھانے

سے یہ کہا تھا "لَوۡلَآ اُوۡتِیَ مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی" یعنی ہم اُسوقت تک ایمان

نہیں لائینگے جبتک کہ موسیٰ کی سی کتاب نہ لاؤ۔ جسکے جواب میں خدا نے الزاماً فرمایا

"اَوَلَمۡ یَکۡفُرُوۡا بِمَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی مِنۡ قَبۡلُ قَالُوۡا سِحۡرٰنِ تَظٰهَرَا وَقَالُوۡۤا اِنَّا

بِکُلٍّ کٰفِرُوۡنَ" جسکا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ کیا کافروں نے موسیٰ کی کتاب

کا انکار نہیں کیا؟ اور اُسکو اور قرآن کو جادو کی کتابیں نہیں بتایا؟ اور نہیں کہا

کہ ہم دونوں میں سے ایک کو بھی نہیں مانتے" اور فرمایا "قُلۡ فَاۡتُوۡا بِکِتٰبٍ مِّنۡ

عِنۡدِ اللّٰهِ هُوَ اَهۡدٰی مِنۡهُمَاۤ اَتَّبِعۡهُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ" یعنی اے

ہمارے پیغمبر اُن سے کہدے کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ توریت اور

قرآن جھوٹی اور جادو کی کتابیں ہیں تو اُن سے زیادہ ہدایت کرنے والی کوئی

کتاب لاؤ" اور فرمایا " فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکَ فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یَتَّبِعُوۡنَ اَہۡوَآءَہُمۡ ؕ وَ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ بِغَیۡرِ ہُدًی مِّنَ اللّٰہِ ؕ"
یعنی پھر اگر یہہ اس بات کو قبول نکریں یا ایمان نہ لائیں تو جان لے کہ صرف اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتے ہیں اور اُس سے زیادہ کون گمراہ ہے جو خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش نفسانی کی پیروی اختیار کرے "

پس ظاہر ہے کہ اس موقع پر کہ توریت (جسکی عبارت فصیح نہیں بلکہ عام طور کی ہے) اور قرآن کے سچے اور جھوٹے ہونے کی بحث تھی اُسکو چھوڑ کر اپنے اثبات دعوے کے لئے صرف قرآن کی "فصاحت و بلاغت" میں معارضہ کا طالب ہونا بے محل اور اُس معجزانہ بلاغت کے مقتضا کے خلاف تھا جو اُس کلام پاک کا خاصہ ہے۔ اور کسی ایسی اجہل اور نامہذب اور ناتربیت یافتہ قوم کا جیسی کہ قوم عرب تھی قرآن مجید کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے حکیمانہ اور پُراز دقایق معارف مضامین کے مقابلہ میں اُسکے ایک سورہ کی مانند بھی نہ لاسکنا اُس کلام معجز کے لئے باعث فخر و مباہات نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بقول جناب سید "جبکہ ایسی قوم کے ایسے خیالات ہونے ممکن ہی نہ تھے جیسے کہ قرآن میں ہیں" تو اُسکا قرآن مجید کے مقابلہ میں اُسکے ایک سورہ کی مانند بھی نہ لاسکنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

حقیقت یہہ ہے کہ مخاطبین اوّل قرآن مشرکین مکہ اور اور اہل عرب تھے جو ایک لٹیری - چور - قزاق - خانہ بدوش اور ایسی قوم تھی کہ جس میں ذرا ذرا سی باتوں پر ہمیشہ خونریزیاں رہتی تھیں - مثلاً وہ لڑائی جو اشعار عرب میں

حرب بسوس کے نام سے مشہور ہے - اور جو چالیس برس تک رہی
تھی - اور ابتدا سے آخر تک ستر ہزار آدمی مارا گیا تھا اُسکی بنیاد صرف یہ
تھی کہ بسوس نامی ایک عورت کے ایک مہمان کی اونٹنی ایک شخص کی
چراگاہ میں جو بنی بکر میں سے تھا چلی گئی تھی اُسنے اُسکے تھن کاٹ ڈالے
عورت نے اپنے بھانجے کے پاس جو بنی تغلب میں سے تھا اس بے عزتی
اور ظلم کی جو اُسکے مہمان پر ہوا فریاد کی - اور اُسنے چراگاہ والے کو جا کر مار ڈالا -
مقتول کے بھائیوں نے خونخواہی کی طیاری کی - اور اول بنی بکر اور
بنی تغلب میں لڑائی شروع ہوکر پھر رفتہ رفتہ تمام قبیلوں میں پھیل گئی[۵]
اسی طرح ایک دوسری لڑائی جو حرب داحس کے نام سے مشہور ہے
اور جو ترسیٹھ برس تک رہی تھی اسکا سبب بھی صرف اتنی بات تھی کہ داحس
نامی ایک گھوڑا گھڑ دوڑ میں آگے بڑھا چاہتا تھا - ایک شخص نے بڑھکر
اُسے بدکا دیا اور اس بات پر وہ رن پڑے کہ قبیلے کے قبیلے پامال ہو گئے
کینہ و قساوت کا یہ حال تھا کہ عورتیں اپنے زخمی اور مقتول دشمنوں کا کلیجہ
نکالکر دانتوں سے چباتیں اور ناک - کان اور مذاکیر کاٹ کر اور تاگے میں
پرو کر ہار اور پہنچیوں کی طرح گلے اور ہاتھوں میں پہنتی تھیں - چوری اور قزاقی
میں یہانتک ناموری حاصل کی تھی کہ غیر قوموں نے ساراسین
(سارقین کا محرف ہے) خطاب دے رکھا تھا - بیرحمی - سنگدلی نہیے

[۵] اس لڑائی کی وجہ جسطرح پر کتاب سنین الاسلام میں بیان کی گئی ہے صحیح نہیں ہے صحیح
یہ ہے جو ہمنے تاریخ ابن اثیر اور تاریخ ابو الفدا سے نقل کیا ہے - ۱۲ مؤلف

ننھے معصوم اور شیر خوار بچوں کا زندہ زمین میں گاڑ کر مار ڈالنا یا بتوں پر قربانی چڑھا دینا یہہ تو گویا اُنکی گھُٹی میں پڑا ہوا تھا - حرامکاری اور بےحیائی کو بے شرمی کی یہہ نوبت تھی کہ کُوآری اور بیاہی عورتیں زنا کو فخر سمجھتی تھیں - اور جس طرح مرد کسی نامی عورت یا مشہور خاندان کی عورت سے زنا کرنا فخر کے طور پر بیان کرتا تھا اسیطرح عورتیں کسی نامی مرد یا مشہور خاندان کے مرد سے زنا کرنا فخریہ بیان کرتی تھیں - اکثر مفلس عورتیں اور مرد مادرزاد برہنہ کعبہ کا طواف کرتے تھے - باپ کے مرنے کے بعد بیٹا ورثہ کے طور پر اپنی سوتیلی ماؤں پر جبراً متصرف ہوجاتا اور گھر میں ڈال لیتا تھا - بن ماں باپ کے بچوں کا مال کھا لینے میں ذرا بھی تامل نکرتے تھے - اور حق ہمسائگی تو کوئی چیز ہی نہ تھا جس کا پاس و لحاظ کرتے - بجز شراب خواری و قمار بازی اور بُت پرستی کے کچھ کام نہ تھا - گھر گھر بُت پجتے تھے اور قبیلہ قبیلہ کا خدا جدا تھا قوم کی قوم جاہل تھی اور دنیا کی قوموں سے ایسی بے تعلق اور کونے مین پڑی ہوی تھی کہ تعلیم و تربیت کی پرچھائیں تک اُسپر نہ پڑی تھی - اور ایک غیر معلوم زمانہ سے ایسی سرشار جہالت و ضلالت میں ڈوبی ہوئی تھی کہ مبدأ و معاد کی خبر ہی نہ تھی - انسان کی ہستی کا مآل صرف یہہ سمجھے ہوئے تھے کہ جینا مرنا جو کچھہ ہے اسی دنیا میں ہے - اسکے بعد کچھ نہیں - جب وقت پورا ہوجاتا ہے مرجاتے ہیں - مارنے جلانے والا کوئی نہیں - چنانچہ انہیں کے حال سے خدا نے قرآن مجید میں خبر دی ہے کہ " وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ "* مگر باینہمہ

* دیکھو سورۂ جاثیہ رکوع سوم - مولف عفی عنہ -

ان لوگون نے اپنی زبان کو ایسی ترقی دی تھی - اور فصاحت و بلاغت
مین وہ کمال بہم پہنچایا تھا - کہ ایک ایک فصیح صاحب تقریر جو خطیب کہلاتا
تھا - قبیلوں کے قبیلوں کو فقط اپنے کلام کے زور سے جس ارادہ سے
چاہتا روک لیتا اور جدھر چاہتا جھونک دیتا تھا - اشراف خاندانوں کے
سب بچے لطفِ زبان طوطی اور بلبل ہزار داستان کی طرح گویا اپنے ساتھ - لے کر
پیدا ہوتے تھے - مکہ معظمہ کے پاس بمقام عکاظ جو برسویں دن میلہ لگتا
تھا اور تمام عرب کے لوگ آنکر جمع ہوتے تھے - اُسمین شعرا اپنے قصیدے
اور اشعار پڑہتے تھے - اور جو قصیدہ پسند ہوتا تھا تمام میلہ میں اُسکی دُھوم
پڑجاتی تھی اور ہرن - بکری یا اونٹ کی جھلی یا ریشمی کپڑے پر سُنہری حرفوں میں
نقش و نگار ہوکر کعبہ کی دیوار پر آویزان کیا جاتا اور مُذہّبَہ یا مُعلّقہ کہلاتا تھا - چنانچہ
سبعہ معلقہ جو عربی کے نہایت مشہور و معروف سات قصیدے ہین اُنہیں
میں سے ہیں - اور کعبہ کی دیوار پر قصیدہ کا آویزاں ہونا بڑا ہی موجب فخر سمجھا
جاتا تھا - یہانتک کہ مصنف کے پاس قبیلوں سے مبارکباد کے خط آتے
تھے - الغرض اُنکا سرمایۂ ناز یہی اُنکی ایک زبان تھی جسپر وہ نہایت ہی اتراتے
اور اپنے مقابلہ میں تمام دنیا کے لوگوں کو گونگا اور بے زبان یعنی (عجم)
بتلاتے تھے - پس جب خدا نے اپنے نہایت فضل و کرم سے اِن لوگونکی
ذلیل و زبون حالت پر رحم کھاکر خود اُنہیں میں سے ایک شخص کو (دل و جانم
فداے نامش باد) اُنکی تعلیم و ہدایت کے لئے کھڑا کیا - اور اپنے کلام
پاک کی روشنی اُسکے قلبِ منور پر ڈالی - تو مقتضاے وقت کے لحاظ

سے ضرور تھا کہ وہ کلام جو نہ صرف قوم عرب بلکہ تمام قوموں کی ہدایت اور تعلیم
کے لئے نازل ہوا تھا اپنی معنوی خوبیوں اور روحانی برکتوں کے علاوہ لفظی
لطافتوں اور ظاہری کمالوں سے بھی ایسا مملو و معمور ہو کہ اُس کی مثل
کہہ لینا ناممکن ہو۔ تا کہ وہ قوم جاہل جو نکات و دقایق علم مبداء و معاد
سے بالکل ناواقف و بیخبر اور صرف کلام کی ظاہری خوبی یعنی "فصاحت و بلاغت"
ہی کو ایک بڑی چیز سمجھے ہوئے تھی اُسکے معارضہ سے عاجز ہو کر اُسکو کلام
الٰہی جانے اور ایمان لائے۔ چنانچہ یہی سبب تھا کہ جب کافروں نے
اُس کلام پاک کے من اللہ ہونے میں شک کیا۔ اور کبھی جادو۔ اور کبھی
کچھ۔ اور کبھی کچھ بتایا۔ تو خدا نے بطور حجت اور دلیل صداقت اپنے رسول ؐ کے
اُسی چیز میں اُنسے معارضہ چاہا جسکا اُنکو بڑا گھمنڈ تھا۔ اور نہ صرف
ایکدفعہ بلکہ کئی دفعہ اور کئی موقعوں پر فرمایا کہ "اگر قرآن کے من اللہ ہونے
میں شک ہے۔ اور اپنی بات میں سچے ہو۔ تو اُسکے ایک ٹکڑے ہی
کی مانند لاؤ۔ اور اپنے حمایتیوں کو بھی بلالو" اور فرمایا کہ "پھر اگر تم
نکر سکے" اور پھر بطور یقین کے فرمایا کہ "کبھی نکر سکو گے تو بچو اُس آگ
سے جس کا ایندھن بت پرست آدمی اور وہ پتھر ہیں جنکو وہ اپنا خدا
بنا کر پوجتے ہیں اور جو طیار ہے کافروں کے لئے" پس حق یہہ ہے کہ قرآن مجید
جیسا بلحاظ اپنے بے نظیر ہادی ہونے کے بیمثل و بے مانند ہے۔ ویسا ہی
باعتبار اپنی "فصاحت و بلاغت" کے بھی بے نظیر و بے عدیل اور
خارج از طاقت بشری ہے۔ علی الخصوص اُس حالت میں جبکہ اِن

دونوں پہلوؤں پر بالاشتمال غور۔ اور اُس شخص کے علوم ظاہری سے بالکل ناواقف اور اُمّی ہونے پر لحاظ کیا جائے جسکی زبان پاک سے وہ نکلا ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالےٰ ہم اپنی اِس کتاب میں ثابت کریں گے ومن اللہ التوفیق۔

اب پہلے ہم قرآن مجید کی معنوی خوبیوں اور باطنی کمالوں کا بیان کرتے ہیں۔ اور دکھاتے ہیں کہ اُس کلام پاک نے بنی آدمؑ کی روحانی اور اخلاقی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ترقی تمدن کے باب میں کیا کیا کرشمے دکھائے اور کیسے دائم الاثر حقانی نتیجے پیدا کئے۔ جو اس امر کے ثابت کرنے کو کافی ہیں کہ جس کلام کے وہ نتیجے ہیں وہ بیشک و شبہ کلام الٰہی ہے۔ اور ممکن نہیں ہے کہ بغیر تائید وحی و الہام کے انسان ایسا کلام کر سکے کہ جسکے نتیجے ایسے عظیم الشان اور دائم الاثر ہوں۔ پس واضح ہو کہ جس زمانہ میں جناب خاتم الانبیا علیہ التحیۃ والثنا پر قرآن مجید نازل ہوا۔ دنیا ایک عجیب روحانی سکتہ میں مبتلا تھی۔ توحید ذات و صفات باری اور خالص خدا پرستی کو تقریباً تمام لوگ بھولے ہوئے تھے۔ اور طرح طرح کے فاسد عقیدے اور غلط رائیں۔ اور باطل پرستشیں۔ اختیار کر رکھی تھیں۔ کوئی خدائے واحد کی جگہہ دو متقابل وجود نور و ظلمت یا یزدان و اہرمن کو قائم کر کے نیکی و بدی کے اختیار کو اُن میں تقسیم کرتا تھا۔ کوئی چاند۔ سورج وغیرہ ستاروں کے نور و ضیا کا فریفتہ تھا! اور نور خدا۔ بلکہ خدا سمجھکر اُن کے آگے سر جھکاتا تھا! کوئی آتش پرستی میں سرگرم

تھا اور آگ کو معبود حقیقی سمجھکر اُس سے لو لگائے ہوئے تھا۔ کوئی بڑے اور
مفید دریاؤں اور جھیلوں کی محبت اور عقیدت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ
میری کشتی کا پار لگانا انہیں کے ہاتھ ہے۔ کسی کی عقل پر یہ پتھر پڑے
تھے کہ گھڑے ہوئے اور اَن گھڑ پتھروں کو خدا سمجھتا۔ اور دنیا و آخرت
کے فائدہ کی توقع سے اُن کے آگے اپنا ماتھا پھوڑتا تھا۔ کوئی نیچر یعنی
طبیعت ہی کو خالق است یا سمجھتا۔ اور خالق نیچر سے بیخبر اور اُسکا منکر تھا کوئی
مادہ کو ازلی و ابدی اور کائنات کی علّت موجبہ جانتا۔ اور خالق کائنات
کے بذاتہٖ منشائے ذوات ہونے کو کسی صورت سے نہیں مانتا تھا۔ بعض قومیں
جو خدا پرستی کا دم بھرتی اور اپنے کو خالص خدا کا بندہ بتاتی تھیں۔ اُن کی
حالت سب سے زیادہ خراب تھی۔ چنانچہ یہودی جنکا بار بار مرتد اور بت پرست
ہو جانا گویا خاصۂ طبعی تھا۔ اور اِس وجہ سے اُن سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی
کہ صحبت و اختلاط کی حالت میں ناخدا پرست قوموں کے خیالات و اعتقادات
کا اثر اُن پر نہو۔ متواتر انقلابات کی وجہ سے جو اپنا وطن چھوڑنے اور غیر ملکوں میں
جا کر پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ تو اگرچہ جہاں گئے اپنا طبعی حسد و قساوت قلبی
اور کبر و غرور مذہبی جسکے وہ اب کسی طرح مستحق نہ تھے ساتھ لیتے گئے۔ مگر غیر
قوموں کے مذہبی خیالات و اعتقادات سے متاثر ہونے سے نہ بچ سکے۔
چنانچہ جو لوگ اُن میں سے باوقات مختلفہ عرب میں آکر آباد ہوئے عربوں کی
ذلیل بُت پرستی اور سخیف اعتقادات نے (جو سیلاب کی طرح ہر سمت سے
موجیں مارتے کعبہ کی دیواروں سے آکر ٹکراتے تھے) اُنپر ایسا اثر کیا کہ

بہت کچھ مشرکین مکہ کی ہمخیالی کا دم بھرنے لگے - اور اس خیال کرنے کی معقول
وجہ ہے کہ کعبہ کی دیواروں پر جو تصویریں بنی ہوئی تھیں اور جنکو مشرکین مکہ منسوب
اور حضرت ابراہیم و اسماعیل وغیرہ پیغمبروں کی تصویریں* سمجھتے تھے
اور جو فتح مکہ کے روز حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
حکم سے مٹا دی گئیں - وہ انہیں کی بنائی ہوئی تھیں - چنانچہ فاضل محقق مسٹر
گاڈفری ہیگنس اپنی کتاب اپالوجی فار محمدؐ کے فقرہ (۴۳) میں لکھتے
ہیں کہ "بعض مصنفوں نے کہا ہے کہ اس عبادت گاہ (کعبہ) کو اسمٰعیلؑ
نے بنایا تھا - جو مکہ میں رہتا تھا - اور ابراہیمؑ کی مورت سب سے زیادہ مشہور
تھی - اور نوحؑ اور موسیٰؑ کی بھی مورتیں موجود تھیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ بنیاد ان تصاویر کی مذہب یہود تھا" اور بعید نہیں کہ خدا نے جو سورہ
نسا میں بعض علماے یہود کے حق میں فرمایا ہے "اَلَمْ تَرَ اِلَی
الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ"
جبت و طاغوت سے یہی تصویریں مراد ہوں - اور اگرچہ سلطنت اس قوم
کے ہاتھ سے جاتی رہی تھی - اور نہایت خوار و ذلیل ہو گئے تھے - مگر اب تک
نہایت سختی کے ساتھ اپنے مغرورانہ مذہبی حقوق کی خیالی صورت پر قائم
تھے - اور اُنکے علما گویا الوہیت کا دعویٰ کرتے تھے - عیسائیوں کے بھی
اصل اعتقاد (توحید) میں فرق آگیا تھا - اور خدا کو چھوڑکر خود حضرت عیسیٰؑ

* دیکھو تاریخ ابن ہشام مطبوعہ لندن ۱۸۶۷ء صفحہ (۸۲۱) و جلد اول تاریخ ابو الفدا صفحہ (۱۲۵) مطبوعہ
قسطنطنیہ اور جلد اول کتاب دویم ناسخ التواریخ صفحہ (۳۶۰) مطبوعہ طہران - مؤلف عفی عنہ

کو خدا اور خدا کا بیٹا وغیرہ سمجھتے تھے - اور بہت سے فرقے پیدا ہو گئے
تھے - چنانچہ کوئی تو آپ کو پورا خدا سمجھتا تھا! کوئی خدا سے مشابہ تر اور
ابن اللہ سمجھتا اور یہہ کہتا تھا کہ خدا نے خفیف سا شائبہ جسمانیت آپکو اس غرض
سے عطا کیا تھا کہ انسان خاکی بنیان کو نظر آ سکیں! کوئی کہتا تھا باپ بیٹے کیساتھ
باپ بھی مصلوب ہو گیا! کسی کا اعتقاد تھا کہ مسیح کی بشریت و الوہیت
باہم ملکر ایک حقیقت واحدہ ہو گئی! کسیکا قول تھا کہ اگرچہ مسیحؑ کی ماہیتین دو
تھیں! مگر اُن سے ارادہ ایک ہی ظاہر ہوتا تھا! وغیرہ وغیرہ - چنانچہ
گبن اپنی مشہور تاریخ زوال سلطنت روم میں لکھتا ہے کہ "بت پرستی
کے فنا ہو جانیکے بعد عیسائی لوگ زہد و تقوی کو اپنا شعار گردان کر رہبانیت
پر قناعت کرتے - مگر اُن میں تخم نفاق بو چکا تھا - اور اُنکو یہی فکر رہتی تھی کہ اپنے
پیغمبر کی ماہیت کو دریافت کریں - نہ یہہ کہ اُسکے احکام پر عمل کریں" *
عیسائیوں کے باہم جو جھگڑے اور جنگ و جدال اور خوں ریزیاں ہوئیں -
اور جس قبیح و مکروہ زبان میں وہ اپنے پیغمبر اور اُن کی والدہ کی الوہیت پر مباحثے
کرتے اور ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرتے تھے - اُنکا مشروحاً بیان
کرنا خالی از کراہت نہیں - اسلئے ہم صرف ایک مشہور عیسائی فاضل مسٹر
جان ڈیون پورٹ صاحب کا قول بجنسہ نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں - وہ لکھتے
ہیں کہ "اس زمانہ یعنی زمانہ ظہور اسلام میں مذہب عیسائی سے زیادہ کوئی

---

* دیکھو جلد (۴) باب (۴۸) صفحہ (۳۳۸) تاریخ زوال سلطنت روم مصنفہ اڈورڈ گبن مطبوعہ
۱۸۷۰ء مؤلف عفی عنہ

چیز بالتصریح خراب نہ تھی۔ وہ دونوں شاخیں مذہب عیسائی کی جو ملک
ایشیا و افریقا میں پھیل گئی تھین۔ اُنہوں نے طرح طرح کی بدعتیں
اور بداعتقادیاں اختیار کرلی تہیں۔ اور ہمیشہ باہمی مباحثوں اور مناقشوں
میں مصروف رہتی تھیں۔ اور ایرین۔ نسطورین۔ سبیلین اور یوٹیکین[۵۱]
مذہب والوں کی تکراروں سے نہایت دق تھیں۔ اُن کے پادریوں
کی بے اعتدالی اور عہدوں کی فروخت اور جہالت نے مذہب
عیسائی کو بڑا دھبہ لگایا تھا۔ اور عیسائی لوگوں کو نہایت بدرویہ کردیا تھا۔
عرب کے جنگلوں میں جاہل اور شوریدہ مغز راہب بکثرت تھے
جو بیہودہ تخیلات میں دماغ سوزی کرکے اپنی اوقات خراب کیا کرتے
تھے۔ اور اکثر اون کے غول کے غول شہر میں آکر اہل شہر کو اپنے توہمات
تلوار کے ذریعہ سے سکھایا اور منوایا کرتے تھے۔ نہایت ذلیل بُت پرستی
نے اُس سادی پرستش کی جگہہ چھین لی تھی جس میں حضرت عیسیٰؑ نے
خدائے حکیم علی الاطلاق اور قادر مطلق۔ اور ہمیشہ بے مثال و نفع رساں کی بندگی
کا حکم کیا ہے۔ اُنہوں نے اپنے خیال میں ایک نیا اولیمپس[۵۲]

۵۱ یہہ عیسائیوں کے چار علحدہ علحدہ فرقوں کے نام ہیں جو اپنے بانیوں کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۲ مولف عفی عنہ

۵۲ ملک یونان میں یہہ ایک مشہور و معروف پہاڑ ہے۔ قدیم بُت پرست یونانی اِسکے
عظمِ شان کی وجہہ سے اسکو اپنے دیوتاؤں کا مسکن خیال کرتے تھے۔ اور اُن کا
یہہ اعتقاد تھا کہ اُنکا دیوتا جُوو (جو جوپیٹر کا دوسرا نام ہے اور جس کو اہل ہند
کے معتقدات کے لحاظ سے تمثیلاً راجہ اندر کہنا چاہیے) اسپر بیٹھکر آسمان

قائم کرلیا تھا۔ اور اُنمیں اپنے مذہب کے ولیوں۔ شہیدوں۔ اور فرشتوں

کو آباد خیال کرتے تھے۔ جیسا کہ بُت پرست اپنے دیوتاؤں سے اولمپس

کو آباد سمجھتے تھے۔ اس زمانہ میں ایسے عیسائی بھی تھے جو یوسف کی زوجہ

(مریم علیہا السلام) میں الوہیت کی صفات قائم کرتے تھے۔ تبرکوں۔

تصویروں اور مُورتوں کو نہایت خلوص کے ساتھ وہی لوگ پوجتے تھے

جنکو حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا کہ ”تم اپنی دُعا صرف زندہ خدا سے کیا کرو“

اسکندریہ۔ حلب اور دمشق میں بھی مذہب عیسوی کا یہی حال ہو رہا

تھا۔ محمدؐ کے ظہور کے زمانہ میں ان تمام لوگوں نے اپنے مذہبی اصول

کو چھوڑ دیا تھا۔ اور مسائل فروعی میں غیر متناہی جھگڑوں میں مصروف

رہتے تھے۔ عرب کے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو معلوم ہو گیا تھا

کہ ہم اپنے اپنے مذہبوں کی بڑی اصل یعنی خدا تعالیٰ کی خالص پرستش

بھول گئے ہیں۔ اور سُوءِ اعتقادی اور بدعتوں کے لحاظ سے اپنے بت پرست

ہمعصروں کے مساوی ہیں +

+ دیکھو ڈیون پورٹ صاحب کی کتاب اپالوجی فار محمدؐ اینڈ دی قران مطبوعہ ۱۸۸۲ء شہر لندن صفحہ ۴۲ مؤلف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کو گرجنے والے بادلوں سے پُر کرتا اور اپنے بجلی کے آتشین تیروں کو ادہر اودہر پھینکتا ہے

اور اپنے محل میں (جسکو ولکین نے جو یونانیوں کے اعتقاد میں پاتال یعنی زیر زمین کی آگ اور

دھاتوں کا دیوتا تھا اُسکے لئے بنایا تھا) دیوتاؤں کو جمع کرکے بیٹھا اور جگ رہتا اور ایک رستہ سے جو

آسمانی محل کے دہانے گنبد میں بنایا گیا تھا اور جس کے دروازہ پر نہایت گاڑھے بادل کواڑوں کا

کام دیتے تھے جب چاہتا ہے اس جہان کے اُس طرف چلا جاتا ہے۔ ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا
مؤلف عفی عنہ

یہہ فاسد عقیدے اور نادرست رائیں اور باطل پرستشیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔ اور جنہوں نے روحانی و اخلاقی دُنیا پر اپنا نہایت گہرا سکّہ بٹھایا ہوا تھا۔ اور جن میں سے بعض کی تائید کے لیے روم و فارس جیسی زبردست اور عظیم الشان سلطنتیں موجود تھیں۔ تھوڑی یا بہت اس ریگستان میں بھی پھیلی ہوئی تھیں جہاں انکا مٹانے والا اور انکی جگہہ خدائے واحد ولاشریک کی ذات و صفات کی توحید اور خالص پرستش کا دوبارہ قائم کرنے والا پیدا ہوا۔ اور اس اعتبار سے عرب گویا اُن سب مُلکوں کی بدینی کا نمونہ اور مجموعہ تھا جن کا ابھی ذکر ہوا۔ اور اسیطرح وہ نہایت ناشائستہ اور ذلیل فسق و فجور اور اخلاقی اور تمدنی خرابی تھی جسکے لیے وہ مشہور تھا چنانچہ ہم مجملاً اوپر بیان کر آئے ہیں کہ کسقدر خون خرابے وہاں رہتے تھے۔ قتل اولاد کس بیرحمی اور زور شور سے جاری تھا۔ چوری اور لوٹ مار کس دھڑلّے سے ہوتی تھی۔ کینہ و قساوت کا جو بدترین خصائل انسانی سے ہیں کیا حال تھا۔ عورتوں کے ساتھہ کس درجہ بدسلوکی برتی جاتی تھی حرامکاری و بےشرمی کس حد کو پہنچگئی تھی۔ یتیم بچوں اور ہمسایوں کے حقوق کسطرح تلف کئے جاتے تھے۔ شراب خواری اور قمار بازی کی کیسی گرم بازاری تھی۔ جہالت و ضلالت کس مرتبہ چھائی ہوئی تھی +۔ اور یہہ ایسے اسباب

+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے محقق مؤلفین لکھتے ہیں کہ "جب آنحضرت نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اُسوقت دنیا میں تین طرح کے لوگ موجود تھے۔ عیسائی۔ یہودی اور مُشرک۔ مگر مذہب عیسوی کا اقرار اُن لوگوں میں بھی جو اپنے تئیں عیسائی

تھے کہ جن کا بالطبع یہہ اقتضا تھا کہ پردہ غیب سے ایک ہاتھ ربانی قوت و قدرت کے ساتھ پیدا ہو اور ان بدخیالیوں اور گمراہیوں پر جنہوں نے ایمان و اخلاق کی گردن پر چھری پھیر رکھی تھی جھاڑو پھیر دے ۔ کیونکہ بنی آدم کی تاریخ پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کبھی اس سخت خطا کار اور نادان پُتلے کی ضلالت و جہالت حد کے درجہ کو پُہنچ گئی ہے تو خدا کی رحمت کو ضرور جوش آیا ہے ۔ اور اُسنے اسکی دستگیری کی ہے ۔ اور خود اسی کے ہمجنسوں میں سے کسی اپنے برگزیدہ شخص کو اسکی ہدایت کے لئے بھیجا ہے ۔ چنانچہ اسی قسم کے اسباب تھے جو قیصر اگسٹس کے زمانہ میں اُس پاک انسان کی بعثت کے باعث ہوئے تھے جسکو اُسکے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد لوگوں نے اپنی نادانی سے نعوذ باللہ خدا اور خدا کا بیٹا قرار دے لیا ۔ پس ایسے اسباب کی موجودگی میں جو اُن اسباب سے بدرجہا قوی و شدید تھے یہہ کیونکر ممکن تھا کہ بمقتضا اُسکی فیاضانہ اور رحیمانہ عادت کے (جو اُسکی عین ذات ہے) خدا کی رحمت کو جنبش اور حرکت نہوتی ۔ اور وہ اپنے درماندہ و ناچار بندوں کو جہالت و ضلالت کے تیرہ و تار بیابان میں آوارہ و سرگردان رہنے دیتا اور ہلاکت سے نہ بچاتا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

سکتے تھے ناقص تھا اور تقریبًا ہر قسم کا کفر و الحاد جو انسان کے خیال میں آسکتا ہے جزیرہ نمائے عرب میں جاری تھا ۔ مشرکین کے عقائد مذہبی ایکدوسرے سے بالکلیہ مختلف تھے اور کسی طرح متفق نہو سکتے تھے ۔ اور اسلیے ایک ایسی چیز کی ضرورت تھی جو اس سے زیادہ سادہ اور معین اور با اصول ہو" ۱۲ ۔ مولف عفی عنہ

پس جسطرح ظلمت بالطبع نور کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اسی طرح انسان کی اس درماندہ وقابل رحم حالت نے خدا کی رحمت کو اپنی جانب کھینچ لیا۔ اور زمانہ کی طبعی رفتار کے موافق وہ عظیم القدر رات آن پہنچی جسکی صبح کو مخلوق پرستی کی تاریکی کا خاتمہ اور اُس آفتاب جہانتاب کا طلوع مقدر تھا جسکا نام توحید ہے۔ اور خُدا کے فرشتہ نے اُسکے پاک رسول کو جو رات کے سنّاٹے اور صبح کی خوش آیند خاموشی میں یکّہ وتنہا کوہ حرا کی چوٹی پر اُس بیچون وبیچگون ذات کے تصور میں آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ نہایت محبت آمیز خطاب کے ساتھ پکارا "یَاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ۔ فَاَنْذِرْ۔ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ۔ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ۔ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ۔ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ۔ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ۔ فَذٰلِکَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ۔ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ"

یعنی اے کپڑے میں لپٹ کر پڑنے والے اُٹھ۔ اور اپنی گمراہ قوم کو مخلوق پرستی وبداعمالی کے نتیجوں سے جو اس دُنیا سے گزرنیکے بعد پیش آنے والے ہیں ڈرا۔ اور بُت پرستوں کے مقابلہ میں جو اپنے ناچیز بُتوں کی بڑائی اور تعریفیں کرتے ہیں اپنے خدائے قادر مطلق کی عظمت وبزرگی ظاہر کر۔ اور پاکی اور پاکدامنی اختیار کر۔ اور شرک وبُت پرستی کی نجاست وناپاکی سے (جسمیں اُسکی قوم لتھڑ رہی تھی) اپنے کو بچا۔ اور اس سب سے بڑی نیکوئی یعنی گمراہی وضلالت سے چھڑانے اور نجات ابدی وحیات سرمدی کی سیدھی راہ دکھانے کا احسان لوگوں پر مت رکھ تاکہ ہمارا لطف واحسان تجھپر اور زیادہ ہو۔ اور اس مشکل کام میں جو تکلیفیں

اور اذیتیں تجکو پہنچیں اُنکو خالص اپنے خدا کے لئے جھیل - اور یقین جان لے
کہ جب صحراے محشر میں خلایق کے حاضر ہونیکے لئے بگل پھونکا جائیگا -
(یعنی ارادہ آلہی کے موافق جسطرح پر کہ اُسنے قانون قدرت میں مقرر کیا ہوگا
وقت موعود پر سب لوگ اوٹھینگے اور جمع ہوجائینگے) تو وہ دن خدا کے
ساتھ کسی مخلوق کو شریک کرنے والوں اور جزا و سزا کے نہ ماننے والوں
کے لئے نہایت ہی مشکل ہوگا -

پس اس ندائے غیبی و صدائے قلبی[۵۲] کے سُنتے ہی وہ مُصلح بنی آدم
پہاڑ سے اُتر کر اپنی خفتہ بخت قوم کے پاس آیا - اور جہالت و ضلالت کی گہری

---

۵۱ بخاری اور مسلم نے بالاتفاق اُم المومنین عائشہ کی سند پر نزول وحی کی کیفیت یہہ بیان کی ہے کہ حارث بن هشام نے آنحضرت سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ پر وحی کیونکر آتی ہے - آپ نے فرمایا کہ کبھی گھنٹہ کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھپر بہت سخت ہوتی ہے پھر مجھسے منقطع ہوجاتی ہے اور مینے یاد رکھا جو کہا - اور کبھی فرشتہ آدمی کی صورت میں مجھسے کلام کرتا ہے - پس میں یاد رکھتا ہوں جو کہتا ہے - مؤلف عفی عنہ

۵۲ مشہور و معروف جرمن فاضل پروفیسر میکس مولر صاحب فرماتے ہیں کہ وہ خداوند برحق اپنے پیغمبروں کو خود پسند کر لیتا ہے اور اُن سے ایسی آواز سے کلام کرتا ہے جو صداے رعد سے بھی زیادہ بلند و قوی ہے - یہہ وہی صداے باطنی ہے جس سے خدا ہم سب سے کلام کرتا ہے ممکن ہے کہ وہ اتنی خفیف ہوجاے کہ اچھی طرح سنائی بھی نہ دے اور یہہ بھی ممکن ہے کہ اُسمیں سے ربّانیت و حقّانیت جاتی رہے اور انسانیت آجاے یعنی دنیاداروں کی زبان ہوجاے - اور یہہ بھی ممکن ہے کہ برگزیدگان الٰہی کو اُس صدا میں اُسکی کیفیت اصلی یعنی حقانیت محسوس ہو - اور اُنکے گوش حق نیوش میں وہ آواز ہاتف غیب کی معلوم ہو" دیکھو کتاب تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام مصنفہ سید امیر علی صاحب سی آئی ای ایم اے بیرسٹر ایٹ لا - باب دوئم صفحہ (۲۱۳) مؤلف عفی عنہ

نیند سے جگانا شروع کیا۔ تاکہ اُس آفتاب حقیقت کو جو ابھی طلوع ہوا تھا
آنکھیں کھولکر دیکھیں۔ اور اُسکی عالم افروز روشنی میں اپنے امور معاد و معاش
کی اصلاح کریں۔ پس فطرت انسانی کے مقتضا کے موافق کچھ تو اشارہ
پاتے ہی فوراً جاگ اُٹھے۔ اور کچھ ذرا دیر کے بعد چونکے۔ اور کچھ جھنجوڑنے
اور ہلانے جُلانے کے بعد بیدار ہوئے۔ اور کچھ خواب غفلت میں ایسے ڈوبے
کہ اپنے آرام میں خلل انداز سمجھکر اُسکے دشمن بن گئے۔ اور طرح طرح
کی تکلیف دہی اور بیہودہ بک بک جھک جھک سے اُس نورِ خدا کو
خاموش کرنا چاہا جو تمام عالم میں خدا کی توحید اور صلاح و سداد کی روشنی
پھیلانے آیا تھا۔ مگر اُس مجسم رحمت کے صبر و استقلال اور حلم و شفقت کا
کیا کہنا کہ اُن بے انتہا تکلیفوں اور اذیتوں کی جو خود اُنہیں لوگوں کے
ہاتھ سے پہنچتی تھیں جنکی دائمی بھلائی اُسکو منظور تھی۔ کبھی شکایت نہ کی۔ بلکہ ستم
کے بدلے کرم۔ اور جفا کے عوض دعا کی۔ اور خدا پر (جو اپنی بات کو آپ
پورا کرنے والا ہے) توکل کرکے شب و روز اُنکی نصیحت و ہدایت میں مصروف
رہا۔ تا آنکہ اُسکی زبان پاک کی الٰہی تاثیروں اور ربّانی برکتوں نے یہ
حیرت انگیز نتیجہ پیدا کیا کہ باوجود قوم کی بیحد مزاحمتوں اور ظلموں اور
دل آزاریوں اور انکار و اصرار کے صرف تئیس برس کے محدود عرصہ میں
وہی عرب جو باطل پرستی۔ بدکاری۔ بداخلاقی۔ اور طرح طرح کی بُرائیوں کی
گھٹا ٹوپ تاریکی میں صدیوں سے اِدھر اُدھر ٹکراتا رہا تھا خالص ایمان باللہ
و مکارم اخلاق کی چکاچوند روشنی سے ایسا منور ہو گیا کہ اُسکی بدولت ایک جہان

نور و ظلمت کو خدا سمجھنے کی تاریکی سے باہر نکل آیا۔ ستارہ پرستی کی چمک دمک جاتی رہی۔ آتشکدوں کی گرم بازاری پر اوس پڑ گئی اور آتش پرستی سے طبیعتیں سرد ہو گئیں۔ دریاؤں اور جھیلوں کی عقیدت سے لوگ ہاتھ دھو بیٹھے۔ بتخانوں میں خاک سی اڑنے لگی۔ طبیعت اور زمانہ کو خالق سمجھنے کے پھیر سے دنیا چھوٹ گئی۔ انسان کو خدا یا خدا کے برابر سمجھنے کی برائی کو لوگوں نے بخوبی سمجھ لیا۔ تثلیث کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اور توحید مطلقہ و شریعت حقہ پھر قائم ہو گئی۔ شرک و مخلوق پرستی کی نجاست سے دل پاک و صاف ہو گئے۔ زہد و تقویٰ اور پاکی و پاکدامنی ہر شخص کا شعار ہو گئی۔ خدا کے گھر سے بت نکالے گئے اور وہ سب سے پرانا اور مقدس مکان جو ایک بڈھے خدا پرست اور اسکے نوجوان فرزند نے خاص خدا کی عبادت کے لئے بنایا تھا۔ پھر خالص خدا پرستی کے لئے مخصوص ہو گیا۔ اور ہر گوشہ و ہر مقام سے اسی مالک الملک کے نام پاک کی عظمت و جلالت اور تسبیح و تہلیل کی صدا آنے لگی جسمیں اپنی تعریف آپ یوں کی "اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ" یعنی خدا سے مستحق عبادت صرف وہ ذات جامع جمیع صفات کمال ہے جسکا نام اللہ ہے اور اسکے سوا کوئی چیز پرستش کے لایق نہیں۔ زندہ ہے یعنی

فنا، تغیر پذیر نہیں۔ ہمیشہ رہنے والا اور عالم کو اپنی قدرت سے تھام رکھنے والا ہے۔ نہیں پکڑتی اُسکو اونگھ اور نہ نیند (کیونکہ شان قیومیت کے خلاف ہے) اُسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے۔ یعنی اُن میں اُسکو ہر طرح کے تصرّف کا اختیار ہے کون ایسا ہے؟ جو اُسکی مرضی کے بغیر اُسکے پاس شفاعت کر سکے یعنی کوئی نہیں اور مشرکوں کا یہ گمان کہ اُن کے بُت اُنکی شفاعت کرینگے۔ غلط ہے۔ جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے۔ اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے یعنی جو کچھ کہ گزر گیا اور گزر رہا ہے۔ اور جو کچھ آیندہ دنیا یا آخرت میں ہونیوالا ہے سب اُسکو معلوم ہے۔ اور وہ نہیں پا سکتے کچھ بھی اُسکے علم سے بجز اُسکے جو وہ چاہے۔ یعنی معلومات الٰہی میں سے انسان کسی چیز کو بھی نہیں پا سکتا بغیر اسکے کہ وہ خود ہی بتائے۔ اُسکا علم یا اُسکی بادشاہت آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔ اور تھکاتی نہیں اُسکو اُنکی نگہبانی۔ اور وہ بلند تر ہے یعنی اشباہ و امثال اور اضداد و انداد۔ اور نقص و حدوث کی نشانیوں سے بالاتر ہے۔ اور بڑی شان اور بڑی قدرت والا"

سُبحان اللہ چند مختصر لفظوں میں کس خوبی اور عمدگی سے اپنی ذات و صفاتِ ثبوتیہ و سلبیہ کا بیان کیا ہے کہ ایک ایک لفظ سے گوناگوں فاسد عقیدے رد ہوتے ہیں۔ اور ایک سیدھی اور صاف راہ معرفتِ ذات و صفات الٰہی کی انسان پر کھل جاتی ہے۔ اور اِس ذات پاک کی عظمت و جلالت اور قدرت و سطوت اور تقدیس و تمجید کا ایک ایسا نقش

دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں۔

اس غرض سے کہ یہہ جو کچھ ہمنے بیان کیا ہے اسکو کوئی مبالغہ نہ سمجھے اسکے ثبوت میں ہم ایک ایسے عیسائی فاضل کا قول نقل کرتے ہیں جو اپنی اعلی علمی لیاقتوں اور تحقیق حق کے لئے مشہور ہے۔ یعنی مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب ایم۔اے سلمہ اللہ تعالی۔ صاحب موصوف اپنی کتاب محمڈ اینڈ محمڈن ازم میں لکھتے ہیں کہ وہ محمد کا بیان درباب وحدانیت خدا اور اس امر کے کہ وہ انسان کے ہر ایک چھوٹے بڑے فعل پر مختار ہے صرف کسی پہلے مذہب سے چرایا ہوا نہ تھا۔ یہودی علی العموم اپنے بہترین زمانہ میں بھی خدا کے سوا اور دیوتاؤں کی پرستش میں جنسیت کے ساتھ مصروف ہو گئے تھے۔ اور آخر کار قید کا لوہا انکی روحوں میں داخل ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے اپنے مشرقی ملکوں کے قیام کے زمانہ میں بہت کچھ سیکھ لیا۔ مگر اُس سے زیادہ بھول گئے۔ وہاں آکر وہ بُت پرستی ہمیشہ کے لئے بھول گئے۔ لیکن گو اُنہوں نے اُسوقت کے بعد پھر دیوتاؤں کی پوجا نہیں کی۔ مگر اپنے انبیا کی اعلی درجہ کی تعلیم سے وہ پھر بھی بہت غافل تھے۔ اور جو وقت کہ اُنکے انتہا درجہ کے عروج کا ہوا ہوتا وہ اُس سب سے بڑے کشت و خون کے ساتھ ختم ہو گیا جو اُنکے زوال سے تھوڑے ہی دنوں پہلے وقوع میں آیا تھا۔ عصار سلطنت یہود اکے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ لیکن جلاوطن شدہ یہودی ابتک ملک عرب میں نہایت سختی کے ساتھ اپنے مغرورانہ مذہبی حقوق کی خیالی صورت

پر قائم تھے - حالانکہ جس بات نے اُنکو یہہ استحقاق دیا تھا اب اُسکا نام و

نشان بھی نرہا تھا - عیسائی بھی (میری مُراد ایسے عیسائیوں سے ہے جنسے

ملنے کا محمدؐ کو اتفاق ہوا+) یہودیوں کا مذہب اور وہ اعلیٰ درجہ کے الہامات

خدا جو حضرت عیسیٰ نے اُنکو پہنچاے تھے - اور جن کو یہودیوں نے

قبول نہ کیا تھا - بھول چکے تھے - ھوموشئی نیس - مانو تھی لائیٹس

مانو لی سٹس - جیکوبیٹس فرقوں کے عیسائی نہایت سختی کے ساتھ

ایسی باتوں میں مذہبی قاعدے بنا رہے تھے جن میں ہمارے متبرک پیشواوں

نے کوئی بھی قاعدہ یا اُصُول نہیں بنایا - وہ نہایت شدت کے ساتھ ایسے

مباحثوں میں مصروف تھے مثلاً یہہ کہ جو بات علم ریاضی کی رو سے غلط ہے

وہ علم مابعد الطبعیت کی رو سے صحیح ہو سکتی ہے ! اور عجیب طور سے ایسی

باتوں میں سچ یا جھوٹ کا لگاؤ نکالتے تھے جو اُنکو اس غرض سے بتائی

گئی تھیں کہ آپس کی پھوٹ کے متفرق کر دینے والی گہری جھیل اُنہیں نہ رہے

وہ جھوٹ کو حقیقت - فصاحت و بلاغت کو منطق - اور نظم کو نثر بناتے تھے

زبان سے تو خدا خدا نہایت چلا چلا کر کہتے تھے - مگر دلمیں وحدانیت خدا

+ یہہ تخصیص بے وجہ ہے کیونکہ تثلیث اور حضرت مسیح کی الوہیت اور اس بیہودہ مسئلہ کے که پادری کے دعا پڑھکر دم کر دینے سے روٹی اور شراب مجازاً نہیں بلکہ حقیقتاً حضرت مسیحؑ کا گوشت اور خون ہو جاتی ہے جسکے کھانے سے گنہگاروں کے سب گناہ بخشدیے جاتے ہیں اُس زمانہ کے سب ہی عیسائی معتقد تھے - اور رومن کیتھلک اور چرچ یونان کے گرجاؤں میں تو ابتک حضرت مسیح و حضرت مریم - اور پطرس اور پولوس حواریوں اور اور ولیوں اور شہیدوں کی تصویریں اور مورتیں پجتی ہیں اور روٹی اور شراب کی قلب ماہیت کے مسئلہ کے لوگ بڑی شدت سے معتقد ہیں -
والی عفی عنہ

کو بھلا چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی نسبت وہ تمام معاملات میں سوائے کسی ایسی
بات کے جو اُنکی طرح کی زندگی بسر کرنے کی ہدایت کرے بحث کرتے تھے۔
پس محمد اسلئے آئے کہ اِن تمام باطل باتوں پر جھاڑو پھیر دیں۔ بُت وہ کیا؟
زیتون کی لکڑی کے ٹکڑے جو خدا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں! فلسفیانہ
خیالات اور مذہب مکڑی کا تنا ہوا جالا! اِن سب کو دُور کرو۔ اللہ سب سے
بڑا ہے۔ اور اُسکے سوا اور کوئی شے بڑی نہیں ہے۔ یہی مسلمانوں کا مذہب
ہے۔ اسلام۔ یعنی انسان کو چاہئیے کہ خدا کی مرضی پر توکل کرے۔
اور ایسا کرنے میں نہایت خوش ہو۔ یہی مسلمانوں کا طرز زندگی ہے۔ ایک
معترض یہہ سوال کرسکتا ہے کہ اِن دونوں اصولوں میں جو اوپر بیان ہوئے
ہیں۔ کون سی بات ایسی ہے جسکو یہہ کہا جاے کہ وہ نئی تھی یا محمد ہی کو سوجھی
تھی۔ بیشک کچھہ نیا نہ تھا۔ بلکہ یہہ باتیں ایسی پرانی تھیں جیسا کہ موسیٰ کا زمانہ۔
بلکہ فی الحقیقت ایسی پرانی جیسے کہ خود ابراھیمؑ۔ باربار محمد نے نہایت
سنجیدگی سے جتلایا ہے کہ "میں عربوں کے لئے کوئی نئی بات لیکر مبعوث نہیں
ہوا بلکہ صرف شریعت ابراھیمیؑ کو دوبارہ زندہ کرنیکے لئے آیا ہوں جو ہمیشہ یہاں
موجود تھی۔ مگر اُسکو سب لوگ بھول گئے یا اُس سے غافل ہوگئے ہیں" قوم
سے علحدہ اور غمگین و ناخوش یہودیوں۔ اور آپس میں لڑنے والے تین خدا
کے قائل عیسائیوں۔ اور ہر طرح کے مخلوق پرستوں میں ایک اُونٹ
ہانکنے والا آیا۔ نہ اسلئے کہ اُنکو کوئی نئی بات سکھائے۔ بلکہ اس لئے کہ جو پرانی
شے وہ بھول گئے تھے اُنکو یاد دلائے۔ عرب کی زمین پر دو ہزار برس

پہلے ایک ایسے شخص (موسیٰ) کو جو جنگل میں اپنے باپ[51] کی بکریاں چرا رہا تھا یہ سادہ مگر جو نکا دینے والا پیغام آیا تھا[52] "میں وہ ہوں جو میں ہوں سُن اے اسرائیل ہمارا مالک خدا ایک خدا ہے - پس جا اور میں تیری زبان کے ساتھ ہونگا اور سکھاؤنگا تجھے جو تجکو کہنا چاہئے[53]" اِن الفاظ کو سُنکر یہہ برگزیدہ قوم (بنی اسرائیل) افریقا سے ایشیا میں چلی گئی - غلام آزاد ہوگئے اور ایک خاندان ایک قوم بنگیا - اُسی عرب کی زمین پر اب پھر وہی آواز ایک دوسرے بکریاں چرانے والے کو آئی - اور ایسے اثر کے ساتھ آئی جو پہلی آواز سے کچھ کم عجیب یا عام طور پر دنیا کو فائدہ پہنچانے میں اُس سے ہرگز کچھ کم نہ تھی - یعنی "اَللّٰہُ اَکْبَرْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ" یہہ رسالت قبول کی گئی - اور خدا کے پیغام کا اعلان کیا گیا اور ایک ہی صدی کے اندر اِس آواز کی گونج عدن سے انطاکیہ[54] تک اور سے وِیل[55] سے سمرقند تک پھیل گئی - اور اس تمام ملک

[51] انگریزی سُسر کو بھی باپ ہی لکھتے ہیں - مؤلف عفی عنہ

[52] چودھویں آیت - تیسرا باب کتاب خروج - مولف عفی عنہ

[53] بارہوین آیت - چوتھا باب کتاب خروج - مؤلف عفی عنہ

[54] انطاکیہ ملک شام میں ایک قدیم اور مشہور و معروف شہر تھا جو اب بالکل کھنڈر نظر آتا ہے - یہہ مدت دراز تک رومیوں کے قبضہ میں رہا - اور بہت سے دلچسپ تاریخی واقعات اس سے متعلق ہیں - مگر سلطنت رومانیہ کے زوال کے زمانہ میں جب مسلمان تمام ملک شام پر قابض ہوگئے تو اسپر بھی قبضہ کرلیا - مولف

[55] سے وِیل ملک اسپین کے ایک صوبہ اور شہر کا نام ہے جسکو مسلمانوں نے سنہ ۷۱۱ء میں فتح کیا تھا - اور سنہ ۱۲۴۷ء تک اہل اسلام کے قبضہ میں رہا - مولف عفی عنہ

نے اسکی حقیقت کو مان لیا“ (انتہٰے قولہ سلمہ)

اب ناظرین کو چاہیے کہ چند منٹ کے لئے یہاں ٹھہر جائیں اور سوچیں کہ وہ کلام پاک جسکی معجزانہ اور حیرت انگیز تاثیروں نے مردہ عرب کو اس طرح زندۂ جاوید کر دیا۔ اور وحشیوں کو مہذب اور جاہلوں کو عالم۔ اور غافلوں کو عارف باللہ بنا دیا۔ اگر وحی و الہام نہ تھا تو کیا تھا؟ اور کیا یہ ممکن تھا کہ بغیر تعلیم الٰہی و ہدایت ربانی اور وحی و الہام کے کوئی انسان خصوصاً ایک ایسا شخص جو اُمّی محض ہو ایسا معجزانہ کلام کر سکے؟ اور کیا یہ عیاذاً باللہ کسی تحریک نفسانی و وسوسۂ شیطانی اور مکر و فریب اور دھوکے اور افترا کا نتیجہ تھا؟ جو ایسے شخص سے سرزد ہوا جو ڈاکٹر سپرنگر صاحب جیسے متعصب عیسائی فاضل کے نزدیک بھی ایسا تھا کہ ”جسکے خیال میں ہمیشہ خدا کا تصور رہتا تھا۔ اور جسکو نکلتے ہوئے آفتاب اور برستے ہوئے پانی اور اگتی ہوئی روئیدگی میں خدا ہی کا ید قدرت نظر آتا تھا۔ اور غرش رعد و آواز آب اور طیور کے نغمۂ حمد الٰہی میں خدا ہی کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اور سنسان جنگلوں اور پرانے شہروں کے کھنڈروں میں خدا ہی کے قہر کے آثار دکھائی دیتے تھے+“ اور جسکی سیرت مبارک بقول کشیش معظم ریورینڈ جی۔ ایم۔ راڈویل صاحب۔ ایم۔ اے مترجم قرآن ”ایک عجیب و غریب نمونہ ہے اُس قوت و حیات کا جو ایسے شخص میں ہوتی ہے

+ دیکھو کتاب لائف آف محمد صفحہ (۸۹) مصنفہ ڈاکٹر اے سپرنگر صاحب مطبوعہ ۱۸۵۱ء

بمقام الہ آباد۔ ۱۲ مؤلف عفی عنہ

جسکو خدا اور عاقبت پر شدت کے ساتھ یقین ہوتا ہے۔ اور جو اپنی
ذات کریم اور سیرت صداقت مشحون سے ہمیشہ اُن لوگوں میں شمار
کیا جائیگا جنکو اپنے بنی نوع کے ایمان و اخلاق اور تمام حیات دنیوی پر
ایسا اختیار کامل حاصل ہوتا ہے جو بجز حقیقت میں کسی نہایت اعلیٰ درجہ
کے شخص کے کسی اور کو کبھی حاصل نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔" +

میں امید کرتا ہوں کہ جسکو خدا نے تھوڑی سی بھی سمجھ دی ہے۔ اور اُسکے
قوائے عقلی تعصب اور طرفداری کے بوجھ میں دب نہیں گئے۔ یقیناً
اُسکا کانشنس گواہی دیگا کہ یہہ عجیب و غریب تاثیریں بے شبہ منجانب اللہ
اور وحی والہام کی برکت سے تھیں اور اُنکا سرچشمہ وہی پاک اور قادر مطلق
ہستی تھی جسنے اپنے پاک کلام اور اپنے سچے رسول کی نسبت یہہ فرمایا۔
"مَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰے" یعنی یہ نہ سمجھو کہ ہمارا یہہ پیغمبر اپنی
طبیعت سے باتیں بنا کر کہدیتا ہے۔ نہیں وہ اپنی خواہش نفسانی سے
کچھہ نہیں کہتا۔ بلکہ وہی بات کہتا ہے جو وحی کے طور پر اُسکے دل میں ڈالی
جاتی ہے۔

مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب کی مذکورہ بالا بے لوث شہادت کے
بعد اگرچہ اب کسی اور شہادت کے پیش کرنے کی احتیاج باقی نہیں رہی مگر
ناظرین کے مزید اطمینان کے لئے ہم دو شہادتیں اور پیش کرتے ہیں جو
اپنی قدر و قیمت میں اس سے کچھہ کم نہیں ہیں۔ چنانچہ آنریبل سر ولیم میور صاحب

+ دیکھو راڈویل صاحب کا دیباچہ ترجمہ قرآن صفحہ ۲۳ مطبوعہ سنہ ۱۸۶۱ء ۱۲ مولف عفی عنہ

جو آپنے علم وفضل اور تائید مذہب عیسوی کے لئے مشہور ہیں اپنی کتاب
لائف آف محمد کی جلد دویم کے صفحہ ۲۶۹-۲۷۱ مطبوعہ سنہ ۱۸۶۱ء میں
ارقام فرماتے ہیں کہ " اگرچہ محمد کے اوامر و احکام اسوقت تک
تھوڑے سے اور سادہ طور کے تھے جیسا کہ بیان بالا سے ظاہر ہوتا ہے
مگر اُنہوں نے ایک تعجب انگیز اور عظیم الشان کام کیا جب کہ دین مسیحی نے
دنیا کو خواب غفلت سے بیدار کیا تھا - اور شرک و بُت پرستی سے جہاد عظیم
کیا تھا - اُسوقت سے حیات روحانی کبھی ایسی برانگیختہ نہوئی تھی - اور نہ ایسا
غلو کسی مذہب میں ہوا تھا جیسا کہ دین اسلام میں ہوا - اس دین کے پیروان
خوش اعتقاد نے کیسے کیسے نقصانات صرف اپنے ایمان کی خاطر اُٹھائے
اور اُن نقصانات کی تلافی میں مال غنیمت کس خوشی سے لے لیا - ایک زمانۂ
نامعلوم سے مکہ اور تمام جزیرہ نمائے عرب کی روحانی حالت بالکل بیحس وحرکت
ہوگئی تھی - اور اگرچہ شریعت موسوی اور دین مسیحی اور فلسفۂ یونان کا کچھ اثر عرب
پر ہوا تھا مگر وہ ایسا ناپائدار اور خفیف تھا جیسے کسی جھیل کے پانی کی سطح پر کبھی کبھی
کوئی لہر آجاتی ہے - مگر پانی کے نیچے کہیں ذراسی بھی حرکت نہیں معلوم ہوتی -
الغرض عرب کے لوگ توہمات اور کفر و ضلالت اور بیرحمی و بداعمالی کے
دریا میں غرق تھے - چنانچہ یہہ عام رسم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیویوں کو
جو اور جائداد کی مانند میراث میں آتیں بیاہ لیتا تھا - اُن کے غرور اور افلاس
سے دختر کشی کی رسم بھی اُن میں اُسی طرح جاری ہوگئی تھی جسطرح فی زمانہ نا
ہندوؤں میں جاری ہے - اُنکا مذہب حد سے درجہ کی بت پرستی تھا - اور

انکا ایمان ایک مسبب الاسباب مالک علی الاطلاق پر نہ تھا۔ بلکہ غیر مرئی
ارواح سے کے توہم باطل کی ہیبت کا سا انکا ایمان تھا۔ اُنہیں کی رضامندی مناتے
تھے۔ اور اُنہیں کی ناراضی سے احتراز کرتے تھے۔ قیامت اور جزا و سزا
جو فعل یا ترک کا باعث ہو اُسکی اُنہیں خبر ہی نہ تھی۔ ہجرت سے تیرہ برس
پہلے تو مکہ ایسی ذلیل حالت میں بے جان پڑا تھا مگر اُن تیرہ برسوں نے کیا
ہی اثر عظیم پیدا کیا۔ کہ سیکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدا ے
واحد کی پرستش اختیار کی۔ اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الہی کی ہدایت کے
مطیع و منقاد ہو گئے۔ اُسی قادر مطلق سے بکثرت و بشدّت دعا مانگتے۔
اُسی کی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے۔ اور حسنات و خیرات اور پاکدامنی اور
انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اب انہیں شب و روز
اُسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال تھا۔ اور یہ کہ وہی رزاق ہمارے ادنی حوائج کا
بھی خبر گیراں ہے۔ ہر ایک قدرتی اور طبعی عطیہ میں۔ ہر ایک امر متعلقہ زندگانی
میں۔ اور اپنے خلوت و جلوت کے ہر ایک حادثہ اور تغیر میں۔ اُسی کے ید قدرت
کو دیکھتے تھے۔ اور اس سے بڑھکر اس نئی روحانی حالت کو جسمیں خوشحال اور
حمد کناں رہتے تھے۔ خدا کے فضل خاص و رحمت باختصاص کی علامت
سمجھتے تھے۔ اور اپنے کور باطن اہل شہر کے کفر کو خدا کے نقدیر کئے ہوئے
خذلان کی نشانی جانتے تھے۔ محمد کو جو اُنکی ساری اُمیدوں کے ماخذ
تھے اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے۔ اور اُنکی ایسے کامل طور پر اطاعت
کرتے تھے جو اونکے رتبہ عالی کے لایق تھی۔ ایسے تھوڑے ہی زمانہ میں مکہ

اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ جو بلالحاظ قبیلہ و قوم ایک دوسرے کے درپے مخالفت و ہلاکت تھے۔ مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل و شکیبائی سے برداشت کیا۔ اور گو ایسا کرنا اُنکی ایک مصلحت تھی۔ مگر توبھی ایسی عالی ہمتی کی بردباری سے وہ تعریف کے مستحق ہیں۔ ایک+ سو مرد اور عورتوں نے اپنا گھر بار چھوڑا۔ لیکن ایمان عزیز سے مونہہ نہ موڑا۔ اور جبتک کہ یہہ طوفان مصیبت فرو ہوئے حبش کو ہجرت کر گئے۔ پھر اس تعداد سے بھی زیادہ آدمی کہ اُنمیں نبی بھی شامل تھے اپنے عزیز شہر اور مقدس کعبہ کو جو اُنکی نظر میں تمام روے زمین پر سب سے زیادہ مقدس تھا چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کر آئے اور یہاں بھی اُسی جادو بھری تاثیر نے دو یا تین برس کے عرصہ میں ان لوگوں کے واسطے ایک برادری جو نبیؐ اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئے طیار کر دی،،

دوسرے شاہد ریورینڈ جی۔ ایمہ راڈویل صاحب ہیں جنہوں نے بڑی سرگرمی اور سعی موفور سے قرآن مجید کا ترجمہ بہ ترتیب نزول سُوَر کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ترجمہ کے دیباچہ میں قرآن مجید کی تعلیمات کی تاثیر کی نسبت جو قوم عرب پر ہوئی فرماتے ہیں کہ ”عرب کے سیدھے سادے خانہ بدوش بدوا ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو“ پھر تھوڑا سا آگے چلکر فرماتے ہیں ”بت پرستی کے مٹانے۔ جنات

+ ایک روایت کی روسے بیاسی اور ایک کی رو سے تراسی مرد اور سترہ عورتیں اور ایک چھوٹی لڑکی اور دو لڑکے تھے جو حبش کو گئے تھے۔ ۱۲ مولف عفی عنہ

اور مادیات کے شرک کی عوض اللہ کی عبادت قائم کرنے۔ اطفال کشی
کی رسم کو نیست و نابود کرنے۔ بہت سے توہمات کو دور کرنے۔ اور ازواج
کی تعداد کو گھٹا کر اُسکی ایک حد معین کرنے میں قرآن بے شک عربوں کے
لئے برکت اور قدومِ حق تھا گو عیسائی مذاق پر وحی نہو" + (انتہے قولہ)

حق پسند ناظرین آپ نے قرآنِ مجید کے اعجاز کو دیکھا؟ کہ اُنیسویں صدی
کے کیسے بڑے بڑے فاضل اور محقق عیسائیوں سے اپنی معجزانہ
تاثیرات و برکات کی نسبت کس زور شور سے اقرار حاصل کر رہا ہے اور وہ
امرِ حق کے وضوح و ظہور سے مجبور ہو کر کیسی صاف اور بے لوث شہادتیں
ادا کر رہے ہیں۔ چنانچہ کوئی تو اُسکے وحی و الہام ہونے کو صاف صاف
ہی تسلیم کر رہا ہے۔ اور کوئی گو صریح و واضح طور پر اقرار کرنے سے بچا تا۔ اور
اُسکی تاثیروں کی نسبت معجزانہ اور ربانی کہنے کی جگہہ "جادو بھری" کا لفظ استعمال
کرتا ہے۔ مگر جادو خود ایک ایسا امر ہے جسکی حقیقت کو اس زمانہ کا کوئی بھی
ذی علم اہل یورپ تسلیم نہیں کرتا۔ اور جو فی الواقع تسلیم کرنیکے لایق بھی نہیں ہے پھر
اور ایسے وہمی اور بے اصل امر میں یہہ طاقت کہاں تھی کہ حیات روحانی کو
ایسا برانگیختہ کر دیتا۔ جو خود اُسی محقق فاضل کے قول کے موافق "وہ ابتداء
دین مسیحی سے اُسوقت تک کبھی ایسی برانگیختہ نہوئی تھی جیسی کہ چند اوامر و
احکامِ اسلام کی تعلیم سے ہوئی"۔ پس جس حالت میں کہ کسی انسانی فعل۔ جادو وغیرہ

+ یہہ جملہ جسپر ہمنے دوہرا خط کھینچ دیا ہے ۱۸۶۱ء کے اڈیشن میں تو ہے مگر ۱۸۷۶ء کے
اڈیشن میں سے حذف کر دیا گیا ہے۔ مولف عفی عنہ

سے ایسی عجیب وحیرت انگیز روحانی اصلاحوں کا وقوع میں آنا ممکن نہیں جیسا کہ
قرآن مجید کے وعظ سے ظہور میں آیا۔ تو پھر اُسکے معجز اور من اللہ ہونے میں
کیا شک ہے۔ افسوس! انسان خواہ کیسا ہی عاقل وفاضل کیوں
نہو مذہب کی طرفداری اور سبق ظن اُسکو سچی بات کے قبول کر لینے
اور کم سے کم اُسکی سچائی کو زبان پر لانیسے ہمیشہ مانع ہوتا ہے۔ اور جبکہ
کسی نہایت صاف وصریح امر حق کی تکذیب اور اُس سے انکار نہیں کر سکتا
تو مجبوراً ایسی ضعیف اور بودی باتوں سے اپنے دل کی تسلی کر لیتا ہے
جنکی کچھہ بھی حقیقت اور اصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعینہ یہی حال مشرکین مکہ اور
اہل ادیان باطلہ کا تھا جنکے سامنے قرآن مجید کی آیتیں پڑھی جاتی
تھیں۔ اور اُنکو کہا جاتا تھا اگر اسکے من اللہ ہونے میں شک ہے تو
تم بھی ایسا حیرت انگیز و پرتاثیر کلام لاؤ۔ اور وہ معارضہ سے مجبور ہو کر سحر وجادو
بتاتے تھے۔ اور اس طرح پر اپنے حیرت زدہ دل کا اطمینان کر لیتے تھے
اب سیاقِ کلام اسکا مقتضی ہے کہ امینِ عرب صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم پر نزول وحی کے حیرت انگیز و ہدایت آمیز قصہ کو ہم پھر دوہرائیں
اور اُن مشکلوں اور دقتوں اور تکلیفوں کو جو اُس رسولِ جلیل۔ افتخار ذبیح و خلیل
کو اپنی رسالت کے نہایت مشکل اور عظیم الشان کام میں پیش آئیں اور اُنکے
مقابلہ میں جو صبر وثبات اور استقلال و راسخ قدمی آپ سے ظہور میں آئی
اُسکو مختصراً بیان کریں۔ تاکہ انصاف دوست ناظرین فیصلہ کر سکیں کہ یہہ
حیرت انگیز تاثیرات و برکات خدا کی ذات پاک کے ساتھ تقرب و تعلق کا

نتیجہ تھیں یا ایک شخص سے بے اصل تخئیل و تصور کا ثمرہ تھا؟ جو بقول مخالفین
"بسبب گوشہ نشینی اور عبادت و ریاضت اور فکر و غور کی عادت کے قوت
متخیلہ کے درجہ بدرجہ بڑھ جانے سے جسکو "صرعِ دوری" کے مرض سے
اور بھی اشتعال ہوا بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دھوکے میں پڑجانے
اور اپنے رویا و تخیلات کو وحی والہام باور کرلینے کا باعث ہوا" اور وہ عقلِ کل
جسکی تیزیِ فہم اور نہایت مرتبہ کے عُلُوِّ نظر اور اصابتِ راے کا اقرار
ڈاکٹر سپرنگر جیسے شخص کو بھی[۵۱] ہے۔ تئیس برس کے مُمتد عرصہ
تک اُسی دھوکے میں پڑا رہا! اور نہ کسی لالچ ہی نے اُسکو اس واہمہ
سے نکالا اور نہ کسی حقارت و تذلیل اور بڑے سے بڑے خوف و خطر ہی نے!
یہانتک کہ جان کے لالے پڑ گئے مگر اسپر بھی نہایت ہمئیل و بے نظیر
ثابت قدمی کے ساتھ اپنی اُسی سعی و کوشش میں مصروف رہا جو بوجہ رسول
برحق ہونے کے مخلوق پرستی کے مٹانے اور خدا کی ذات و صفات کاملہ
کی توحید اور خالص پرستش قائم کرنیکے لئے اختیار کی تھی اور سب پر بالاہیہ
کہ جو ارادہ کیا تھا اُسکو پورا بھی کر دکھایا۔

پس واضح ہو کہ جناب افضل الرسل والانبیا علیہ التحیۃ والثنا کی عمر شریف
کا چالیسواں سال پورا ہو چکا تھا کہ عالم مراقبہ میں آپ کے قلب[۵۲] منور کو اس امر کا

---

۵۱ دیکھو لائف آف محمد صفحہ (۸۹) مطبوعہ ۱۸۵۱ء مقام الہ آباد۔ ۱۲ مولف عفی عنہ

۵۲ دیکھو قرآن مجید سورہ بقرہ خدا فرماتا ہے "اِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ" یعنی
جبرئیل نے قرآن کو خدا کے حکم سے تیرے دل پر اُتارا ہے۔ اور سورہ شعرا

احساس وادراک ہوا کہ وہی روحانی صورت + جو پہلے غار حرا میں دکھائی دی تھی اور آپ کو خدا کا پیغمبر اور اپنے تئیں خدا کا فرشتہ بتا کر خدا کی ذات و صفات عالیہ کے متعلق چند الہامی کلمات سکھا گئی تھی خدا کا یہ مقدس پیغام آکو دیتی ہے " یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۔ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ۔ فَذٰلِكَ یَوْمَىٕذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ۔ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ۔" یعنی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ میں ہے " نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ"

یعنی قرآن کو روح الامین (جبرئیل) نے تیرے دل پر اُتارا ہے تاکہ تو خدا کے خوف سے آگاہ کرنے والوں میں سے ہو۔ مؤلف عفی عنہ۔

+ مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب اپنی کتاب کے صفحہ (۱۱۹) میں فرماتے ہیں کہ " انبیاے بنی اسرائیل اور سینٹ این تھونی۔ اور سینٹ بینے۔ ڈکٹ اور جُو آن آف آرک اور سینٹ تھیر سا اور سوئیڈن برگ بلکہ خود لوتھر کی طرح محمدؐ کو بھی کچھ کچھ نظر آیا کرتا تھا۔ اور ہر کوئی جانتا ہے کہ لوتھر کو مجسم شکلیں نظر آیا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ اُسنے شیطان کی طرف جو اُسے قلعہ وارٹ برگ میں نظر آیا تھا دوات پھینک ماری تھی۔ پس اگر ایک شخص پر ایسے تخیلات کی وجہ سے جھوٹے دعووں کا الزام نہیں لگایا جاتا تو پھر دوسرے کو کیوں ملزم ٹھہرایا جاتا ہے؟ جو کچھ محمد دیکھتا تھا وہ اُسی بیان کرتا تھا۔ اور وہ بے شک دیکھتا تھا۔ گو وہ سب کچھ اُسی کی قوت متخیلہ کا نتیجہ کیوں نہو۔ اور اگر کسی شے کی حقیقت پرکھنے کے لئے اُسکے نتائج کو قبول کیا جا سکتا ہے تو جو کچھ محمدؐ کو نظر آتا تھا وہ سب بے شبہ سچ تھا۔ کیونکہ اُس سے اسکو اپنے عالی شان کام میں تقویت ہوتی تھی۔" (انتہےٰ قولہ)

اے شخص مخلع بخلعت رسالت ہمارے احکام کی بجا آوری کے لئے
مستعد اور تیار ہو - اور لوگوں کو جو ہمکو چھوڑ کر طرح طرح کی مخلوق پرستی اور
اعمال و افعال قبیحہ میں مبتلا ہیں ہمارے عذاب سے جو انصافاً ان امور کا لازمی
نیتجہ ہے خبردار کر - اور اپنے پروردگار کی ذاتِ جامع جمیع صفات جلال و کمال
کی عظمت و جلالت خلایق پر ظاہر کر - اور پاکی و پاکدامنی اختیار کر - اور شرک
و مخلوق پرستی کی نجاست سے بالکلیہ الگ ہو جا - اور اس سب سے بڑی
نیکوئی کا اس امید سے احسان مت جتا کہ لوگ تیرے ساتھ اس سے
زیادہ کسی نیکی سے پیش آئیں - اور اون شداید و تکلیفات پر جو اس امر عظیم
کی بجا آوری میں پیش آئیں خالص اپنے پروردگار کے لئے مصابرت اختیار کر
اور لوگوں کو آگاہ کر دے کہ جب صحرائے قیامت میں خلایق کے حاضر ہونیکے
لئے بگل پھونکا جائیگا تو وہ دن ہماری آیات ظاہرہ و کلماتِ باہرہ سے انکار کرنے
والوں پر نہایت ہی سخت ہوگا۔" چنانچہ ان آیات شریفہ کے نازل ہوتے
ہی آپ فرمان الہی کی بجا آوری کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے - اور سب
سے پہلے اس امرِ عظیم کا اظہار اپنے اہل بیت سے فرمایا اور آپ کی
حلیلہ جلیلہ خدیجۃ الکبریٰ نے جو نہایت عاقلہ بی بی تھیں اور پندرہ برس کر
رات دن کے تجربہ سے آپکی صفاتِ دیانت و امانت اور راستی و راستبازی
اور حق دوستی و حق پسندی اور غایت مرتبہ کی عقل و فہم سے بخوبی واقف
تھیں بلا تامل آپ کی تصدیق کی - اور ان کے بعد آپ کے چچا زاد بھائی علی
رضی اللہ عنہ نے جنہوں نے آنکھیں کھولکر پہلے پہل آپ ہی کے جمال باکمال کو

دیکھا تھا۔ اور آپ کی آغوشِ عاطفت میں آپکی زبانِ حق ترجمان کا لعاب پی پی کر پرورش پائی تھی اور اسی وجہ سے "لَحْمُكَ لَحْمِي وَدَمُكَ دَمِي" کا ہمیشہ خطاب پایا تھا بقول سرآمد مورخین انگلستان اڈورڈ گبن ایک نوجوان ہیرو کی سی ہمت و جرأت کے ساتھ آپکے خیالات کی صداقت کا اعتراف کیا" اور آپ کے بعد بقول گبن و اَبُوالْفِدَا اور اور مستند مورخیں کے جو درایۃً بھی درست معلوم ہوتا ہے آپ کے آزاد کردہ غلام زید ابن حارثہ عبودیت الٰہی کے معترف ہوئے۔ اور ان کے بعد عبداللہ بن ابی قحافہ نے جو بہت ذی وجاہت شخص تھے اور جو بعد ازیں تاریخ اسلام میں اَبُوبَکْر صِدِّیْق کے لقب سے مشہور ہوئے آپکی رسالت کی تصدیق کی۔ اور ان کے بعد عُثمان بن عفّان۔ عَبْدُالرَّحمٰن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص۔ زُبیر بن عَوَّام۔ طلحہ بن عبیداللہ۔ جعفر بن ابی طالب۔ ابوذر۔ عمّار بن یاسر۔ ابوعبیدہ ابن جَرّاح۔ سعید بن زید اور اور سعادتمندانِ ازلی جنمیں مختلف درجہ کی چند عورتیں بھی شامل تھیں یکے بعد دیگرے مشرف باسلام ہوئے۔ کسی شخص کے ایسے دعوی کی صداقت کے لئے جیسا کہ نبی عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعوی تھا اگرچہ یہ ضرور نہیں ہے کہ اُس کے عزیز و اقارب اُسکا اعتراف کریں یا اُسکے معتقدین خوف و مصیبت کے وقت ثابت قدمی کے ساتھ اپنے عقیدہ پر قائم رہیں۔ مثلاً مسیح علیہ السلام ہی کو دیکھو کہ آپ کے ماں جاے بھائی آپ پر ایمان نہ لائے اور ایکدفعہ تو یہانتک نوبت پہنچی

کہ آپ کو مسلوب الحواس سمجھکر گرفتار کر لینے پر آمادہ ہو گئے۔ اور حواری بھی اعتقاد کے ایسے کچے نکلے کہ خوف و خطر کی آہٹ پاتے ہی آپکو اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جیسا کہ انجیل یوحنا کے باب ہفتم آیت پنجم اور انجیل مرقس کے باب سیوم آیت بست و یکم اور انجیل متی کے باب بست و ششم آیت پنجاہ و ششم سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اسمیں بھی شک نہیں کہ اگر ایسے شخص کی بیوی اور بھائی اور غلام اور دوست آشنا (جنکو رات دن کی صحبت اور ربط و ضبط کیوجہ سے اس کے حال سے واقف ہونے کا خوب موقع ملتا ہے) دلی یقین کے ساتھ اسکی متابعت و پیروی اختیار کریں۔ اور کسی عقوبت جسمانی و الم روحانی کی پروا نہ کر کے اپنی عقیدت پر قائم رہیں حتی کہ موت تک کو بے حقیقت جانیں تو بے شبہہ یہہ اسکے حسن نیت اور صداقت دعوی کی ایک قطعی دلیل ہو گی۔ پس امین عرب علیہ الصلوۃ والسلام کا دعوی رسالت بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اور آپ کی عقلمند بیوی اور پیارے بھائی اور وفادار غلام اور نہایت واقف حال اور صاحب فہم و فراست اور تجربہ کار دوستوں کا نہایت رغبت اور صدق دل سے آپکے دعوی رسالت کی تصدیق کرنا اور ایمان لانا اور نہایت درجہ کے مصائب و شدائد میں غایت مرتبہ کی ثابت قدمی سے اپنے عقیدہ پر قائم رہنا قطعی شہادت آپکے صدق نیت اور آپ کے مواعظ و احکام کے منجانب اللہ ہونے کی ہے۔ ورنہ کیا یہہ ممکن تھا؟ کہ بیچاری ضعیف الخلقت عورتیں جو دریائے گلیل کے ماہی گیروں سے یقیناً زیادہ جاہل و بے خبر از حالات زمانہ تھیں۔ اور اعلیٰ درجہ کے ذی وقعت و دانشمند

اشخاص جنکی لیاقتیں سلطنت جمہوریہ اسلامیہ کی سرداری و سپہ سالاری
میں اپنے اپنے موقع پر آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہوگئیں۔ اگر ذرا بھی دُنیا
طلبی اور مکر و فریب اور عدم ایماں یا نقصان و سفاہتِ عقل کی علامت آپ
میں پاتے تو فوراً آپ کی بابت کو رد نہ کر دیتے؟ اور کیا باپ بیٹوں سے اور
مائیں بیٹیوں سے اور بہنیں بہنوں سے اور بھائی بھائیوں سے اس طرح
جدا ہو جانا گوارا کرتے۔؟ جس طرح کہ اسلام و بانی اسلام کی محبت سے اپنے
آبائی اور عزیز مذہب کو چھوڑ کر جدا ہوگئے۔ اور کیا مِلک و مال اور عزیز
و اقارب اور پیارے وطن کی الفت پر خاک ڈالکر غریب الوطنی کی زندگی اختیار
کرنا پسند کرتے؟ یا مشکیں بندھے ہوئے بھوکے پیاسے مکہ کی نہایت
گرم اور تیز دھوپ میں جلتی بلتی پتھریلی زمین پر بڑے بڑے پتھر سینہ پر رکھکر
ڈالدیئے جانے کو عیش و آرام کی زندگی پر ترجیح دیتے؟ یا اس بیہودہ و
موہوم اُمید کے بھروسہ پر کہ آیندہ کسی وقت مالِ غنیمت کے علاوہ انتقام لینے
کی قدرت بھی حاصل ہو جائیگی (جیسا کہ میور صاحب نے نہایت درجہ کی
ناانصافی سے آنکھوں پر ٹھیکری رکھکر لکھدیا ہے) کامل تین برس تک قوم سے
بالکل بے تعلق اور الگ۔ قیدیوں کی طرح شعب ابیطالب میں محصور رہنے
اور طرح طرح کی تکلیفیں اور مصیبتیں سہنے اور جان جوکھوں میں پڑنے کو مرغوب
جانتے؟ ہرگز نہیں۔ کبھی نہیں۔ چنانچہ فاضل محقق گاڈفری ھگینس
صاحب مرحوم اپنی کتاب موسوم بہ اپالوجی فار محمد کے اٹھارہویں فقرہ
میں لکھتے ہیں کہ "باوجودیکہ محمدؐ اور عیسیٰؑ کی ابتدائی سوانح عمری

میں ایسے حالات ہیں جنمیں عجیب مشابہت پائی جاتی ہے۔ لیکن بہت
سے ایسے ہیں جنمیں بالکل اختلاف ہے۔ مثلاً عیسیٰ کے اول بارہ[۱]
مریدوں کو ناتربیت یافتہ و کم رتبہ مانا گیا ہے۔ بخلاف محمدؐ کے اول
مریدوں کے کہ بجز اُسکے غلام کے سب لوگ بڑے ذی وجاہت
تھے۔ اور جب وہ خلیفہ اور افسر فوج اسلام ہوئے تو اُس زمانہ میں جو کچھ
اُنھوں نے کام کئے اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن میں اول درجہ
کی لیاقتیں تھیں۔ اور غالباً ایسے نہ تھے کہ بآسانی دھوکہ کھا جاتے عیسیٰ
کے اول مریدوں کی کم رتبگی میں موشیم صاحب دین عیسائی کی خوبی
سمجھتے ہیں۔ مگر سچ پوچھو تو میں بمجبوری مقر ہوں کہ اگر لاک اور نیوٹن
جیسے اشخاص مذہب عیسوی کے اول محققین میں سے ہوتے تو مجکو
بھی اطمینان کامل ویسا ہی ہوتا۔ پس اِس سے ثابت ہے کہ ایک
ہی شئے مختلف شخصوں کو کیسی مختلف معلوم ہوتی ہے"۔ پھر فقرہ (۲۱۸)
میں لکھتے ہیں کہ۔ گبن نے بیان کیا ہے کہ "پہلے چاروں خلیفونکی
اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے۔ اُنکی سرگرمی دلدہی اور اخلاص
کے ساتھ تھی۔ اور ثروت و اختیار پاکر بھی اُنھوں نے اپنی عمریں اداے
فرائض اخلاقی و مذہبی میں صرف کیں" پس یہی لوگ محمدؐ کے
ابتدائی حال کے شریک تھے۔ جو پیشتر اس سے کہ اُسنے اقتدار حاصل کیا یعنی
تلوار پکڑی اُسکے جانبدار ہوگئے یعنی ایسے وقت میں کہ وہ ہدف آزار ہوا
اور جان بچاکر اپنے ملک سے چلا گیا۔ اُنکے اول ہی اول تبدیل مذہب

کرنے سے اُنکی سچائی ثابت ہوتی ہے۔ اور دنیا کی سلطنتوں کے فتح کرنے سے اُنکی لیاقت کی فوقیت معلوم ہوتی ہے" پھر فقرہ (۲۱۹) میں لکھتے ہیں کہ "اس صورت میں کوئی یقین کرسکتا ہے کہ ایسے شخصوں نے ایذائیں سہیں۔ اور اپنے ملک سے جلاوطنی گوارا کی اور اس سرگرمی سے اُسکے پابند ہوے۔ اور یہہ سب امور ایک ایسے شخص کی خاطر ہوں جسمیں ہر طرح کی بُرائیاں ہوں اور اُس سلسلۂ فریب اور سخت عیاری کے لیئے ہوں جو اُنکی تربیت کے بھی خلاف ہو اور اُنکی ابتدائی زندگی کے تعصبات کے بھی مخالف ہو۔ اسپر یقین نہیں ہوسکتا اور خارج از احیطۂ امکان ہے"

پھر ایک دوسرے موقع پر فقرہ (۱۲۳) میں لکھتے ہیں کہ "عیسائی اس بات کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد کے مسائل نے وہ درجۂ نشۂ دینی اُس کے پیرووں میں پیدا کیا کہ جسکو عیسی کے ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بےفایدہ ہے۔ اور اسکا مذہب اُس تیزی کے ساتھ پھیلا جسکی نظیر دین عیسوی میں نہیں۔ چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سی عالیشان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آگیا۔ جب عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو اُسکے پیرو بھاگ گئے اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں چھوڑکر چلدیئے۔ اگر بالفرض اُسکی حفاظت کرنے کی اُنکو ممانعت تھی تو اُسکی تشفی کے لئے تو موجود رہتے اور صبر سے اُسکے اور اپنے ایذارسانوں کو دھمکاتے۔ برعکس اُسکے محمد کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد وپیش رہے اور اُسکے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈالکر کل دشمنوں پر اُسکو غالب کردیا" (انتہی قولہ)

حواریوں سے جو ضعفِ اعتقاد اور مزلت قدم ظہور میں آئی خواہ اُنکے قصور عقل کا نتیجہ ہو یا خود حضرت مسیح کے اختلاف اقوال کا ثمرہ ہو جیسا کہ ڈین ملمین صاحب نے اپنی رائے ظاہر کی ہے* مگر اسکی واقفیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔

اب ہم پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ اگرچہ بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کام کی ترقی بہت آہستہ طور کی تھی مگر بقول فاضل محقق مسٹر طامس کارلائل صاحب مرحوم "آپکو اپنے عقائد کے پھیلانے میں استقلال کے ساتھ کوشش جاری رکھنے کی وہی معمولی شے ہمت و جرات دلاتی تھی جو اس قسم کے لوگونکو اس قسم کی حالت میں ہمیشہ ہمت دلاتی ہے"+ چنانچہ تین برس کی تھوڑی سی کامیابی کے بعد اُس محبت و شفقت کے تقاضا سے جو آپکو اپنی قوم اور خصوصاً اپنے اہل خاندان سے تھی بقول اڈورڈ گبن "یہہ مصمم ارادہ کرکے کہ انہیں ربانی روشنی سے مستفید کریں" اپنے خاندان کے لوگوں کو جو شمار میں کم و بیش چالیس[۱] تھے۔ اور جنمیں آپ کے چچا ابوطالب اور حمزہ اور عباس اور ابو لھب بھی شامل تھے دعوت کی تقریب سے جمع کیا۔ اور جب اکل و شرب سے فراغت ہو چکی تو مخاطب ہو کر فرمایا کہ "یَا بَنِی عَبْدِ الْمُطَّلِب قَدْ جِئْتُکُمْ بِخَیْرِ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ وَقَدْ اَمَرَنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْ اَدْعُوَکُمْ اِلَیْہِ فَاَیُّکُمْ یُوَازِرُنِی عَلٰی اَمْرِیْ ھٰذَا وَیَکُوْنُ اَخِیْ وَوَصِیِّیْ وَخَلِیْفَتِیْ فِیْکُمْ" یعنی اے اولادِ عبد المطلب میں تمہارے لیئے ایک ایسی چیز لایا ہوں جو بے شبہ دنیا و آخرت کی بہتری ہے۔ اور یقین کرو کہ خدا تعالیٰ نے مجکو حکم دیا ہے کہ میں تمکو اُسکی اطاعت کیطرف بلاؤں۔ پس تم میں کون ایسا

* دیکھو ملمین صاحب کی تاریخ کلیسا جلد اول۔ مؤلف + دیکھو کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ لکچر دوئم۔ مؤلف

ہے جو اس امر عظیم میں میرا بوجھ بٹائے اور میرا بھائی اور میرا وصی اور میرا نائب تم میں ہو" لکھا ہے کہ کسی نے کچھ جواب نہ دیا مگر ایک جوان نوخاستہ جسکی ابھی مسیں بھیگنی شروع ہوئی تھیں بقول گبن "اس حیرت و شک اور حقارت آمیز خاموشی کی برداشت نکر سکا" اور کھڑے ہو کر بڑی ہمت اور جرأت کے ساتھ بولا کہ "یا رسول اللہ اگرچہ میں اس مجمع میں سب سے کم عمر ہوں مگر اس مشکل خدمت کو میں بجا لاؤنگا" چنانچہ آپ نے کمال شفقت سے اس نوجوان بہادر کی گردن پر ہاتھ رکھکر فرمایا۔ اِنَّ ھٰذَا اَخِیْ وَوَصِیِّیْ وَخَلِیْفَتِیْ فِیْکُمْ فَاسْمَعُوْا لَہٗ وَاَطِیْعُوْا ۔ یعنی بالتحقیق یہہ میرا بھائی اور میرا وصی اور میرا نائب تم میں ہے۔ پس اسکی بات سنو اور جو حکم وہ دے اسکی اطاعت کرو" چنانچہ اس دعوت اور اس گفتگو کا ذکر لکھکر مسٹر کارلائل صاحب فرماتے ہیں کہ "اگرچہ یہہ مجمع جس میں علی کا باپ اَبُو طَالِب بھی تھا محمدؐ کا دشمن نہ تھا مگر تاہم سب لوگوں کو ایک ادھیڑ عمر کے ان پڑھ آدمی اور ایک سولہ برس کی لڑکے کا یہہ فیصلہ کرنا کہ وہ دونوں ملکر تمام دنیا کے خیالات کے برخلاف کوشش کرینگے ایک مضحکہ کی بات معلوم ہوئی اور تمام مجمع قہقہا لگا کر منتشر ہو گیا مگر ثابت ہو گیا کہ یہہ ایک ہنسی کے لائق بات نہ تھی۔ بلکہ بہت ٹھیک اور درست

لہ دیکھو تفسیر شیخ ابو اسحاق احمد بن محمد الثعلبی اور تفسیر شیخ ابو محمد حسین البغوی معروف بہ محی السنۃ مسمی بہ معالم التنزیل تحت آیہ کریمہ "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ" اور تاریخ شیخ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری اور تاریخ علامہ ابو الحسن علی بن محمد الجزری معروف بہ ابن اثیر اور تاریخ ملک اسماعیل ابو الفدا حموی اور تاریخ زوال سلطنت روم ادورڈ گبن۔ مولف عفی عنہ

تھی - یہہ نوجوان علیؑ ایسا شخص تھا کہ ضرور ہے کہ ہر ایک شخص اُسکو پسند ہی
کرے - اور اس امر سے جو اوپر بیان کیا گیا ہے - اور نیز اور باتوں سے جو
ہمیشہ اُسکے بعد اُس سے ظہور میں آئیں یہہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک صاحب
اخلاق فاضلہ اور محبت سے بھرا ہوا اور ایسا بہادر شخص تھا کہ جسکی آگ جیسی تیز و
تند جراءت کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھیر سکتی تھی - اس شخص کی طبیعت میں
کچھہ عجیب طور کی جوانمردی تھی - شیر سا تو بہادر تھا مگر باوجود اسکے مزاج میں ایسی
نرمی اور رحم اور سچائی اور محبت تھی جیسی کہ ایک کرسچن نائٹ (عیسائی دیندار جوانمرد)
کے شایاں ہے" ۵۱

فی الواقع خدا نے آپکو ایسی ہی صفات حمیدہ و خصائل جلیلہ سے متصف فرمایا
تھا جسکی نظیر اُمت اسلامیہ میں نہیں پائی جاتی - چنانچہ آکلی صاحب فرماتے
ہیں کہ "وہ یہہ نامور خلیفہ بلحاظ اپنی ہمت و جراءت اور طبیعت و خصلت اور پاکدامنی
و عفت اور فہم و فراست کے نہایت عظیم المرتبت لوگوں میں سے تھا جو امت
اسلامیہ میں کبھی پیدا ہوا تھا" ۵۲

القصہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے اہل خاندان پر اپنے
موعظہ کا کچھہ اثر نہ پایا تو حرم کعبہ میں تشریف لا کر اُس پتھر پر کھڑے ہوئے جو
آپ کے جد امجد اسماعیلؑ نے نصب کیا تھا اور بآواز بلند فرمایا کہ "اے
گروہ قریش و قبائل عرب میں تمکو خدا کی توحید اور اپنی رسالت کیطرف بلاتا ہوں

۵۱ دیکھو کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ لکچر دوئم صفحہ (۱۲) مؤلف عفی عنہ

۵۲ دیکھو آکلیز ہسٹری آف سارسین مطبوعہ ۱۸۸۴ء صفحہ (۳۳۵) مؤلف

پس اسکو مانو اور شرک و بت پرستی چھوڑ دو تاکہ عرب اور عجم دونوں کے بادشاہ
ہوجاو۔ اور آخرت کی بادشاہت بھی تمہاری ہی ہووے" جسکو سنکر کفار
ہنسنے لگے کہ محمد کو (معاذ اللہ) جنون ہوگیا ہے۔ اب یہہ حال تھا کہ کفار
ناہنجار اگرچہ کوئی جسمانی تکلیف آپکو نہیں دیتے تھے مگر پند و نصیحت کو نہ ماننا اور
بشدت حقارت و استہزا کرنا آپ کے لیے سب تکلیفوں سے زیادہ سوہانِ روح
تھا۔ اور اُن کی ان نادانی اور جہالت کی حرکتوں سے آپکا دل نہایت ہی کڑھتا تھا
کچھ عرصہ تک آپنے صرف توحید کے وعظ پر قناعت فرمائی۔ مگر جب دیکھا کہ
لوگ اپنے پتھر اور لکڑی وغیرہ کے ناپاک و ناچیز بتوں کی محبت و عقیدت سے
باز نہیں آتے اور خداے قدوس و قادر مطلق کی صفات و عبادات میں اُنکو
شریک کرتے ہیں تو بقول مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب "آپ کو واجب
طور سے غیظ آگیا اور حقارتاً مشرک کے ذلیل لقب سے مخاطب کرنا اور اُنکے
دین کو سراسر گمراہی و ضلالت بتانا شروع کیا" اور اسمیں یہانتک اصرار
فرمایا کہ جہلاے قریش کو اُسی طرح طیش آگیا جسطرح جناب مسیح کے ملامت کرنے
سے علماے یہود کو آگیا تھا۔ پس پہلے تو اُنہوں نے آپ کے چچا ابوطالب
کو کہلا بھیجا کہ آپکو اُنکے دین کی ہجو و حقارت کرنے سے روکین۔ اور جب کچھ
اثر نہ دیکھا تو چند بڑے بڑے رئیس قوم اکھٹے ہو کر اُن کے پاس گئے اور کہا کہ
ابتک ہم آپ کے کبر سن اور جلالت قدر کی وجہ سے لحاظ کرتے رہے۔ مگر
اب صبر نہیں ہو سکتا۔ پس یا اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روک دیجئے یا اُسکو
اور ہمکو بحال خود چھوڑ کر کنارے ہوجایئے تاکہ ہم ہی غارت ہوجائیں یا وہی فنا ہوجائے

چنانچہ اُس بزرگوار نے قریش کی گفتگو سے آپکو مطلع کیا اور کہا کہ وہ اپنی اور
میری جان کو ہلاکت سے بچائیے اور اتنا بوجھ مجھپر نہ ڈالئے جو میری طاقت
سے زیادہ ہو" جس سے آپکو گمان ہوا کہ چچا میری نصرت وحمایت سے
دست بردار ہوا چاہتے ہیں - اب اِسکا جواب جو آپ نے دیا وہ نہایت
غور و توجہ کے قابل ہے فرمایا " اے چچا اگر یہ لوگ اس مطلب سے
کہ میں اس امر عظیم کی بجا آوری چھوڑ دوں (بفرض محال) آفتاب و ماہتاب کو
(جو انکے معبود و مسجود ہیں) میرے دائیں اور بائیں ہاتھ پر لا رکھیں تو بھی میں
اسکو ہرگز ترک نہ کرونگا - تا وقتیکہ خدا اپنے دین کو سب ادیان پر غالب کردے
یا میں ہی اس کوشش میں ہلاک ہو جاؤں ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید	یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

فی الواقع آپکا خاموش ہونا ناممکن تھا کیونکہ آپکو فرمان خداوندی پہنچ چکا تھا کہ "فاصدع
بما تؤمر واعرض عن المشرکین" یعنی اے ہمارے رسول جو حکم تجھکو
دیا گیا ہے اسکو واشگاف بجالا اور مشرکوں سے بالکلیہ موںھہ پھیر لے" اور اس
حالت میں سورج ہوتا یا چاند یا قدرت کا کوئی اور مصنوع آپ کو فرمان الٰہی کی بجا آوری
سے باز نہیں رکھہ سکتا تھا چنانچہ مسٹر گارلائل صاحب لکھتے ہیں کہ وہ
بلاشبہ آپ خاموش نہیں رہ سکتے تھے - کیونکہ جب امر حق کا آپ
اعلان فرماتے تھے اُنمیں وہی فطری قوت تھی جو سورج اور چاند یا قدرت
کے اور مصنوعات میں ہے اور خدائے قادر مطلق کی مرضی کے بغیر سورج
اور چاند اور تمام قریش بلکہ تمام انسان اور اور موجودات عالم آپکو خاموش نہیں

کر سکتے تھے۔ کیونکہ اسکے سوا آپ کچھ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ کہتے ہیں کہ "محمد یہہ سنکر سب بے اختیار رو پڑے" اسلئے سب بے اختیار رو پڑے کہ یہہ کیسی دلسوزی سے کہتا ہے! اور جسنے جو کام اختیار کیا ہے وہ کیسا سخت اور مشکل ہے" اللہ اکبر کیسی ثابت قدمی تھی اور کیسا ایمان و ایقان سے بھرا ہوا یہہ جواب تھا کہ حق پسند وحق جو عیسائی مصنفوں کے نزدیک بھی کسی غیر ملہم شخص کی زبان پر آنا ناممکن تھا۔ چنانچہ مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب اس واقعہ کو لکھکر فرماتے ہیں کہ "یہہ کلام اور یہہ چلن ایک جھوٹے مدعی رسالت کا نہیں ہو سکتا" اور کہتے ہیں کہ "لوتھر کا قول ہے کہ "اگر ان کیڑوں ٹکڑوں میں اسیقدر شیطان ہوتے جتنی کہ مکانوں پر کھپریلیں ہیں تب بھی میں خدا پر ایسا ہی بھروسہ رکھتا" لوتھر کو قرآن سے بھی کچھہ واقفیت تھی۔ مگر اسیقدر کہ جس سے اُسے برا کہہ سکے۔ پس اگر اُسکو یہہ معلوم ہوتا کہ مندرجہ بالا سوال کا بعینہ یہی جواب نبی عربی نے پہلے ہی دیدیا ہے تو کیا وہ محمد کی صداقت اور خلوص نیت کا معترف نہ ہوتا؟ اور اگر وہ اُسے اپنا بھائی جانکر خیر مقدم نہ کہتا تو بلحاظ ایک اعلیٰ درجہ کا شخص ہونیکے تو ضرور عزت کی نظر سے دیکھتا*

اب ابو طالب کا حال سنئے کہ آپ کے اس ارشاد کا اثر اُنکی طبیعت پر ایسا ہوا کہ اُنھوں نے بے اختیار ایک کہن سال جوانمرد عرب کے طنطنہ سے کہا "اِذْهَبْ يَا ابْنَ أَخِي فَقُلْ مَا أَحْبَبْتَ فَوَاللّٰهِ لَا أُسْلِمُكَ لِشَيْءٍ أَبَدًا" یعنی اے فرزند برادر اب سدھارو اور جو بات تمکو محبوب ومرغوب ہے بیدھڑک

* دیکھو باسورتھ سمتھ صاحب کی کتاب محمد اینڈ محمڈن ازم لکچر دوم۔ مؤلف

سے کہے جاؤ۔ مجکو قسم ہے خدا کی کہ میں تمکو ہرگز کسی شئے کے لئے بھی دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں میں نہ سونپوں گا" چنانچہ اُس بزرگوار نے اخیر دم تک ایسا ہی کیا بھی۔ لیکن افسوس ہے کہ لوگوں نے ایسے ناصر دین خدا اور محافظ و مصدق رسول اللہ کے ایمان میں شک کیا ہے اور اُسکو کافر بتایا ہے۔ مگر اپنا تو یہہ عقیدہ ہے کہ اگر کافر ایسے ہی شخص کو کہتے ہیں تو کاش میں ایسا کافر ہوتا تاکہ بقدر اپنی طاقت و قدرت کے اپنے مظلوم رسول کی خدمت و نصرت کرتا۔ اور میرے اس کام میں مجکو کوئی کافر کہتا خواہ مسلمان۔ مگر میں اپنے خدائے رحیم و کریم سے یہی کہتا ؎

اگر خدمتم رد کنی ور قبول	من و دست و دامان پاکِ رسول

یہہ جملہ تو معترضہ تھا۔ مگر قریش کی حماقت کیسے سنئے کہ جب اُنہوں نے دیکھا کہ ابو طالب رسول خدا صلعم کی نصرت و حمایت سے ہاتھ اٹھا لینا نہیں چاہتے۔ تو اپنی قوم کے ایک رئیس زادہ کو جو بہت وجیہہ اور بڑا شاعر تھا ساتھ لیکر اُنکے پاس گئے اور کہا کہ اسکو فرزندی میں لے لیجئے یہہ تمہارے بڑھاپے کا سہارا ہوگا۔ اور اسکے عوض اپنے اس بھتیجے کو جس نے تمہاری قوم میں پھوٹ ڈالدی ہے اور ہمارے بڑے بڑے عقلمندوں کو پاگل اور احمق بتاتا ہے ہمکو سپرد کر دیجئے تاکہ قتل کر ڈالیں۔ اس نامعقول درخواست کا جواب بجز انکار کے کیا ہو سکتا تھا۔ پس اُس بزرگوار نے تلخ و تند جواب دیکر اُنکو رخصت کر دیا۔ اور یہہ دیکھکر کہ کفار آپکے قتل پر تلے ہوئے ہیں اپنے قبیلہ کے لوگوں کو آپ کی نصرت و حمایت کیلئے اُبھارا چنانچہ ابو لھب کے سوا جو اسلام و بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نہایت ہی جلا ہوا تھا تمام بنی ھاشم بالاتفاق آپ کی نصرت و حمایت کے لئے کمر بستہ ہو گئے

اب قریش کا غیظ و غضب بڑھتا جاتا تھا اور اگرچہ حضرت ابوطالب اور اور اعیان بنی ھاشم کے رعب سے آپکے قتل کی جرات نہ کر سکے مگر آپ کو اور آپکے اصحاب کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے لگے۔ چنانچہ جہاں آپ جاتے وہیں وہ بھی پہنچتے اور نماز میں مصروف دیکھتے تو پتھر مارتے اور ناپاک و نجس چیزیں لاکر آپ پر ڈالدیتے تھے۔ حرم کعبہ میں نماز پڑھنے اور آنے جانے میں سخت مزاحم ہوتے! اور قرآن مجید کو پڑھتے سنکر غل مچاتے اور اُسکے الفاظ میں اپنے لفظ ملا دینے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ ایکروز جب آنحضرت حسب معمول نماز میں سورہ والنجم پڑھتے ہوئے اس آیت پر پہنچے "اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَ العُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی" تو شیاطین قریش میں سے ایک شیطان نے اس خیال سے کہ مبادا آگے ہمارے بتوں کی ہجو کریں یہ شیطانی کلمات کہدیئے "تِلْکَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی۔ وَاِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی" جس سے سامعین کو دھوکا ہوا کہ (معاذاللہ) آپ لات و عزیٰ کی تعریف فرماتے ہیں۔ آپ کے کھانا پکنے کی ہنڈیا میں اونٹ کی اوجھڑی کے ٹکڑے لاکر ڈالدیتے تھے۔ راستہ چلنے میں سر مبارک پر خاک مٹی اور کوڑا کرکٹ پھینکتے اور برا بھلا کہتے تھے اور بعض روسیاہ تو موہنہ در موہنہ بد زبانی و دشنام دہی کرنے میں بھی دریغ نہ کرتے تھے! اور مرد ہی نہیں بلکہ بعض حیا عورتیں بھی اِن افعال قبیحہ کی مرتکب ہوتی تھیں۔ چنانچہ ابو لھب کی جورو اُمِ جمیل جو آپ کی ہمسایہ تھی ہمیشہ ناپاک چیزیں اور کانٹے لاکر آپکے رستہ میں ڈالدیتی اور اس طرح پر اپنے حق میں گویا آپ کانٹے بوتی تھی اور آپ سب کچھ برداشت

کرتے اور فرماتے کہ تم کیا اچھے میرے ہمسایے ہو۔ کفار کو آپکا صحیح طور پر نام تک
لینا گوارا نہ تھا اور محمد کی جگہہ مُذمّم کہتے تھے! اور باہم نہایت سخت عہد
کر لیا تھا کہ کوئی شخص آپ کے پاس نہ بیٹھے اور نہ آپکی بات سُنے! چنانچہ ایکروز
عُقبہ بن مُعَیط نامی ایک کافر جو آپ کے پاس آن کر بیٹھا اور قرآن مجید کو
سنا تو اُسکے دوست اُبیّ بن خلف نے اُس سے کہا کہ مینے سنا ہے کہ تو
محمد کے پاس جا کر بیٹھا۔ اور اُسکی باتیں سُنیں۔ مجکو تیری صورت دیکھنی
اور تجھسے بات کرنی حرام ہے۔ اور مین اپنی قسم کو زیادہ سخت کرونگا اگر تو اب
گیا۔ اور اُس پاس بیٹھا اور اُسکی بات سُنی۔ کیا تجھسے یہہ نہو سکا کہ اُسکے موںہہ
پر تھوک دیتا! چنانچہ اُس دشمن خدا یعنی عقبہ نے ایسا ہی کیا!![۵۱] الغرض
ایذا رسانی و تکلیف دہی کا ایک سلسلہ قائم کر لیا تھا اور یہہ عہد کر لیا تھا کہ جہانتک
ممکن ہو آپکو اور آپکے اصحاب کو تکلیف دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں چنانچہ
اُن بیچارے مسلمانوں کو جنکا کوئی حامی و مددگار نہ تھا مشکیں باندھکر اول خوب
مارتے۔ اور پھر ٹھیک دوپہر کی تیز و تند دھوپ میں اُس جلتی بلتی زمین پر
جسکا نام رمضا ہے بھوکا پیاسا کبھی اوندھا اور کبھی سیدھا لٹا دیتے
اور بڑے بڑے بھاری پتھر چھاتی پر رکھدیتے جنکے بوجھ کے مارے زبان
باہر نکل پڑتی اور کہتے کہ یا تو محمد اور اُسکے خدا کو گالیاں دو! اور ہمارے
بتوں کی تعریف اور اُنکے پوجنے کا اقرار کرو ورنہ اسی طرح عذاب دیدیکر
مار ڈالینگے۔ پس کوئی تو تکلیف کے مارے جو کچھہ وہ کہلاتے کہدیتا اور جان

---

[۵۱] دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۳۸) مولف عفی عنہ

بچالیتا۔ مگر دل سے اپنے ایمان پر قائم رہتا۔ اور کوئی تکلیف واذیت کی کچھہ پروا نکرتا۔ اور ہر حال میں شکر خدا بجالاتا۔ اور اُسی تکلیف اور عذاب کی حالت میں جان سے گزر جاتا۔ چنانچہ حضرت عمّار اور اُنکے والد یاسر اور والدہ سُمیّہ کا یہی حال ہوا۔ اس عفیفہ کو بدبخت ابوجہل نے جس عذاب سے مارا ہے اُسکے لکھتے ہوے قلم کو لرزہ ہوتا ہے۔ یعنی اُس ظالم نے جب حضرت یاسر کو نہایت درجہ تکلیف واذیت دی اور اسپر سُمیّہ نے اسکو بُرا بھلا کہا تو اُس بے حیا نے طیش میں آکر حربہ جو اُسکے ہاتھہ میں تھا اُس پاکدامن بی بی کی شرمگاہ میں مارا۔ اسلام میں یہ اول شہید تھی جسنے اپنے ایمان پر اپنی جان کو قربان کر ڈالا۔ یاسرؓ بھی دکھہ پا پا کر داخل جنت ہوے۔ عمار کی مشکیں باندھکر کبھی مکّہ کی جلتی بلتی ریتلی اور پتھریلی زمین پر ڈالدیا جاتا اور چھاتی پر ایک بھاری پتھر رکھدیا جاتا تھا۔ اور کبھی پانی میں غوطے دیئے جاتے تھے۔ مگر اُسکا دل بدستور ایمان باللہ وایمان بالرسول میں ڈوبا رہتا تھا۔ یہہ بزرگوار ایسا پکا اور سچا ایمان دار وجان نثار تھا کہ کسی ایک لڑائی میں بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسلام کے بچاؤ کے لئے دشمنانِ دین سے پیش آئی آپکی رکاب سعادت انتساب سے جدا نہیں ہوا اور جناب مرتضوی کو جو معرکے پیش آئے اُنمیں بھی برابر موجود رہا۔ چنانچہ جنگ صِفّین میں جو مُعاویہ بن ابوسفیان کے ساتھہ ہوئی تھی جو رانوے برس کے سن میں نوجوانوں کی سی حرب وضرب کے بعد باغیوں کے ہاتھہ سے شہید ہوا اور اس طرح پر اُس پیشین گوئی کی

تکمیل و تصدیق ہوئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے الہام الٰہی کے ذریعے سے اب سے مدتوں پہلے خود عمار کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ "مژدہ ہو تجکو اے عمار کہ تو گروہ باغی کے ہاتھ سے شہید ہوگا"[۱] یہی حال خباب بن ارت کا تھا کہ ننگا کر کے نہایت گرم زمین پر ڈالدیا جاتا - اور آگ سے گرم کی ہوئی پتھر کی بڑی بڑی سلیں چھاتی پر رکھدی جاتیں اور سر کے بال کھینچ کھینچکر گردن مروڑی جاتی - مگر اُسکو ان تکلیفوں کی سرمو پروا نہ تھی - اسکے سوا کوئی معرکہ ایسا نہ تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دشمنان خدا سے پیش آیا ہو اور یہہ اُسمیں غیر حاضر رہا ہو - صہیب بن سنان کی مصیبت بھی کچھ کم نہ تھی مگر اُسنے بھی ایمان کے مقابلہ میں اُسکو ہیچ جانا - اور ہجرت کے لیے جب طیار ہوا اور قریش نے قید کرلیا تو جو کچھ مال و زر پاس تھا سب انکو دیدیا اور وطن کی محبت پر خاک ڈالکر مدینہ کو چلا گیا - بلال بن رباح کی برداشت مصائب بھی کچھ کم تحسین و آفریں کے لایق نہیں - اور یہہ بھی تمام مشاہد و معارک میں جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر رہا - عامر بن فہیرہ نے بھی نہایت سخت اذیتیں اُٹھائیں - اور یہہ ایسا مستقیم العقیدہ اور پکا ایماندار تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قریش کے ظلم و ستم سے مجبور ہو کر ترک وطن فرمایا تو یہہ ہمرکاب اس سفر میں برابر خدمت کرتا گیا - اور بدر و احد کی سخت خونریز لڑائیوں میں جنمیں ہزاروں مشرکین بڑے کروفر سے اسلام کی قطعی بیخ کنی کے لئے مکہ سے چڑھکر آئے تھے نصرت دین حق میں جسم و جان سے مصروف رہا -

---

[۱] دیکھو کتاب جامع ترمذی باب مناقب عمار بن یاسر اور کتاب جامع بخاری باب تعاون فی بناء المسجد

اور جنگ بیر معونہ میں جب عین شباب میں نیزہ کھا کر شربت شہادت سے

سیراب ہوا تو یہہ ایمان و ایقان میں ڈوبے ہوئے الفاظ زبان پر تھے۔

"فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَه" یعنی قسم ہے خدا کی کہ میں اپنے مقصود کو پہونچگیا۔

اَبُو فُکَیهه جو اسم بامسمیٰ افلح تھا اُس مظلوم کی کیا کہوں کہ اگرچہ پاؤں میں رسی

باندھکر آگ کی انگاریوں جیسی گرم پتھریوں پر گھسیٹا جاتا تھا مگر اُسکے پاے ثبات کو

مطلق لغزش نہ تھی۔ اور ہر چند گلا گھونٹ گھونٹ کر ادموا کر دیا جاتا! اور ایک ایسا

بھاری پتھر چھاتی پر رکھدیا جاتا تھا کہ بوجھہ کے مارے زبان باہر نکل پڑتی تھی! مگر

کیا ممکن کہ کوئی کلمہ خلاف ایمان مونہہ سے نکلے۔

یہہ حال تو دیندار مردوں کا تھا جو مثالاً ہمنے بیان کیا۔ لیکن ناانصافی

ہوگی اگر اُن راسخ الایمان عورتوں کا ذکر نہ کریں جو باوجود اپنے قدرتی ضعف خلقت

کے ایسے مصائب و شدائد کی متحمل ہوئیں جو بڑے سے بڑے قوی الجثہ مردوں سے

بھی اُنکا تحمل قریب بہ محال ہے۔ چنانچہ حضرت عمارؓ کی والدہ کا دردناک حال تو

ہم ابھی لکھہ چکے ہیں۔ مگر لُبَینَہ۔ زِنِّیرَہ۔ نَہْدِیَہ۔ اور اُمِّ عُبَیس

کی مصیبتیں بھی کچھہ کم افسوس کے لایق نہیں۔ یہہ چاروں بیچاری لونڈیاں

تھیں اور اِن کے سنگدل آقا صرف اِس گناہ پر انکو عذاب اور تکلیفیں دیتے تھے کہ

پتھر اور لکڑی کے بیجان بتوں سے مونہہ موڑ کر خداے حی و قیوم پر ایمان لائی تھیں

چنانچہ اور تو اور خود عُمَر فاروق۔ لُبَینَہ کو اسقدر مارتے تھے کہ جبتک تھک

نہ جاتے چھوڑتے نہ تھے! اور کہتے کہ مینے تجھے چھوڑا نہیں بلکہ تھک کر ٹھیر گیا

ہوں۔ جسکا اُس مظلومہ نے یہہ جواب دیا کہ اسی طرح خدا بھی تیرے ساتھہ کریگا اگر

تو مسلمان ہوا۔ اسیطرح زنیرہ کو بدبخت ابوجہل نے اس قدر ایذا دی کہ وہ اندھی ہوگئی! اور جب اسنے جانا کہ وہ اندھی ہوگئی تو کہا کہ لات و عزیٰ نے تجھے اندھا کر دیا۔ اس نے کہا کہ لات و عزیٰ کو تو خود نہیں سوجھتا کہ انکو کون پوجتا ہے۔ مگر یہ ایک آسمانی امر ہے اور میرا خدا قادر ہے کہ پھر میری آنکھوں میں روشنی دیدے۔ لبینہ بنی عبدالدار میں سے ایک عورت کی لونڈی تھی اور وہ کمبخت اس بیچاری کو سخت تکلیفیں دیا کرتی اور کہتی کہ اسی طرح کیے جاؤنگی جبتک کہ اصحاب محمد میں سے کوئی تجھکو خرید نہ لے! ایسے ہی ام عبیس اسود بن عبد یغوث نامی ایک شقی کی مملوکہ تھی اور وہ رو سیاہ اسکو نہایت ستاتا اور وہ بیچاری اپنے ایمان کی خاطر سب تکلیفیں اور اذیتیں سہتی تھی + اللہ اکبر کلام الٰہی کے وعظ نے کسقدر روحانیت دلوں میں پھونک دی تھی کہ مرد تو مرد رہے عورتیں ایمان و آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے ہر قسم کے آرام و آلام کو محض ہیچ دپوچ سمجھتی تھیں اور گویا بہشت و دوزخ دونوں انکی آنکھوں کے سامنے تھے جو ایمان و کفران کا واقعی اور لازمی نتیجہ ہیں۔ اور بہشت و قرب خداوندی کے شوق اور جہنم اور بعد بارگاہ صمدی کے خوف نے حیات دنیوی کی ہر ایک حالت انکی نظر میں حقیر و بے اعتبار کر دی تھی جس سے راہ خدا میں تکلیف کو بھی راحت ہی سمجھتے تھے۔

+ دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۰۵-۲۰۷) و تاریخ ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۲۶-۲۹ - مولف

الغرض کفار ناہنجار مومنان دیندار اور خود رسول مختار کو تکلیفیں پہنچانے
میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فرو گذاشت نکرتے تھے۔ اور آپ اور آپ کے
ثابت قدم اصحاب مصائب و متاعب کا تحمل اپنے صبر و استقلال سے
کرتے تھے جو مخصوصان درگاہ و خاصان حضرت اله کے سوا ہرگز ممکن نہیں ہے
اب ہم ناظرین سے یہہ التماس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ حضرت
محمد بن عبد اللہ کے ان حواریوں کے مصائب و تکلیفات کا جناب
ابن مریم کے اُس حواری کے مصائب و تکلیفات کے ساتھ موازنہ و
مقابلہ کریں جو کارنتھیوں کے نام کے دوسرے خط کے گیارہویں باب
میں فخر کے طور پر لکھتا ہے کہ "میں نے یہودیوں سے پانچ بار ایک کم
چالیس کوڑے کھائے۔ ایکدفعہ سنگسار کیا گیا۔ تین مرتبہ جہاز ٹوٹ جانیکی
بلا میں پڑا۔ ایک رات دن سمندر میں کاٹا۔ میں اکثر سفروں میں۔ دریاؤں
کے خطروں میں۔ چوروں کے خطروں میں۔ جھوٹے بھائیوں کے خطروں
میں۔ محنت و مشقت میں۔ اکثر بیداریوں میں۔ بھوک اور پیاس میں۔ اکثر
فاقوں میں۔ سردی و برہنگی میں رہا ہوں" اور دیکھیں کہ کس کے مصائب
شدید تر ہیں اور صبر و ثبات میں کون زیادہ ہے۔ اور غور کریں اور سمجھیں کہ
جو شخص ان عاشقان خدا کا سردار و قافلہ سالار تھا اور جسکے فیضان صحبت و
اثر تربیت سے یہہ بیمثال دولت انکو حاصل ہوئی تھی وہ کیسا تھا اور اگر
نہ سمجھ سکیں تو خیر ہم ایک ایسے حق گو عیسائی فاضل کی زبان سے سمجھاتے
ہیں۔ جو اپنی اعلی لیاقتوں اور علم و فضل کی وجہ سے تمام یورپ کا مانا ہوا ہے

یعنی مسٹر کارلائل صاحب مرحوم - چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ "پس ہم
محمد کو ہرگز یہہ خیال نہیں کر سکتے کہ وہ صرف ایک شعبدہ باز اور تھی باطن
شخص تھا اور نہ ہم اُسکو ایک حقیر جاہ طلب اور دیدہ و دانستہ منصوبے
گانٹھنے والا کہہ سکتے ہیں - جو سخت و کرخت پیغام اُسنے دنیا کو دیا بہرحال وہ
ایک سچا اور حقیقی پیغام تھا اور اگرچہ وہ ایک غیر مرتب کلام تھا مگر اُس کا مخرج
وہی ہستی تھی جسکی تہاہ کسی نے بھی نہیں پائی - اِس شخص کے نہ اقوال ہی
جھوٹے تھے نہ اعمال ہی اور نہ خالی از صداقت یا کسی کی نقل و تقلید سے تھے -
حیات ابدی کا ایک نورانی وجود تھا جو قدرت کے وسیع سینہ میں سے
دنیا کے منور کرنے کو نکلا تھا اور بے شبہ اُسکے لئے امر ربانی یوں ہی تھا"[+]

مشرکین اپنی کامیابی کے لئے ایک ہی قسم کے ہتھیاروں کا استعمال
نکرتے تھے - بلکہ جب دیکھتے تھے کہ درشتی و شدت سے مدعا حاصل نہیں
ہوتا تو نرمی و ملائمت کو کام میں لاتے اور دوستی و غمخواری کے لباس میں
دشمنی کا اظہار کرتے تھے - چنانچہ لکھا ہے کہ ایک روز شیاطین قریش میں سے
ایک شیطان جو بڑا ذی وجاہت اور صاحب مال و منال تھا اپنے گروہ کے
اشارہ سے آپ کے بہکانے کو آیا - اور خلاف معمول نہایت ملائمت اور
شیریں کلامی کے ساتھ بولا "اے فرزند برادر تم صاحب اوصاف جمیلہ
اور عالی خاندان ہو پھر کیا سبب ہے کہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے اور اُنکی
پرستش کی وجہ سے ہمکو احمق اور پاگل بتاتے اور ہماری قوم میں پھوٹ ڈالدیے

+ دیکھو کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ لکچر دویم صفحہ (۴۳) مؤلف عفی عنہ

ہیں کوشش کرتے ہو۔ کیا اس سے یہہ مقصود ہے کہ کسی حسین و جمیل عالی خاندان عورت سے تمہاری شادی ہو جائے؟ اگر یہی مدعا ہے تو جسکو تم پسند کرو ہم اُس سے ابھی تمہارا نکاح کر دیتے ہیں۔ اور اگر مال و زر مطلوب ہے؟ تو اسقدر جمع کر دیتے ہیں کہ سب سے زیادہ تم دولتمند ہو جاؤ اور اگر حکومت و سرداری کی تمنا ہے؟ تو تمکو اپنا سردار بلکہ بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اور اُسی طرح اطاعت و فرمانبرداری کرینگے جس طرح بادشاہوں کی کیجاتی ہے۔ اور اگر کسی جن یا بھوت کا سایہ ہو گیا ہے اور اُسکے دفعیہ سے عاجز ہو؟ تو کسی معالج کو لے آتے ہیں تاکہ تمکو تندرست کر دے" یہہ کہکر جب وہ چپ ہوا تو آپ نے پوچھا کہ بس کہہ چکا۔ اُسنے کہا کہ ہاں۔ پس آپنے فرمایا کہ اچھا بیٹھ جا اور سُن۔ اور قرآن مجید کی یہہ آئتیں ارشاد کیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ حٰمٓ ۔ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۔ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۔ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْۤ اَکِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْہِ وَفِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِکَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۔ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْۤا اِلَیْہِ وَاسْتَغْفِرُوْہُ ۚ وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ ۔ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَةِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۔ قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَہٗۤ اَنْدَادًا ۚ ذٰلِکَ رَبُّ

الْعٰلَمِيْنَ ۔ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا

فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۔ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ

دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۔

یعنی یہہ کلام جو ہمارا رسول تمکو سُناتا ہے خدائے رحمٰن ورحیم سے اُسپر

نازل ہوا ہے۔ کتاب ہے کہ جسکی آیتوں کی خوب تفصیل کی گئی ہے

(یعنی حق وباطل اور واجب وناواجب اور جائز وناجائز اور حلال وحرام وغیرہ

کو اُسمیں خوب کُھلا کُھلا بیان کیا گیا ہے) پڑھنے کی چیز عربی زبان

کی اُن لوگوں کے لئے جو اُس زبان کو جانتے ہیں (یعنی عربی میں اسلئے

نازل کی گئی ہے کہ اُس سے استفادہ کرنے میں ناآشنائی زبان کا عذر

نکرسکیں) خوشخبری دینے والی اور ڈرانے والی (یعنی خدا کی توحید اور

حیات آخرت پر ایمان لانے والوں کے لئے بہشت جاودانی اور لقاے ربانی

کی خوشخبری دینے والی۔ اور اُس سے انکار کرنے والوں کے لئے جہنم ابدی

وحرمان سرمدی سے ڈرانے والی) پھر بھی اُس قوم کے اکثر لوگوں (اہل مکہ)

نے مُونہہ پھیر لیا۔ پس وہ نہیں سُنتے (یعنی باوجود اِن خوبیوں کے اس

کلام پاک پر غور کرنے اور خدا اور آخرت پر ایمان لانے سے ایسا مونہہ پھیرا

کہ گویا سنا ہی نہیں) اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل تو غلافوں کے اندر ہیں اُس

پردے ہے جسکی طرف ہمکو تو بلاتا ہے اور کانوں میں ثقالت اور بہرا پن ہے
(یعنی دلوں کے موٹے موٹے پردوں کے اندر اور کانوں کے بالکل بہرا ہونے
کی وجہ سے اس کلام کا اثر ہم تک پہنچ ہی نہیں سکتا) اور ہمارے اور تیرے
بیچ میں تو ایک آڑ ہے (یعنی نہ ہم تیری طرف آسکتے ہیں اور نہ تو ہماری جانب
یعنی نہ ہم تیرا دین قبول کر سکتے ہیں اور نہ تو ہمارا) پس جو تیرا بس چلتا ہے وہ
تو کر۔ بیشک جو ہمسے ہو سکیگا وہ ہم کرینگے۔ کہدے (اے ہمارے رسول)
کہ گو میں بھی صرف تمہارا ہی ایک آدمی ہوں مگر میرے دل میں ڈالا گیا ہے
(کہ تمکو سمجھاؤں) کہ تمہارا خدا وہی خداے یکتا ہے۔ پس اُسکی طرف سیدھے
ہو جاؤ اور گناہوں کی معافی اُس سے مانگو۔ اور واے بر حال ان مشرکوں
کے کہ خیرات+ نہیں دیتے اور (معذالک) یہی لوگ ہیں جنکو آخرت کا بھی انکار
ہے۔ کچھ شک نہیں ہے کہ جو لوگ توحید اور آخرت پر یقین کرتے اور
اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں اُنکے لئے اسکا غیر منقطع صلہ مقرر ہے (یعنی جو لوگ
توحید اور آخرت پر یقین رکھنے کے ساتھ مشرکوں کے چلن کے برخلاف فقرا و مساکین
کو صرف خدا کے لئے خیرات دیتے ہیں وہ اپنے ان نیک عملوں کا ایسا صلہ

+ لفظ زکواۃ کا ترجمہ خیرات ہمنے اسلئے کیا ہے کہ ہمارے نزدیک یہاں اصطلاحی معنی لینے
معقول نہیں ہیں گو کہ اکثر مفسروں نے یہی معنی لئے ہیں اور اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے
کہ کفار بھی احکام شرعیہ کے مخاطب ہیں۔ کیونکہ جب مشرکین مکہ خدا کے وجود ہی کے قائل
نہ تھے اور نہ قرآن مجید کو کلام الٰہی جانتے تھے۔ تو کسی حکم شرعی کی عدم بجا آوری پر اُنکو ملامت
کرنا ظاہراً معقول نہ تھا۔ (مولف عفی عنہ)

پائیں گے جو دائمی اور خالی از احسان ہوگا) **پوچھہ** (اے ہمارے رسول ان کافروں سے)
کہ کیا تم اُسکا انکار کرتے ہو؟ جسنے زمین سی چیز کو صرف دو دن میں پیدا
کر دیا۔ اور اُسکے لئے ہمسر تجویز کرتے ہو! (دیکھو) یہہ ہے مالک اور پروردگار
تمام عالم اور اہل عالم کا (یعنی نہایت تعجب ہے کہ تم اُس کی اطاعت کا انکار
کرتے ہو جسکو یہہ قدرت ہے کہ زمین سی بڑی اور انواع و اقسام کی مخلوقات
سے بھری ہوئی چیز کو صرف دو روز میں پیدا کر دیا۔ اور زیادہ تر تعجب یہہ کہ زمیں کی
پیدا کیئی چیزوں کو اُس کا ہمسر بناتے ہو جو خود زمیں اور تمام جہان کا خالق اور مالک ہے)
اور بنائے اُس میں مستحکم اور ناقابل جنبش پہاڑ اُسکی اوپر کی طرف اور برکت
دی اُسمیں اور ٹھہرائی اُسمیں مختلف قسم کی روزی اُسکے رہنے والوں کی
چار دن میں برابر سب مانگنے والوں کے لئے (یعنی زمیں اور پہاڑ وغیرہ سب
چار دن میں بنا دیئے اور سب اہل زمین کی روزی ٹھیک اندازہ کے ساتھ مقرر
کر دی) پھر متوجہ ہوا اوپر والی چیز کی طرف اور وہ (اُسوقت) دھواں سا
تھی۔ پھر فرمایا اُسکو اور زمین کو کہ حاضر ہو بخوشی یا بمجبوری۔ دونوں نے
عرض کیا کہ ہم سب بخوشی حاضر اور مطیع ہیں (یعنی آسمان و زمین اور تمام مخلوقات
نے جو اُنکے اندر ہے اطاعت و فرماں پذیری کا اظہار کیا۔ یہہ نسمجھنا چاہئے کہ معمولی طور
سے یہ خطاب و جواب تھا۔ نہیں۔ بلکہ آسمان و زمین اور تمام مخلوقات کی فطری اور
طبعی حالت کا بیان ہے جو نہایت درجہ کے بلیغ طور پر فرمایا گیا ہے) پھر قرار دیا
اُنکو سات آسمان دو دو دن میں[^۵] ۔ اور القا کیا ہر ایک اوپر والی چیز میں اُسکا کام

[^۵]: جیسا کہ توریت کی کتاب پیدائش کے شروع میں ہے قرآن مجید میں بھی متعدد

(یعنی آسمانوں اور ستاروں وغیرہ کا جو جو کام تھا وہ اُنکی فطرت میں ڈالدیا) اور سجایا ہمنے سب سے نزدیک اوپر والی چیز کو چراغوں کے ساتھ اور خوب محفوظ کردیا (دیکھو) یہہ ہے اندازہ کرنا خداے غالب اور ہر ایک چیز کے پیدا کرنے کی مصلحت کے جاننے والے کا۔ پھر اگر اب بھی نہ مانیں اور مونھہ پھیر لیں تو کہدے (اے ہمارے پیغمبر ان کافروں کو) کہ میں تم کو خبردار کرچکا مدہوش اور ہلاک کردینے والی بلا سے جیسی کہ قوم عاد و ثمود کی بلا تھی (یعنی اگر باوجود دیکھنے اِن صفاتِ جلال و کمال کے پھر بھی خدا اور آخرت پر ایمان نہیں لاتی تو ایسے عذاب کی برداشت کے لئے تیار ہوجاو جیسا کہ قوم عاد و ثمود پر نازل ہوا تھا"

نقطہ: چھ دن میں پیدایش

آیتوں میں زمین و آسمان وغیرہ کے چھہ دن میں بنانے کا ذکر آیا ہے اور جسطرح کہ یہودی اور عیسائی علما اسکو بطور اخبار کے سمجھتے تھے قرآن مجید کے اکثر مفسرون نے بھی اسکو اخبار ہی سمجھا ہے اور جسطرح کہ عیسائی علمائے ناقابل تردید علمی اعتراضوں کی وجہ سے ہر ایک دن کی مقدار ہزار ہزار برس کی قرار دی اور آخرکار دن کے معنی ایک زمانہ کے لئے جسکی مقدار مقرر نہیں کی۔ اُسی طرح ہمارے مفسرون نے بھی کہا کہ ایکدن دنیا کے ہزار برس کے برابر تھا۔ اور بعضوں نے دن سے ایک حالت اور ایک زمانہ مراد لیا۔ مگر امر محقق یہہ ہے کہ دنیا کا چھہ دن میں پیدا کرنا بطور اخبار کے ہے نہ کلام مقصود بالذات بلکہ خدا تعالی نے مخاطبین کے اعتقاد کو بطور نقل تسلیم کر کے اُسپر دلیل قایم کی ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ مشرکین مکہ اور اہل کتاب نے اسکا انکار نہیں کیا۔ اور اس میں ایک یہہ نکتہ بھی ہے کہ کسی چیز کا بتدریج بنانا اُسی شخص سے ممکن ہوتا ہے۔ جو اپنی مرضی اور اختیار سے بناے۔ پس یہہ خداوند تعالی کے کمال قدرت اور اختیار کی دلیل ہے۔ ورنہ وہ ایک آن واحد میں یہہ سب کچھہ بنا سکتا تھا۔

مؤلفہ عفی عنہ

سبحان اللہ قرآن مجید کی حقیقت و ماہیت اور اسکی صفات اور
کافروں کے جحد و انکار اور عناد و لدد اور اپنے رسول کے صاحب الوحی
اور اپنے یگانہ و مستحق پرستش اور غافر الذنوب ہونے۔ اور اشراک باللہ و
بخل فی سبیل اللہ اور انکار آخرت کے نتائج قبیحہ۔ اور اپنی ذات مقدس کی وحدانیت
و یگانگی۔ اور حیات آیندہ پر یقین کرنے اور خالصاً للہ مال خرچ کرنے والوں کے
اجر و انعام کو کس بلیغانہ طور پر بیان فرمایا ہے اور کافروں کی سفاہت عقل و نادانی
اور اپنے وجود باجود اور صفات سراسر خیر و محمود پر صحیفۂ قدرت کی آیات بینات
سے جو بقول سید الحکما میر محمد باقر داماد "مصحف فعلی خدا کا ہے"
کما فی کتابہ المسمیٰ بہ جذوات کس حکیمانہ طرز و اسلوب سے استدلال
کیا ہے کہ ہر ایک درجہ کے اشخاص کے معقول کرنے اور یقین دلانیکے لئے
ایسی صریح و قوی حجت ہے کہ جس سے بڑھکر ہو نہیں سکتی۔ چنانچہ معلولات
کے وجود سے اول اپنے علت العلل ہونیکو ثابت کیا ہے اور پھر اپنے افعال
و احکام کی بے واسطہ و بالواسطہ دلالت سے یہہ ثابت کیا ہے کہ وہ ذات
مقدس ہر ایک امر کے ایجاد و اختراع اور کرنے اور نہ کرنے پر بالذات قادر
ہے۔ اور یہہ کہ اسکے تمام افعال معلل باغراض صحیحہ و مبنی بر مصالح ہیں اور یہہ کہ
وہ جیتا جاگتا اور دیکھتا اور سنتا ہے اور جہان کے ذرہ ذرہ کو یہانتک کہ ہمارے
دلوں کے بھید کو بھی جانتا ہے اور وہی تمام عالم کا سہارا اور اسکے قیام کا باعث
ہے۔ چنانچہ اپنے افعال کی صحت سے اپنے قادر بالذات ہونیکو ثابت کیا ہے
اور اپنے احکام کی درستی کو اپنے عالم بالمصالح ہونے کی دلیل گردانا ہے اور

اپنے قادر و عالم ہونے کو اپنے حی و قیوم اور سمیع و بصیر ہونے کی حجت قرار دیا ہے۔ اور ان مطالب عالیہ کو جنکی بڑی سے بڑی کتابیں بھی بمشکل متحمل ہو سکتی ہیں باوجود غایت درجہ کے ایجاز و اختصار کے ایسی نظم و ترتیب اور سلاست و وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عقلاً معارضہ ناممکن ہے۔ پس دیکھو خدا یا نبی اُمّی کے کلام کی خوبی کو کہ باوجودیکہ نہ منطق ہے نہ فلسفہ۔ مگر بایں ہمہ وہ خدائی منطق اور فلسفہ ہے کہ جسکا استعمال صرف اُسی سے ممکن ہے کہ جسنے انسان کو بولنا اور کلام کرنا سکھایا مگر واے برحال اس ظلوم و جہول پتلے کے کہ بایں ہمہ کبھی کوئی بدبخت اپنی جہالت و نادانی سے اُسکے وجود باجود کا انکار کرتا ہے۔ اور کوئی اُسکی مخلوقات میں سے کسیکو اُسکا شریک و ہمسر بناتا ہے۔ اور کوئی اُسکے کلام پاک کو سنکر تیوری چڑھاتا اور موہنہ بنتا تا۔ اور پیٹھ پھراتا اور مال و دولت اور اولاد و احفاد کی کثرت کے گھمنڈ پر یہہ کہدینے کی جرأت کرتا ہے " اِنْ ھٰذَا اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ اِنْ ھٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ "[۵۱] اور اُس مالک الملک کے قہر و غضب کی آگ سے جسکی تیزی و تندی کو دنیا کی کوئی آگ بھی نہیں پہنچ سکتی نہیں ڈرتا۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

الحاصل آپ نے اُس مغوی کی چکنی چپڑی باتوں پر کچھہ بھی التفات نفرمایا اور اُسکو اُسی طرح مایوس کردیا جس طرح حضرت مسیح نے اُس شیطان کو ناامید

[۵۱] مشرکین مکہ میں سے ایک مشرک کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ مدثر میں ہے۔ ۱۲ مولف عفی عنہ

کر دیا تھا جو اُنکے بہکانے کو آیا تھا+ مگر افسوس ہے کہ اس تدبیر کی ناکامیابی نے مشرکوں کو مظلوم مسلمانوں کی تکلیف دہی پر پہلے سے بھی زیادہ آمادہ کر دیا۔ اور بمجبوری آپکو اپنے ستم رسیدہ اصحاب کو چندے ملک حبش میں جا رہنے کی ہدایت فرمانی ضرور ہوئی۔ چنانچہ سب سے پہلے پندرہ شخص اپنے پیارے وطن اور خانماں سے دست بردار ہو کر وہاں چلے گئے۔ اور اُنکے بعد اور بہت سے مرد اور عورتیں جنہوں نے راہ خدا میں بڑی بڑی سختیاں اُٹھائی تھیں۔ اور جنکی تعداد قریب اکیسو کے تھی اُنکے شریک ہو گئے مگر دشمنوں نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور بہت سے تحائف لیکر بادشاہ حبش کے پاس جو عیسائی تھا گئے۔ اور کہا کہ اِن فراریوں کو جو اپنے آبائی دین سے پھر گئے ہیں ہمکو سپرد کر دیجئے! چنانچہ اُسنے مسلمانوں کو بُلا بھیجا اور پوچھا کہ وہ نیا دین کیا ہے؟ کہ جسکی خاطر تمنے اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ دیا۔ اور نہ ہمارا ہی دین اختیار کیا اور نہ کسی اور قوم کا۔ پس حضرت جعفر نے جو جناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے حقیقی بھائی تھے ایسے موثر انداز سے تقریر کی اور بادشاہ کی خواہش سے قرآن مجید کی چند آیتیں ایسے لب ولہجہ سے پڑھیں کہ بقول مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب اور اور مستند مورخین کے اُسکا ایسا اثر ہوا کہ بادشاہ اور دربار کے بڑے بڑے پادری جو انجیلیں کھولے بیٹھے تھے زار زار رونے لگے۔ اور بادشاہ نے قریش کے سفیروں کو دھتکار کر نکلوا دیا اور مسلمانوں کو کہا کہ بلا خوف و خطر

+ دیکھو چوتھا باب انجیل ستے۔ مولف عفی عنہ

یہاں رہو۔ ممکن نہیں کہ میرے ہوتے کوئی شخص تکو تکلیف پہنچا سکے
چنانچہ باسورتھ سمتھ صاحب لکھتے ہیں کہ وہ دس برس اور
گزر گئے اور محمد کے اصول مذہب باوجودیکہ چاروں طرف سے
نہایت سخت اندیشوں اور رزحمتوں کی بوچھار ہوتی تھی صرف اپنے اخلاقی
ذریعوں اور اپنی ذاتی قوت سے اپنا راستہ صاف کرتے جاتے تھے۔ مگر
جسقدر کہ اُسکے پیرووں کی تعداد بڑھتی گئی اوسیقدر مخالفین کا تشدد اور
ایذارسانی بھی جو اُسکے معتقدین کو برداشت کرنی پڑتی تھی زیادہ ہوتی گئی۔ اور
آخرکار محمد نے یہہ پسند نہ کرکے کہ اُسکے پیرو اپنے نئے مذہب میں داخل
ہوتے ہی ایسے پُرملال امتحان میں مبتلا ہوجائیں اُنھیں یہہ صلاح
دی کہ ملک حبش میں جاکر پناہ گزیں ہوں۔ چنانچہ پندرہ آدمیوں نے اُسکی
صلاح مانی اور محمد بدستور وہیں رہے۔ اِن لوگوں کا محمد کی صلاح کو
مان لینا کچھ افسوس کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو اگر کسی ثبوت کی ضرورت
ہو تو یہہ ایک یقینی ثبوت اس امر کا ہے کہ اِس تمام زمانہ میں محمد کی اصلی
قوت اُس شے میں تھی جسکو دنیا اُسکی کمزوری کہیگی (یعنی آپکا بے یارومددگار
ہونا) دوئم یہہ کہ اس واقعہ کے سبب سے جو ہجرت کہلاتا ہے ہمیں نبی
عربی کی ابتدائی تعلیم کا ایک اعلیٰ درجہ کا خلاصہ ہاتھ آیا ہے جو ابتک
ہمارے پاس موجود ہے۔ قوم قریش نے نجاشی بادشاہ حبش کے
پاس یہہ پیغام بھیجا کہ اِن فراریوں کو ہمارے حوالہ کردو تاکہ ہم انہیں قتل
کرڈالیں۔ لیکن اس گروہ میں سے جعفر نامی ایک شخص نے آگے

بڑھکر بادشاہ اور اُن پادریوں کے سامنے جو اسی غرض سے بلائے گئے

تھے اور انجیلیں ساتھ لیکر آئے تھے اپنے تبدیل مذہب کا حال مندرجہ ذیل الفاظ

میں بیان کیا" صاحب موصوف نے آگے ترجمہ حضرت جعفر کی تقریر کا

لکھا ہے۔ مگر ہم تاریخ ابن ہشام سے اُسکو بلفظہ نقل کرتے ہیں اور وہ یہہ ہے

"فقال جعفر اَیُّهَا الْمَلِكُ كُنَّا قَوْمًا اَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ نَعْبُدُ الْاَصْنَامَ وَ

نَاكُلُ الْمَيْتَةَ وَنَاتِي الْفَوَاحِشَ وَنُسِيْئُ الْجِوَارَ وَيَاكُلُ الْقَوِيُّ الضَّعِيْفَ

فَكُنَّا عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى بَعَثَ اللّٰهُ اِلَيْنَا رَسُوْلًا مِنَّا نَعْرِفُ نَسَبَهُ وَصِدْقَهُ

وَاَمَانَتَهُ وَعَفَافَهُ فَدَعَى اِلَى اللّٰهِ لِنُوَحِّدَهُ وَنَعْبُدَهُ وَنَخْلَعَ مَا كُنَّا نَعْبُدُهُ

نَحْنُ وَاٰبَاءُنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنَ الْحِجَارَةِ وَالْاَوْثَانِ وَاَمَرَنَا اَنْ نَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ

وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَاَمَرَنَا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَالصِّيَامِ رفعدّد عليه

اُمُوْرَ الْاِسْلَامِ ثُمَّ قَالَ) وَاَمَرَ بِصِدْقِ الْحَدِيْثِ وَاَدَاءِ الْاَمَانَتِ وَ

صِلَةِ الرَّحِمِ وَحُسْنِ الْجِوَارِ وَالْكَفِّ عَنِ الْمَحَارِمِ وَالدِّمَاءِ وَنَهٰينَا

عَنِ الْفَوَاحِشِ وَقَوْلِ الزُّوْرِ وَاَكْلِ مَالِ الْيَتِيْمِ وَقَذْفِ الْمُحْصِنَاتِ فصدقناه

وَاتَّبَعْنَاهُ عَلٰى مَا جَاءَ بِهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَعَبَدْنَا اللّٰهَ تَعَالٰى وَحْدَهُ

وَلَا نُشْرِكُ بِهٖ وَحَرَّمْنَا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاَحْلَلْنَا مَا اَحَلَّ لَنَا

فَعَدٰى عَلَيْنَا قَوْمُنَا فَعَذَّبُوْنَا وَفَتَنُوْنَا عَنْ دِيْنِنَا لِيَرُدُّوْنَا عَلٰى عِبَادَتِ

الْاَوْثَانِ مِنْ عِبَادَتِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاَنْ نَسْتَحِلَّ مَا كُنَّا نَسْتَحِلُّ مِنَ الْخَبَائِثِ

لَمَّا قَهَرُوْنَا وَظَلَمُوْنَا وَضَيَّقُوْا عَلَيْنَا وَحَالُوْا بَيْنَنَا وَبَيْنَ دِيْنِنَا خَرَجْنَا

اِلٰى بِلَادِكَ وَاخْتَرْنَاكَ عَلٰى مَنْ سِوَاكَ وَرَغِبْنَا فِيْ جِوَارِكَ وَرَجَوْنَا اَنْ

لَا نَظْلَمُ عِنْدَكَ يَا اَيُّهَا الْمَلِكُ" یعنی حضرت جعفر نے کہا کہ اے
بادشاہ ہم ایک جاہل اور گمراہ قوم تھے بُت پوجتے تھے - مُردار گوشت
کھاتے تھے - بدکاریاں کرتے تھے - ہمسایوں سے بہ بدی پیش آتے
تھے - زبردست کمزور کا مال کھاجاتا تھا - اور ایک مدت سے ہماری یہی
حالت چلی آتی تھی - یہانتک کہ خُدا نے ہمارے ہی میں سے ہمارے
پاس ایک پیغمبر بھیجا جسکی شرافتِ نسب - راستبازی - ایمانداری اور پاکدامنی
سے ہم خوب واقف تھے - پس اُسنے ہمکو خدا کی طرف بُلایا تاکہ ہم صرف اُسی
ایک خدا کو خدا جانیں اور اُسی کی عبادت کریں - اور اُن بتوں اور پتھروں کی
پرستش چھوڑدیں - جنکو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے - اور حکم دیا کہ
ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو ذات اور صفات اور استحقاق
عبادت میں اُسکے ساتھہ شریک نکریں - اور ہمکو پانچوں وقت نماز پڑھنے اور
سال بھر بعد بقیہ مال کا چالیسواں حصہ صدقہ دینے اور ماہ رمضان میں بیماری
اور سفر کے سوا روزہ رکھنے کا حکم دیا (پھر ایک ایک کرکے تمام احکام اسلام
اُسکے سامنے بیان کئے اور کہا کہ) اُس پیغمبر نے ہمکو سچ بولنے اور امانت
کو اُسکے مالک کے پاس پہنچادینے اور قرابتداروں سے رعایت و مروت
کرنے اور ہمسایوں کے ساتھہ نیکی سے پیش آنے اور بُرے اور حرام کاموں
اور خون خرابوں سے بچنے کا حکم دیا - اور بدکاریوں اور جھوٹی گواہی دینے اور
بن ماں باپ کے بچوں کا مال کھالینے - اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے
سے منع کیا - پس ہمنے اُسکو سچا جانا - اور جو احکام خدا کی طرف سے اُسنے

پہنچائے اُن سب کی پیروی اختیار کی۔ پس اب ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت
کرتے ہیں۔ اور کسی چیز کو کسی بات میں بھی اُسکے ساتھ شریک نہیں کرتے
اور جو چیز خدا نے ہمپر حرام کردی ہے اُسکو حرام۔ اور جو حلال کردی ہے اُسکو
حلال جانتے ہیں۔ پس اس بات پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی۔ اور طرح
طرح سے ہمکو دکھہ دیا اور ہمکو ہمارے دین سے پھرانا چاہا۔ کہ خدا کو چھوڑ کر پھر
بت پوجنے لگیں۔ اور جن بُری باتوں اور چیزونکو ہم پہلے جائز سمجھتے تھے
اُنکو جائز جانیں۔ پس جبکہ اُنھوں نے ہمکو نہایت عاجز کردیا۔ اور طرح طرح کے
ظلم کئے۔ اور نہایت تنگ و دق کیا۔ اور ہمارے دین میں ہمارے مزاحم ہوئے
تو ہم اپنا وطن چھوڑ کر اور تجکو اور بادشاہون کی بہ نسبت اچھا جانکر تیرے ملک
میں چلے آئے۔ اور یہہ امید کرکے کہ تیرے ہوتے کوئی شخص ہمپر ظلم نکرسکیگا
تیری پناہ اختیار کی۔

حضرت جعفر کی یہ تقریر بے نظیر حقیقتاً اسکی مستحق ہے کہ مستند مورخین
اسکو نہایت عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھیں کیونکہ اسلام سے پہلے اہل عرب
کی جو تیرہ و تار حالت تھی اور پھر اسلام نے جو روحانی و اخلاقی روشنی انمیں پھیلائی
یہہ تقریر اُسکا اگرچہ مختصر مگر ایسا صحیح فوٹو ہے کہ حق پسند و حق بین آنکھ کو اُسے دیکھکر
اسلام کی روحانی و نورانی صورت گویا سامنے نظر آنے لگتی ہے اور اُسکی صداقت
حقیت کا ایک گہرا اور پایدار نقش دلپر بیٹھ جاتا ہے۔

ہجرت حبشہ کے متعلق یہہ بات فروگذاشت نہیں کیجا سکتی کہ مہاجرین
میں سے بعض اشخاص یہہ غلط افواہ سنکر کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے ساتھ صلح کرلی ہے تخمیناً تین مہینے بعد مکہ کو واپس چلے
آئے تھے۔ مگر قریب پہنچکر جب اِس خبر کی غلطی معلوم ہوئی تو مجبوری کوئی
مخفی طور پر اور کوئی اپنے کسی رشتہ دار وغیرہ کی پناہ لیکر شہر میں آگیا۔ مگر
اللہ رے حمیت اسلام و توکل بخدا کہ عثمان بن مظعون کو معاً یہہ خیال آیا
کہ کیا خدائے عزّ وجل کو چھوڑ کر میں ایک ذلیل مشرک کی پناہ لوں۔ پس اُس
پاک اعتقاد نے فوراً وَلِیْد بن مُغِیْرَہ کو جو اُنکی حفاظت کا ذمہ دار بنا تھا
جاکر کہدیا کہ مجکو تیری پناہ کی حاجت نہیں۔ ہمدریں اثنا ایک مشہور و معروف
شاعر نے جسکا نام لَبِیْد تھا ایکروز قریش کے مجمع میں اپنا یہہ شعر پڑہا ؎

"اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہُ بَاطِلٌ	وَ کُلُّ نَعِیْمٍ مَحَالَۃَ زَائِلٌ"

یعنی آگاہ ہو کہ خدا کے سوا ہر ایک شے باطل ہے۔ اور ہر ایک
نعمت بلا شبہ زوال پذیر ہے پس عثمان نے پہلے مصرع
کو سُنکر کہا "صَدَقْتَ" یعنی تو نے سچ کہا۔ مگر جب دوسرا مصرع
پڑھا تو کہا "کَذَبْتَ" یعنی تو جھوٹ کہتا ہے۔ نعمائے جنت
دائمی اور لازوال ہیں۔ جس سے لَبِیْد کو بہت رنج ہوا اور اُسنے اہل
مجلس کو کہا کہ تمہاری مجالس کا تو یہہ ڈھنگ نہ تھا اور نہ تمسخر کرنا ہی تمہاری شان سے
تھا۔ پس انمیں سے ایک نے اُٹھکر عثمان کے مونہہ پر ایسے زور
سے تھپڑ مارا کہ اُنکی آنکھ کو سخت صدمہ پہنچا اور وَلِیْد نے طنزاً کہا کہ کیوں؟
میری پناہ ترک کرنیکا مزا دیکھا؟ جس کا اُس بزرگوار نے یہہ ایمان و
ایقان سے بھرا ہوا جواب دیا کہ میری دوسری آنکھ بھی خدا کی راہ میں پیاسی ہے چنانچہ

کھانیکو حاضر ہے اور خدا کے سوا میں کسیکی پناہ کا محتاج نہیں“[۵۱] اور
اپنے اِس نہایت صابرانہ چلن سے اُس نصیحت کی تعمیل گویا آنکھوں سے
کر دکھائی جو جناب مسیح نے اپنے مریدوں کو کی تھی کہ ”ظالم کا مقابلہ
نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اُسکی طرف
پھیر دے“ اِسی زمانہ کے قریب آنحضرت کے چچا حمزہ بن عبد المطلب
جو شجاعت و سخاوت اور عظم و شان میں بہت کچھ جناب مرتضوی سے
مشابہ تھے مشرف باسلام ہوئے۔ اور ان سے تین دن بعد عمر
بن خطّاب جو ابتک جنابِ رسول خدا کے نہایت دشمن اور مسلمانونکو
تکلیف و اذیت پہنچانے میں ویسے ہی تند و تیز تھے[۵۲] جیسا کہ عیسائی
ہونے سے پہلے سینٹ پال عیسائیوں کو دکھہ دینے میں چست و چالاک
تھا[۵۳] یکایک ایمان لے آئے۔ لکھا ہے کہ ایکروز تلوار باندھکر اس قصد سے
گھر سے نکلے کہ جاکر آنحضرت کو شہید کر ڈالیں مگر رستہ میں ایک شخص نے
جو باطناً مسلمان تھا انکا ارادہ معلوم کرکے کہا کہ انکو قتل کرنے کیا چلے ہو
پہلے گھر کی تو خبر لو کہ بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو گئے ہیں۔ جس سے
انکو نہایت طیش آیا اور سیدھے بہن کے ہاں گئے۔ اتفاقاً وہ اور اوسکا

---

۵۱ دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۴۴) اور تاریخ ابن اثیر جلد دویم صفحہ (۳۱) مؤلف

۵۲ دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۲۴-۲۲۷) اور تاریخ ابن اثیر جلد دویم صفحہ (۱۳۴) اور تاریخ ابو الفدا
جلد دوم صفحہ (۱۲۰) مؤلف عفی عنہ

۵۳ دیکھو رسالہ اعمال حواریین باب نہم آیت پہلی۔ مؤلف عفی عنہ

خاوند اور اصحاب رسول میں سے ایک شخص جو انکو قرآن پڑھایا کرتا تھا
اوراق ہاتھ میں لئے ہوئے سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے کہ یکایک یہ
آن پہنچے اور وہ انکی آہٹ پا کر چپ ہو گئے اور کاغذ کو چھپا لیا اور جب
ان اسکے پوچھنے پر انہوں نے کہا کہ ہمتو کچھ نہیں پڑھتے تھے تو طیش میں
آکر بہنوئی پر جھپٹے اور اسکی بیوی جو اسکے بچانے کو اٹھی تو اسکو ایسا مارا
کہ اسکے سر میں سے خون نکل آیا۔ مگر جب عہد لیکر اسنے وہ کاغذ انکو دیدیا
تو پڑھتے ہی کچھ ایسا اثر دلپر ہوا کہ آئے تو آنحضرت کے قتل کے ارادہ سے
تھے مگر جاتے ہی قدموں پر گر پڑے۔ اور عرض کیا کہ مجکو بھی دولت اسلام
سے مالامال فرمائیے۔ اور پھر سیدھے حرم کعبہ میں آکر علانیہ کہدیا کہ میں تو محمد
اور انکے خدا پر ایمان لے آیا اور تمام دن مشرکوں کے ساتھہ لڑائی اور مار پیٹ
میں گزرا + حضرت حمزہ و عمرؓ کا بعثت کے پانچ سال بعد مذہب اسلام
کو قبول کر لینا یقینی طور پر اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جو لوگ مسلمان
ہوتے تھے وہ یوں ہی نہیں بلکہ خوب غور و تامل اور حق و ناحق کے سمجھ
لینے کے بعد یہہ نیا مذہب جو انکے پیدایشی و تربیتی دونوں طرح کے
خیالات کے بالکلیہ برخلاف تھا اختیار کرتے تھے۔ اور یہہ اسلام و
بانیِ اسلام کی حقیت و صداقت اور قرآن مجید کے من اللہ ہونے کی
ایک نہایت مضبوط اور قوی دلیل ہے۔ چنانچہ انسائکلوپیڈیا برٹانیکا

+ دیکھو تاریخ ابن اثیر جلد دویم صفحہ (۳۳-۳۴) و تاریخ ابوالفدا جلد دویم صفحہ ۱۱۹-۱۲۰) و
تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۲۴-۲۲۷) مؤلف عفی عنہ

کے فاضل مولفین لکھتے ہیں کہ " جو یقین کہ اُسنے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) اپنے قریب کے لوگوں یعنی خدیجہ - عمرؓ اور ابُوبکرؓ کے دلمیں پیدا کیا اور جو ہر طرح کی ذلت اور تکلیف اُسنے بارہ برس تک جھیلی اور نہایت جوانمردی سے ہر قسم کی دولت اور سرداری کے قبول کرنے سے انکار کر دیا جسکا حاصل ہونا اس شرط پر موقوف تھا کہ وہ اپنی کوشش سے باز آئے - اور نیز اُس سادگی مزاج اور طرز معیشت کا خیال کرکے جو اخیر وقت تک اُسکی ذات میں ویسی ہی رہی - ہم پریڈو والٹیر اور مراکشی کی رائیں قبول نہیں کر سکتے - بلکہ اتنی بات کہنے میں مُھلر - کاسِن - کارلائیل - اَرونگ - اور دیگر مصنفین سے متفق ہیں کہ عام طور پر محمدؐ کی صداقت کو مانیں اور اس بات کو قبول کریں کہ اُسکو اپنے آپ پر بھروسہ تھا اور وہ اپنی رسالت کو سچا سمجھتا تھا - "

سفارتِ حبشہ کی ناکامیابی اور حضرت حمزہؓ و عمرؓ کے اسلام نے مشرکین کے غیظ و غضب کو اور زیادہ بھڑکایا - چنانچہ اُنہوں نے جھلّا کر باہم یہہ عہد کر لیا کہ بنی ھاشم سے کسی قسم کا میل جول نرکھیں گے ! نہ اُن سے کوئی چیز خریدینگے ! اور نہ اُن کے پاس بیچیں گے نہ اُنکی بیٹی لینگے اور نہ اُنکو دینگے - اور تاکہ اس عہد و پیمان سے کوئی انحراف نہ کر سکے ایک کاغذ پر لکھکر کعبہ کے اندر لٹکایا - پس بنی ھاشم پہاڑ کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور کافروں نے پانی اور دانہ پہنچنا تقریباً بند کر دیا اور کامل تین برس تک یہی ظلم و ستم جاری رکھا - اور اگر خدا کافروں

میں سے بعض اشخاص کے دلوں کو نہ پھیرو یتا جو اس ظالمانہ عہد و پیمان کے ٹوٹ جانیکے باعث ہوئے تو معلوم نہیں مظلوم بنی ہاشم کا کیا انجام ہوتا*

اب اگرچہ تین برس کے بعد اس عذاب سے نجات ہوئی۔ مگر چند ہی مہینے گزرے تھے کہ ایک اور بڑی مصیبت کا سامنا ہوا۔ یعنی اول آپ کی پچیس برس کی رفیق و وفادار زوجہ خدیجہ نے پینسٹھ برس کی عمر میں قضا کی! اور پھر چند روز بعد آپکے جان نثار چچا ابوطالب نے وفات پائی جس سے آپ پر ایک کوہ مصیبت ٹوٹ پڑا۔ بنی ہاشم اپنے سردار کے گزر جانے سے آپکی کماحقہ حفاظت نکر سکے۔ اور جو اذیتیں اور ذلتیں مشرکین آپکو پہنچا رہے تھے اُن میں اور زیادہ شدت ہوئی۔ اور آپکو قطعی نا اُمیدی ہوگئی کہ اب یہہ لوگ بُت پرستی سے باز نہ آئینگے۔ پس یہہ خیال فرماکر کہ شاید قوم بنی ثقیف کو خدا توفیق قبول اسلام دے اور وہ آپکی حمایت و حفاظت پر آمادہ ہوں۔ آپ اپنے وفادار خادم زید بن حارثہ کو ساتھ لیکر متوکلا علی اللہ شہر طائف کو جو مکہ سے مشرق کیطرف قریب ساٹھ میل کے ہے تشریف لیگئے۔ چنانچہ سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ "محمد صلعم کے اس طائف کے سفر میں ایک نہایت اعلی جوانمردانہ حالت پائی جاتی ہے۔ ایک یکہ و تنہا شخص جسکو اُسکی قوم کے لوگوں نے بالکل چھوڑ دیا تھا اور نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے خدا کے نام پر دلیرانہ آگے بڑھا۔ جس طرح یونس ؑ نینوا کو گئے تھے

* دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۳۰-۲۳۲) و تاریخ ابن اثیر جلد دویم صفحہ (۲۵-۲۶) و تاریخ ابوالفدا جلد دویم صفحہ (۱۲۱) مؤلف عفی عنہ

اور اُسنے ایک بت پرست شہر کو آگاہ کیا کہ توبہ کریں اور اُسکی رسالت کی تائید کریں - اِس سے ایک نہایت قوی روشنی اس امر پر پڑتی ہے کہ انکو اپنے کام سے کے مِن اللہ ہونیکا کس شدت کے ساتھ یقین تھا۔" مگر وہاں کے لوگوں میں سے بھی کسیکو توفیق قبول اسلام نہوئی بلکہ قوم قریش کیطرح انکو بھی طیش آگیا - اور مجبوراً تین روز بعد آپکو وہاں سے پھر آنا پڑا - اور انہوں نے یہانتک بدسلوکی کی کہ کمینہ لوگوں کا ایک انبوہ کثیر بُرا بھلا کہتا اور غل مچاتا ہوا تمام دن آپکو گھیرے رہا - اور ایسی دھکا پیل ہوئی کہ آپ کو ایک باغ کے حاطہ میں پناہ لینی پڑی مگر الحمدللہ کہ صبر و استقامت اور ایمان بجنسہ رہا کہ اُسی حالت میں آپ نے انگور کی ایک بیل کے سایہ میں بیٹھکر بارگاہ احدیت میں یہ مناجات کی - اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَشْکُوْ اِلَیْکَ ضَعْفَ قُوَّتِی وَقِلَّۃَ حِیْلَتِی وَھَوَانِی عَلَی النَّاسِ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ - اَنْتَ رَبِّی اِلٰی مَنْ تَکِلُنِی ؟ اِلٰی عَسِیْرٍ یَجْھَمُنِی - اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِی ؟ اِنْ لَمْ یَکُنْ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِی - وَلٰکِنْ عَافِیَتُکَ ھِیَ اَوْسَعُ لِی - اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِی اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَنْ یَنْزِلَ بِی غَضَبُکَ اَوْ یَحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُکَ لَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ + یعنی اے ربّ جلیل

+ اس دُعا کے الفاظ ہمنے ناسخ التواریخ سے نقل کئے ہیں - مگر جزوی تفاوت کے ساتھ ابن ہشام و ابن اثیر نے بھی اسکو اپنی مستند کتابوں میں روایت کیا ہے اور سر ولیم میور نے بھی اپنی کتاب میں ابن ہشام کی روایت کے موافق اسکا ترجمہ لکھا ہے - مؤلف

یہ بندہ مسکین و عبد ذلیل تیری بارگاہ عزت و جلال میں اپنی کمزوری اور صبر و قوت کی کمی اور اپنی ذلت و خواری کی فریاد لایا ہے۔ کیونکہ تو سب سے زیادہ رحم والا اور ہر ایک عاجز و ناتوان کا مددگار اور خود میرا مالک اور پروردگار ہے۔ تو مجھے کس کے حوالہ کرتا ہے؟ کیا ایسے دوست کے جو مجھے دیکھکر ناک بھوں چڑہائے؟ یا ایسے دشمن کے جس کو تونے میرا معاملہ سونپ دیا ہے؟ لیکن اگر یہہ بلا تیری خفگی کی وجہ سے نہیں ہے تو مجکو اسکی کچھہ پروا نہیں۔ مگر تیرا بچاؤ میرے لئے بہت زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری قدرت و رحمت کے نور میں جو تمام تاریکیوں کا روشن کر دینے والا اور دنیا و آخرت کے بگڑے ہوئے کاموں کو سنوار دینے والا ہے تیرے غیظ و غضب کے نزول سے پناہ لیتا ہوں۔ لیکن اگر خفگی ہی میں میری بھلائی ہے تو تجھے وہانتک اختیار ہے کہ تو مجھسے راضی ہو جائے۔ اور بغیر تیری مدد کے نہ میں برائی ہی سے بچ سکتا ہوں اور نہ نیکی ہی کی طاقت و قدرت رکھتا ہوں"

اب ناظرین حضرت نبی عربی کی اس دعا کا جناب نبی ناصری کی اُس دعا سے مقابلہ کریں جو اُنہوں نے اپنے گرفتار ہو جانے کی رات کو کی تھی کہ "اے باپ اگر ہو سکے تو یہہ پیالہ مجھسے گزر جائے مگر نہ جیسا میں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے" اور "اے باپ اگر ممکن نہیں کہ یہہ پیالہ میرے پینے بغیر مجھسے گزر جائے تو تیری مرضی ہو" اور دیکھیں کہ دونوں ایک ہی قسم کے مخرج سے نکلی تھیں یا اُسمیں کچھہ فرق و امتیاز تھا

مجھے یقین ہے کہ اگر بے تعصبی اور ناطرفداری کی آنکھ سے دیکھینگے تو کچھ بھی تفاوت نہ پائینگے۔ بلکہ یقیناً معلوم کرلیں گے کہ جس تسلیم و رضا سے بھرے ہوے دل سے وہ نکلی تھی ویسے ہی بلکہ اُس سے بڑھکر ایمان و ایقان اور تسلیم و توکل میں ڈوبے ہوئے دل سے یہہ نکلی تھی۔

الغرض آپ کی اُسوقت کی زار و زبون حالت کا اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ عُتبہ بن رَبِیعہ اور اُسکے بھائی شَیبہ جیسے سنگدل دشمنوں سے بھی دیکھا نہ گیا اور اُنہوں نے ترس کھاکر تھوڑے سے انگور آپ کے لئے بھیجے جنکو کھاکر آپ نے شکرِ خدا کیا۔+

اَب آپ نے مایوس ہوکر قریش کو پند و نصیحت کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اور صِرف اُن قبایل کے لوگوں کو جو حج وغیرہ کے لئے آتے تھے دعوتِ اسلام فرماتے تھے۔ مگر اُن میں سے بھی کسیکو توفیق قبول اسلام نہوئی بجز یثرب کے چھہ شخصوں کے کہ جنہوں نے کلام آلٰہی کو سُنا اور مشرف باسلام ہوئے۔ اور پھر بادِ بہاری کی طرح اُس نخلستان کے خوش نصیب رہنے والوں کے لئے یہہ مژدہ لیتے گئے کہ سرزمین مکّہ میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جو بندگان آلٰہی کو خدائے واحد و لاشریک کی طرف بُلاتا ہے۔ اور جس طرح مشک کی خوشبو پھیل جاتی ہے آپکا اور دین مبین اسلام کا چرچا وہاں پھیل گیا۔ چنانچہ کوئی گھر ایسا نہ تھا کہ جہاں آپکا ذکر خیر نہوتا ہو۔ اور کوئی صحبت ایسی نہ تھی جسمیں لوگ دین اسلام کا چرچا نکرتے ہوں۔ پس سال کے ختم ہوتے ہی اُن نو مسلموں

+ دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۸۰ - ۲۸۱) اور تاریخ ابن اثیر جلد دوم صفحہ (۳۷) مؤلفہ عفی عنہ

میں سے پانچ شخص نہایت شوق کے ساتھ پھر آپکی زیارت و طواف کعبہ کے لئے آئے۔ اور اوس و خزرج کی طرف سے جو یثرب کے دو بہت بڑے قبیلے تھے سات آدمیوں کو بطور وکیل اپنے ساتھ لائے اور اُسی جگہ وہ بھی مشرف باسلام ہوئے جہاں یہہ ہوئے تھے۔ اور یہہ عہد کیا کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنائینگے۔ چوری نکریں گے۔ حرامکاری نکرینگے قتل اولاد کے مرتکب نہونگے۔ یعنی نہ تو انکو بتوں پر قربانی چڑھائینگے اور نہ غیرت یا افلاس کی وجہ سے قتل کرینگے۔ غیبت و بد گوئی سے پرہیز کرینگے۔ اور ہر امر حق میں خدا کے رسول کی اطاعت کریں گے اور رنج و راحت میں شریک حال رہیں گے۔ اور جب وطن کو جانے لگے تو آنحضرت نے اپنے اصحاب میں سے عبد اللہ ابن اُمّ مکتومؓ اور مُصعب بن عُمیرؓ کو قرآن مجید اور ارکان اسلام کی تعلیم کے لئے ساتھ کر دیا اور کلام الٰہی کے وعظ نے یہہ اثر پیدا کیا کہ بہت سے لوگ شرک و بُت پرستی کو چھوڑ کر دین حق میں داخل ہو گئے۔ اور کوئی گھر ایسا نرہا جس میں مسلمان مرد اور عورتیں موجود نہوں۔

اگلے برس حج کے موقع پر مُصعب مکہ کو پھر آئے۔ اور بہت سے مسلمان اُنکے ساتھ آپکی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ اور اپنے مشرک اہل قافلہ سے پوشیدہ تہتر مردوں اور دو عورتوں نے رسم ملک

دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۸۸) و تاریخ ابن اثیر صفحہ (۳۹) و تاریخ ابو الفدا جلد دویم صفحہ (۲۲۴) و تاریخ ابن خلدون جلد دویم صفحہ (۱۲) مولف عفی عنہ

کے موافق آپکے ہاتھ میں ہاتھ دیکر عہد کیا کہ اگر آپ اور آپکے اصحاب ہماری شہر کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرماینگے تو ہم اپنے ہتھیاروں سے آپکی اور آپ کے اصحاب کی اُسیطرح حفاظت و حراست کرین گے جسطرح کہ اپنی اولاد و ازواج کی کرتے ہین۔ چنانچہ اِن مین سے بارہ[۱۲] آدمیون کو آپنے اُن کے اہلِ قبیلہ کی ہدایت و ارشاد کے لئے منتخب فرمایا۔ اور ارشاد کیا کہ تم اسی طرح اپنی اپنی قوم کے کفیل ہو جس طرح حواری عیسیٰ بن مریمؑ کے لئے کفیل تھے۔ اور مین اپنی قوم یعنی قریش کا ذمہ دار ہون۔ یہہ معاہدہ اگرچہ ایسے وقت ہوا تھا جبکہ رات نے مشرکینِ مکّہ کی آنکھون پر پردہ ڈالدیا تھا مگر ایک شیطان مشرک نے جو پہاڑی پر سے دیکھ رہا تھا اپنے ہمجنسون کو آگاہ کردیا۔ اور وہ اکھٹے ہو کر یثرب کے قافلہ میں مسلمانوں کی تلاش کے لئے گئے۔ اور جب کچھ پتہ نہ لگا تو پھر آئے۔ اور پھر دوبارہ گئے۔ اب اگرچہ قافلہ کا کوچ ہو چکا تھا۔ مگر سَعْد بن عُبَادَہؓ جو مذکورہ بالا بارہ[۱۲] شخصوں میں سے ایک تھے اُنکے ہتھے چڑھ گئے اور وہ اُنکو مارتے پیٹتے اور سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے مکّہ میں لے آئے اور بدبخت ابوجہل نے اپنے خُبث طبع کی یہانتک پیروی کی کہ خود یثرب کو گیا اور عَیَّاش بن ربیعہ کو جو اُسکا ماں کی طرف سے بھائی تھا کہا کہ تیری ماں تیرے لئے روتی ہے۔ اور کھانا پینا چھوڑ دیا ہے تو مکہ کو چل اور اِس فریب سے مکہ میں لاکر اُسکو قید میں ڈالدیا۔*

* دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۲۱۹-۲۲۰) مؤلف عفی عنہ

جو زمانہ مابین اِن دونوں بعثتوں کے گزرا وہ بھی منجملہ اُن زمانوں کے تھا جو ابتک آپ پر نہایت صعب و شدید گزرے تھے۔ اور اسکے مقابلہ میں جو صبر و ثبات اور توکل علی اللہ آپ سے ظہور میں آیا وہ ایسا بےمثل و بےنظیر ہے کہ سر ولیم میور جیسے شخص کو بھی بجز مان لینے کے چارہ نہ ہوا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "وہ پیغمبر اسلام اسطرح سے دشمنوں کے زغہ میں گھرے ہوئے تھے اور فتح مبین کے منتظر تھے۔ اور ظاہراً بے یار و مددگار تھے۔ اور اُن کے اصحاب کا چھوٹا سا گروہ گویا شیر کے موہنہ میں تھا۔ تاہم اُن کو اُس قادر مطلق پر بھروسہ تھا جسکا رسول وہ اپنے تئیں سمجھتے تھے۔ اور اُنکے پاے ثبات میں ایک سرِ مو لغزش نہوئی تھی۔ غرض اس عالمِ مصیبت و تنہائی میں وہ ایسے عالی مرتبہ و جلیل الشان معلوم ہوتے ہیں کہ کتب مقدسہ سماویہ میں اُنکا عدیل و نظیر کوئی نہیں دکھائی دیتا۔ سواے اُس نبیِ اِسرائیل کے بنی کے جسنے خداوند عالم سے یہہ شکایت کی تھی کہ میں اکیلا رہگیا ہوں"٭ (یعنی حضرت الیاس علیہ السلام جو بعل نامی ایک بت کے پوجنے والوں کی ہدایت و ارشاد کے لیئے مبعوث ہوئے تھے)۔

حق پسند ناظرین! اس عالیقدر مورخ کا پیغمبر اسلام کے غایت درجہ کے توکل علی اللہ اور علوِ مرتبت و جلالت شان کو ایسا صاف صاف مان لینا اور بجز ایک کے تمام انبیاے بنی اسرائیل پر آپکو ترجیح دینا صاف دلی اور انصاف کی راہ سے نہ سمجھیگا۔ بلکہ یہہ الجا حق ہے کہ جسنے اُسکو ایسا لکھنے پر مجبور

٭ دیکھو کتاب لائف آف محمد جلد دوئم صفحہ (۲۲۸) مؤلف عفی عنہ

کیا ہے۔ ورنہ انصاف کا حال تو اُس سے ظاہر ہوتا ہے جو اس سے
آگے فرمایا ہے کہ وہ نہیں۔ یہہ تماشا اور زیادہ تعجب انگیز امور سے ہے
کہ انبیاے بنی اسرائیل پر خدا وحی نازل کرتا تھا اور وہ معجزے دکھاتے
تھے۔ مگر پیغمبر اسلام نے تو خود اعتراف کیا ہے کہ میں معجزہ نہیں دکھا سکتا"
اللہ اکبر سر ولیم میور کو اس اُنیسویں صدی میں جو عقل اور روشنی کا
زمانہ کہلاتا ہے بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت و نبوت پر اُن محال
اور خلافِ عقل امور کے بغیر اطمینان نہیں ہے۔ جنکے مشرکین مکہ آنحضرت
سے خواہشمند تھے۔ اور کہتے تھے کہ "لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا
مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ
خِلَالَهَا تَفْجِيرًا۔ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ
بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا۔ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ
فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ۔ قُلْ سُبْحَانَ
رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا" یعنی ہم ہرگز تیری بات کا یقین نہیں
کرینگے جبتک کہ تو اس زمین (مکہ) میں سے ہمارے لئے ایک چشمہ بہادے
یا تیرے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ لگ جاے۔ پھر تو اُنمیں بہتی
ہوئی نہریں نکالے زور سے بہتی ہوئی۔ یا تو گرائے ہمپر آسمان کو ٹکڑے
ٹکڑے۔ جیسا کہ تو ڈرایا کرتا ہے۔ یا خدا اور فرشتوں کو سامنے لادے
یا تیرے لئے سونے کا ایک گھر بنجائے۔ یا تو آسمان میں چڑھ جاے
اور ہم تو تیرے آسمان میں چڑھ جانیکو بھی کبھی نہیں مانتنے کے جبتک کہ تو ہمپر

کوئی کتاب اُتار دے جسکو ہم پڑھ لیں" جن بیہودہ و نامعقول سوالات کے جواب میں خدا نے اپنے پیغمبر کو فرمایا کہ "تو ان بے سمجھ کافروں سے کہدے کہ پاک ہے میرا پروردگار میں تو کچھ نہیں ہوں مگر ایک انسان بھیجا ہوا۔ یعنی رسول"۔ ہم سر ولیم میور سے سوال کرتے ہیں کہ آپ نے جو انبیائے بنی اسرائیل و فرزند اسمٰعیل کا مقابلہ کرنا چاہا ہے تو آپ نے اُنکی اور انکی رسالت میں کیا چیز مابہ الامتیاز قرار دی ہے اور سچائی کا معیار کیا ٹھیرایا ہے؟ کیا ایسے ہی ناممکن اور خلاف عقل امور جنکے مشرکین مکہ طالب تھے؟ افسوس تعصب ونفسانیت انسان کو کیسا اندھا بنا دیتی ہے کہ سر ولیم میور سا جلیل الشان فاضل حمقائے مکہ کا ہمزبان ہو کر اس روشنی اور عقل کے زمانہ میں بھی اُن امور کے کر دکھانے سے انکار کر دینے کو جناب خاتم الانبیا علیہ التحیتہ والثنا کے خلاف میں بطور حجت اور دلیل کے پیش کرتا ہے جو اس زمانہ کے ایک کم سن لڑکے کے نزدیک بھی معقول اور ممکن الوقوع نہ تھے۔ اور اُس معجزہ کو نہیں دیکھتا جو ایسا قوی ہے کہ جسنے باوجود اُس تعصب و مخالفت کے جو اس مورخ کو بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے تقریباً تیرہ ۱۳۰۰ سو برس کے بعد خود اُسکو اس بات کے لکھدینے پر مجبور کیا کہ "کتب مقدسہ سماویہ میں انبیائے بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی بھی بجز ایک کے آپ سا عالی مرتبہ و جلیل الشان معلوم نہیں ہوتا"۔ الغرض مشرکین کی آتش عناد بھڑک رہی تھی اور مظلوم مسلمانوں کو نہایت درجہ ستاتے تھے جس سے مجبور ہو کر آپ نے انکو یثرب کو ہجرت کرنیکی اجازت دی اور بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں جسطرح جسکو موقع ملا وہانکو چلے گئے اور

اسطرح سے مکّہ کے گھر کے گھر ویران ہو گئے۔ جنکو خالی دیکھکر عُتْبَہ بن رَبِیعَہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور ایک پرانے شاعر کا یہہ شعر پڑھا **شعر**

"وَكُلُّ دَارٍ وَإِنْ طَالَتْ سَلَامَتُهَا	يَوْمًا سَتُدْرِكُهَا النَّكْبَاءُ وَالْحُوبُ"

یعنی ہر ایک گھر خواہ کتنی ہی مدت تک آباد رہا ہو آخر ایک نہ ایک دن بادِ حوادث اُسپر چل جائیگی اور خراب و برباد ہو جائیگا۔ اور پھر نہایت اندوہ وغم کے ساتھہ بولا کہ یہہ سب کچھہ ہمارے اس بھائی کے بیٹے (مُحَمَّدؐ) نے کیا ہے۔ جسنے ہماری جماعتوں کو پراگندہ اور معاملات کو ابتر اور قوم کو تتّر بتّر کر دیا ہے *

سبحان اللہ حضرت نبیؐ عربی و نبی ناصری علیہما الصلواة والسلام کے حالات میں کیسی عجیب و غریب مشابہت ہے کہ جسکو دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ جناب ابن مریمؑ نے اپنی نسبت فرمایا تھا کہ "یہہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ کیونکہ میں اسلیئے آیا ہوں کہ بیٹے کو باپ سے اور بیٹی کو ماں سے اور بہو کو ساس سے لڑوا دوں" پس یہی حال بعینہ اسماعیلؑ کے اکلوتے پوتے حضرت مُحَمَّدؐ بن عبد اللہ کا ہوا۔ البتہ اتنا فرق رہا کہ اُنہوں نے یہہ خود اپنی نسبت فرمایا تھا اور انکی نسبت اقوام عرب میں تفرقہ ڈالدینے کا اتہام ایک ایسے شخص نے لگایا جو نہایت سخت مشرک اور غایت مرتبہ کا آپکا دشمن تھا۔

جب آپ کے اصحاب دو دو تین تین کر کے یثرب کو چلے گئے اور صرف آپکے فدائی بھائی علیؓ مرتضیٰ اور ابُوبکرؓ صدیق اور

* دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۳۱۷) مولف عفی عنہ۔

اُنکے گھرانیکے لوگ آپکے پاس رہگئے تو مشرکوں کو اندیشہ ہوا کہ مبادا آپ بھی بچکر نکل جائیں۔ اسلئے اُنکے سب سردار مشورہ کرنیکے لئے جمع ہوئے۔ اور ایک شیطان بڈھا بھی جو اپنے تئیں نجد کا رہنے والا کہتا تھا اُن میں شامل آ ہوا اور سب سے پہلے یہہ تجویز ہوئی کہ طوق و زنجیر ڈالکر آپکو ایک مکان محفوظ میں قید کر دیا جاوے! اور ایک روزن میں سے آب و طعام دیدیا جایا کرے۔ جیسا کہ پہلے بعض فتنہ پرواز شاعروں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مگر اُس ملعون بڈھے نے کہا کہ یہہ عقل کی بات نہیں۔ کیونکہ اُسکے اصحاب جب یہہ خبر پاوینگے تو بیتر حملہ کرکے اُسکو چھڑا لیجاوینگے۔ اسپر جب ایک دوسرے شخص نے یہہ راے دی کہ پس بہتر ہے کہ ہم اُسکو ایک سرکش اونٹ پر بٹھا کر شہر سے نکال دیں! اور پھر ہماری بلا سے خواہ کہیں چلا جاوے۔ تو اُسی شیطان نے پھر کہا کہ کیا تم اُسکے لطفِ زبان و حلاوتِ بیان سے ناواقف ہو؟ وہ عرب کے کسی نہ کسی قبیلہ کو اپنی میٹھی باتوں سے پھسلا لیگا۔ اور پھر آکر تمکو کچل ڈالیگا۔ اور حکومت و سرداری چھین لیگا۔ پس بدبخت ابوجہل نے کہا کہ مناسب یہہ ہے کہ ہم ہر ایک قبیلہ میں سے ایک ایک جوان آدمی کو لیں اور اُنکو تلواریں دیں اور وہ اسلحہ پر اکھٹے محمدؐ پر گریں کہ گویا ایک ہی شخص نے اُسے قتل کیا ہے!!! تاکہ اُسکا خون تھوڑا تھوڑا سب قبیلوں کے ذمہ لگ جاوے۔ اور اُسکے قبیلہ کے لوگ تمام قوم کے ساتھ لڑنا ناممکن سمجھکر خوں بہا کے لینے پر راضی ہو جائیں۔ یہہ سنکر اُس بڈھے نے کہا کہ بس اس سے بہتر کوئی تجویز نہیں ہے۔ اور یہہ ٹھیر اکر سب لوگ اپنے اپنے گھر کو چلے گئے۔ چنانچہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو خدا نے آنحضرت کو

مخاطب کر کے فرمایا "اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ اِلیٰ آخر الآیۃ یعنی یاد کر اُس وقت کو جبکہ کافر اس فکر میں تھے کہ تجھکو قید کر لیں۔ یا قتل کر ڈالیں یا مکہ سے نکال دیں" اور اُسی دن کی رات کو جوں جوں اندھیرا ہوتا گیا قاتل آپکے بیت الشرف کے گرد جمع ہوتے گئے* اور خدا نے یا یوں سمجھو کہ اُس الہام طبعی سے جو ہر ایک ذی حیات کو ہمیشہ حفظ جان پر آمادہ رکھتا ہے اور جسکی ہدایت سے حضرت نبیؐ ناصری بقول ڈین ملمین صاحب اکثر دشمنوں کے شر سے بچتے پھرے* جناب رسول مکی کو بھی اس خوف سے آگاہ کر دیا اور آپ نے اپنے جان نثار بھائی علیؑ بن ابیطالب کو فرمایا کہ آج تم میری جگہہ میرے بستر پر لیٹ رہو۔ اور میری سبز چادر اوڑھ لو۔ تاکہ دشمنوں کو یہی گمان رہے کہ مَیں اپنے بستر پر پڑا ہوں۔ اور یقین جانو کہ خدا کے فضل سے تمہارا بال بھی بیکا نہو گا۔ اور قرآن مجید کی یہہ آیت پڑھتے ہوئے "وَجَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْہِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِہِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰہُمْ فَہُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ"

---

* اگرچہ ابن ہشام۔ ابن اثیر۔ ابو الفدا۔ گبن وغیرہ مستند مورخوں نے اس واقعہ کو اسیطرح بیان کیا ہے جسطرح ہمنے لکھا ہے۔ مگر سر ولیم میور کو چونکہ مشرکوں کا اس الزام سے بچانا منظور رہے۔ فرماتے ہیں کہ "انکا ارادہ آنحضرت کے قتل کا نہ تھا۔ بلکہ قوم کی طرف سے بطور سفارت آئے تھے" مؤلف عفی عنہ

* دیکھو تاریخ دینِ مسیحی جلد اول صفحہ (۲۵۲) مصنفہ ڈین ملمین صاحب

مؤلف عفی عنہ

یعنی بنائی ہمنے اُنکے آگے اور اُنکے پیچھے دیوار پھر اوپر سے اُن کو ڈھانک دیا۔ پس وہ کچھ نہیں دیکھتے۔ اُسیطرح دشمنوں میں سے نکل گئے* جسطرح جناب مسیحؑ قاتل یہودیوں کے نرغہ میں سے بے خبر نکل گئے تھے+ اور خدا نے کافروں کو ایسا اندھا کردیا کہ جیسے کسی نے آنکھوں میں مٹی ڈالدی ہو اور ابُوبکر صدیقؓ کو ساتھ لیکر ثَور نامی پہاڑی کے ایک غار میں جو مکّہ سے قریب ڈھائی میل کے جنوب کی طرف تھا جا چھپے۔

گبن لکھتا ہے کہ "اگرچہ قاتل دروازہ پر نگہبانی کررہے تھے مگر وہ دھوکے میں آگئے علیؑ کو محمدؐ سمجھے ہوئے تھے جو رسولؐ کے بستر پر اُسکی سبز چادر اوڑھے ہوئے سو رہا تھا" اور کھتا ہے کہ "صرف خاندانِ قریش ہی کے لوگوں نے اس نوجوان ھیرو کے اس اعلیٰ درجہ کے کام کو جس سے ثابت ہوگیا کہ اُسکے دل میں اپنے چچازاد بھائی کی کس درجہ قدر و منزلت ہے قابل قدر خیال نہیں کیا۔ بلکہ خود اُسکے چند اشعار جو ابتک مشہور ہیں اُس قوی یقین کی جو اُسکو اپنے

* مسٹر گاڈفرے ھیگنس اپنی کتاب کے تیئسویں فقرہ میں لکھتے ہیں کہ "یہ سب بموجب امکان اور تجربہ معاملات بنی آدم کے مقتضائے طبع انسانی ہے۔ ایسا ہی کچھ ایسے حالات میں سُقراط۔ فِیثاغورث۔ مُوسٰے۔ لُوتھر اور اور بہت سے لوگوں اور خود مسیحؑ کو بھی واقع ہوا۔ مؤلف عفی عنہ

+ دیکھو انجیلِ متّی باب بارہواں۔ آیت پندرھویں۔ اور انجیل مرقس باب تیسرا۔ آیت ساتویں۔ مؤلف عفی عنہ

مذہب پر تھا اور نیز اُس فکر و تردد کی جو اُسکو اپنے چچازاد بھائی کے باب میں تھا ایک دلچسپ تصویر ہیں" اور پھر تین دن غار میں چھپے رہنے اور ابُوبکر صدّیق کے بیٹے اور بیٹی کا مخفی طور سے کھانا اور خبر اخبار پہنچاتے رہنے کا ذکر لکھکر لکھتا ہے کہ "قریش لوگوں نے محمدؐ کی تلاش میں مکہ کی تمام نواح چھان ڈالی۔ اور اُس غار پر بھی پہنچے جس میں وہ اور اسکا ساتھی چھپے ہوئے تھے۔ مگر یہہ خیال کیا جاتا ہے کہ مکڑی کے جالے اور کبوتر کے گھونسلے نے جو خدا نے کافروں کے دہوکا دینے کے لیئے پیدا کر دیا تھا اُنکو یہہ یقین دلایا کہ اُس جگہہ کوئی نہیں ہے۔ اور نہ کوئی وہاں آیا ہے + ابُوبکر نے خوف سے کانپ کر کہا "ہم تو صرف دو ہی ہیں" مگر محمد نے کہا "نہیں۔ ہمارے ساتھ ایک تیسرا بھی ہے۔ اور وہ خود خداوند تعالیٰ ہے" انتہیٰ چنانچہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو خدا نے فرمایا ہے "فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ" یعنی پس بے شبہ مدد کی اُس کی خدا نے جبکہ نکال دیا اُسکو کافروں نے جو تھا دو میں کا ایک غار میں جبکہ کہتا تھا اپنے ساتھی کو غم نکر بیشک خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اور اُتاری خدا نے اپنی تسلّی اُسپر (یعنی اپنے پیغمبر پر)"

+ مسٹر گاڈفرے ہیگنس اپنی کتاب کے فقرہ (۹۶) میں لکھتے ہیں کہ "مجھکو گمان ہے کہ اگر کوئی شہر روما کا ولی اسطرح بچا تو دین عیسوی کے لوگ بعضی کرامتیں اس سے زیادہ قایم کرتے۔ مگر شاید مکڑی کے جالا تننے اور فاختہ کے انڈے دینے کا معجزہ حکما کو زیادہ پسند ہو" مؤلف عفی عنہ

فی الواقع یہ سکینۂ ربانی ہی کے نزول کا نتیجہ تھا کہ باوجود اسکے کہ آپکے رفیق کو بقول گبن "نہایت خوف و اضطراب ہوا" آپ مطلق نہ گھبرائے اور وہ قوّت ربّانی آپ کے دل کو تھامے رہی جسکا نام الٰہی زبان میں سکینۂ الٰہی ہے۔

اہل تاریخ کا اسپر اتفاق ہے کہ تین دن کے بعد جب جستجو اور شور و شر کم ہو گیا تو آپ بسواری شتر غیر معمولی رستہ سے عازم یثرب ہوئے۔ اور تمام رات اور اگلے دن کی دوپہر تک برابر چلے گئے۔ اور کوئی مخالف آپکو نہیں ملا۔ مگر چونکہ قریش کے سرداروں نے سو اونٹ کا انعام کثیر مقرر کیا تھا اور آپکی تلاش میں چاروں طرف سوار دوڑا دیئے تھے۔ پس سُراقہ بن مالک نامی ایک سوار خونخوار ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے آپہنچا جسکو آتے دیکھکر بقول ابن اثیر و ابو الفدا ابُوبکر صدّیق نے عرض کیا "یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُدْرِکْنَا الطَّلَبُ" یعنی یا رسول اللہ ہمارا متلاشی تو آن پہنچا۔ مگر آپ نے پھر وہی توکّل سے بھرا ہوا جواب دیا۔ جو پہلے دیا تھا۔ یعنی "ڈرو نہیں ہمارا بچانے والا بیشک ہمارے ساتھ ہے"

فی الحقیقت خداوند تعالی آپکے ساتھ تھا اور اُسیکے حفظ و حراست کا یہ نتیجہ تھا کہ آپکی طرف آتے ہوئے اُس سوار کا گھوڑا اور وہ خود دو بار مونہہ کے بل گرا۔ اور اسقدر ہیبت اُسپر طاری ہوئی کہ چلا کر عرض کیا کہ میرا قصور معاف فرمائیے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو لوگ آپکی تلاش میں نکلے ہیں سب کو پھر لیجاؤنگا چنانچہ اُسنے ایسا ہی کیا بھی۔ اور آپ معصُوم و محفوظ قطع مسافت فرماتے ہوئے

بقول ابن ہشام وغیرہ مورخین کے بارہویں[۱۲] ماہ ربیع الاوّل کو پیر کے دن دوپہر
کے قریب قُبا نامی گانوں میں جو یثرب کے جنوب میں دو میل کے
فاصلہ پر اب تک آباد ہے تشریف فرما ہوئے۔ اور بانتظار جناب علی مرتضیٰ
وہاں قیام فرمایا۔ اور جیسا کہ آپ نے اُنکو الہام الٰہی کے موافق فرمایا تھا کہ
"خدا کے فضل سے تمہارا بال بھی بیکا نہ ہوگا" ویسا ہی ظہور میں آیا۔ اور قریش
باوجود اس غیظ و غضب کے جو آنحضرت کے سلامت نکل جانے کی وجہ سے
اُنپر طاری تھا آپکو کچھ ضرر نہ پہنچا سکے اور آپ نہایت دلیرانہ طور پر تین رات
دن مکّہ میں ٹھیرے رہے۔ اور لوگوں کی امانتیں جو آنحضرت کے پاس
تھیں۔ اُنکے مالکوں کو واپس دیکر اُس سخت و گرم موسم میں جو بقول کاسن ڈی
پرسوال مورخ کے جُون کا مہینہ تھا۔ پانوں سوجے ہوئے اور چھالے
پڑے ہوئے پا پیادہ۔ جا حاضر ہوئے۔ اور جناب رسول خدا یہ سنکر
کہ آپ میں اتنی طاقت نہیں کہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو سکیں خود آپکی
ملاقات اور عیادت کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ اور سولھویں[۱۶] ربیع الاول
مطابق دوسری جولائی ۶۲۲ء کو بروز جمعہ صبح کیوقت بڑی شان و شکوہ سے
اُس زمین مقدس پر قدم رکھا جو اُسوقت سے ہمیشہ کے لئے مقدس ہو گئی۔
اور اہل مکّہ کے ٹھوکر کھانے اور اہل یثرب کے ایمان لانے سے جناب
ابن مریم کے اس قول کی تصدیق ہوئی کہ "نبی بے عزت نہیں مگر اپنے
وطن میں اور اپنے گھر میں"

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ناظرین کو جناب مرتضوی کے اُن

اشعار کے مطالعہ سے بھی محرم نرکھیں جنکی طرف گبن نے اشارہ کیا ہے اور وہ موافق روایت صاحب ناسخ التواریخ یہ ہیں ؎

وَمَنْ طَافَ بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ وَبِالْحِجْرِ		وَقَیْتُ بِنَفْسِیْ خَیْرَ مَنْ وَطِئَ الْحَصٰی

فرماتے ہیں۔ کہ مینے اپنی جان کی عوض اُس عالی منزلت شخص کو بچایا جو بانوں سے پتھریوں یا کنکریوں کے روندنے والوں اور خدا کے پرانے گھر اور اس جگہہ کے طواف کرنے والوں میں جسکا نام حجر ہے سب سے افضل ہے۔ ؎

فَنَجَّاهُ ذُوالطَّوْلِ الْاِلٰهُ مِنَ الْمَکْرِ		رَسُوْلُ اِلٰہٖ خَافَ اَنْ یَمْکُرُوْا بِهٖ

خدا کے رسول کو اندیشہ ہوا کہ دشمن اُنکو شر پہنچاینگے۔ پس خدا نے جو بڑی قدرت والا اور صاحب فضل و کرامت ہے اپنے پیغمبر کو اُنکے شر سے بچالیا۔ ؎

مُوَقًّی وَفِیْ حِفْظِ الْاِلٰهِ وَفِیْ سِتْرٖ		فَبَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِی الْغَارِ اٰمِنًا

پس رسول خدا نے غار میں امن سے رات کاٹی۔ دشمنوں سے بچے ہوئے اور خدا کی حفاظت اور اُسکے حجاب قدرت میں ؎

فَلَاوِئِصُ تَفْرِیْنَ الْحَصٰی اَیْنَ مَا تَفْرِ		اَقَامَ ثَلٰثًا ثُمَّ زُمَّتْ قَلَائِصُ

تین دن وہاں ٹھیرے پھر ناقوں کو مُہاریں دیگئیں جو ایسے تیز رفتار وسبکرو تھے کہ ہر طرف پتھریوں اور کنکریوں کو روندتے چلے جاتے تھے ؎

فَقَدْ وَطَّنْتُ نَفْسِیْ عَلَی الْقَتْلِ وَالْاَسْرِ		وَبِتُّ اُرَاعِیْهِمْ وَمَا یُثْبِتُوْنَنِیْ

اور مینے دشمنوں کے حملہ کے انتظار میں رات کاٹی اور وہ مجھے زخمی اور

+ سعی مابین الصفا والمروہ کی طرف اشارہ ہے جو ارکان حج میں سے ایک رکن ہے مولف

گرفتار نکر سکے۔ کیونکہ سب بے شبہ قتل و قید سے نہ ڈرنا میری جبلی عادت ہے ۵

وَاَضْمَرْتُہٗ حَتّٰی اُوَسَّدَ فِیْ قَبْرِ"	اَرَدْتُ بِہٖ نَصْرَ الْاِلٰہِ تَبَتُّلًا

یہہ مینے ہر چیز سے قطع نظر کرکے محض خدا کے دین کی امداد کی نیت سے کیا۔ اور آیندہ بھی یہی ٹھان لی ہے جبتک کہ قبر میں تکیہ لگا کر لیٹوں "

کسی شعر خصوصًا عربی زبان کے شعر کا ترجمہ بلفظہ اردو کے شعر میں کیا جانا ناممکن ہے۔ اسلئے ہمنے نثر میں ترجمہ لکھدیا ہے۔ مگر ان اشعار کے مدعا کو منظوم بھی کر دیا ہے۔ جو ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ اور چونکہ میں شاعر نہیں ہوں اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو ناظرین سے امید معافی ہے۔ اور وہ یہہ ہے۔

نظم

بچایا پادشاہِ انس و جاں کو	بنا کر ڈھال سینے اپنی جاں کو
شرف حاصل ہی جسکے آستاں کو	وہ خیر الحاج خود کعبہ بہ الحق
ہوا جب خوفِ شر اُس جانِ جاں کو	خدا نے فضل سے اپنے بچایا
نہ دشمن پاسکے اُسکے نشاں کو	گزارا رات کو حفظِ خدا میں
پکارا اُس نے اپنے سارباں کو	نکل کر غار سے پھر تین دن بعد
کچلتے کنکر اور ریگِ رواں کو	ہوئے ناقے سوے یثرب روانہ
فدا اُن سے کرکے اپنی جاں کو	میں سویا شب کو بستر پر نبی کے
بچالوں پر رسولِ انس و جاں کو	یہہ تھا دل میں کہ جاں جائے تو جائے
سمجھتا تھا نہ کچھ قیدِ گراں کو	نہ تھا غم مجکو اپنے قتل ہی کا
کہیں صدمہ نہ پہنچے اُنکی جاں کو	ولیکن فکر تھا مجکو تو یہہ تھا

بجز تائید حق اس جسد و کد سے	نہ تھا مقصود کچھ مجھ ناتواں کو
اور آگے کو بھی قصد اپنا یہی ہے	کہ کردوں صرف اسی میں اپنی جاں کو

جناب مرتضوی سے جو ایمان و ایقان اور صبر و سکینہ اور تسلیم و توکل اور جرأت و ہمت اور شجاعت و شہامت کا اظہار اس موقع پر ہوا وہ ایسا حیرت انگیز اور نرالے طور کا ہے کہ اُسکی نظیر اُمتِ اسلامیہ میں تو کیا امت مسیحیہ اور اُور اُمتوں میں بھی پائی نہیں جاتی۔ چنانچہ مقدس فطرس نے جو مسیح علیہ السلام کے حواریوں میں سب سے افضل گنے جاتے ہیں اُن کے گرفتار کیے جانے کی رات کو بڑے دعوے کے ساتھ جناب موصوف سے یہہ کہا تھا کہ "اگر سب تیرے سبب ٹھوکر کھائیں۔ میں کبھی ٹھوکر نہ کھاؤنگا اور یہہ کہ "اگر تیرے ساتھ مجھے مرنا بھی پڑے تو بھی تیرا انکار نکرونگا" اور ایسا ہی اور مریدوں نے بھی کہا تھا۔ جیسا کہ انجیل متی کے چھبیسویں[۲۶] باب میں ہے۔ مگر کمبخت جان ایسی پیاری اور عزیز شے ہے کہ خوف کی آہٹ پاتے ہی سبکے سب جناب ممدوح کو دشمنوں میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور خود مقدس فطرس جسکو کہا جاتا ہے کہ "مردوں کو جلاتا اور پانی پر چلتا تھا" وغیرہ وغیرہ۔ جب امتحان کا موقع آیا تو عیاذاً باللہ جناب موصوف پر لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا" جیسا کہ انجیل مذکور کے اسی باب کی چوہترہویں[۷۴] آیت میں ہے۔ اور وہ بات بالکل ٹھیک نکلی جو اُس مظلوم رسول نے اُسی رات کو ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمائی تھی کہ "دعا مانگو تاکہ امتحان میں نہ پڑو"

فی الواقع امتحان ایسی ہی مشکل چیز ہے کہ بجز اُن نفوس قدسیہ کے کہ
جنکے دل کو سکینۂ آلہی (جسکا دوسرا نام روح القدس ہے) تھامے رکھے
بڑے سے بڑے لوگوں کے قدم کو بھی ڈگمگا دیتا ہے۔ مگر ہمارے عیسائی
دوست شاید یہہ کہیں کہ اسوقت تک فطرس روح القدس کے
فیضان سے مستفیض نہوا تھا۔ لیکن مقدس پولوس کو کیا کہینگے جسکو
بقول اُنکے حضرت مسیح نے خود ظہور فرما کر فیضان روح القدس پہنچایا تھا۔
اور جو باوجود اسکے جان کے خوف سے ٹوکری میں بیٹھکر شہر دمشق کی فصیل
پر سے کود گیا۔ جیسا کہ رسالۂ اعمال کے نویں باب کی تیئسویں - چوبیسویں
اور پچیسویں آیتوں اور خود مقدس موصوف کے کارنتھیوں کے دوسرے
خط کے گیارہویں باب کی بتیسویں اور تینتیسویں آیت میں ہے۔ اور یہہ
بیچارے تو درکنار حضرت محمد بن عبد اللہ کے اس حواری سے جو
کام بن آیا وہ تو بڑے سے بڑے نبیوں کا سا کام تھا یعنی ایسے
نبی کا جو اپنی خوشی سے ہاتھ پانوں بندھوا کر خدا کی راہ میں گلا کٹوا دینے
پر راضی ہوگیا تھا۔ لیکن سچ پوچھو تو اُسکا بھی یہہ فعل اس فخر آبا و اجداد
پوتے کے فعل کا ہمپایہ نہ تھا۔ کیونکہ وہ اگرچہ پیغمبر تھا مگر اُسوقت
ایک ناتجربہ کار لڑکا تھا۔ اور ذبح ہو جانے کی ماہیت سے بھی واقف نہ تھا۔
اور ذبح کرنے والا خود اُسکا باپ تھا۔ جس سے طبعاً رحم کی توقع ہو سکتی تھی
بخلاف ابوطالب کے بیٹے کے کہ اسوقت تیئس برس کا نوجوان تھا۔
اور ہر ایک امر کے نیک و بد کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ اور دشمنوں سے کسی

رعایت یا رحم کی بھی اُسکو توقع نہ تھی - اور جنگ وجہاد کی بھی اجازت نہ تھی
جو لڑ بھڑ کر شاید بچ نکلتا - پس ایسی حالت میں اُسکا اپنے پیغمبر کے ارشاد اور
اپنے خدا پر بھروسہ کرنا - اور بغیر کسی قسم کے تردد کے دشمنوں کے نرغہ
میں باطمینان تمام نبی کی چادر اوڑھکر سو رہنا - اور پھر تین دن اور رات علانیہ
دشمنوں میں آمد و رفت رکھنا - اور پھر نہایت سخت و شدید گرمی کے موسم
میں کئی سو میل تک یکہ و تنہا دشمنوں کے ملک میں پا پیادہ سفر کرنا ایک قطعی
دلیل اس بات کی ہے کہ کلام الٰہی کے وعظ نے مومنین کے دلوں کو (جنکی
امارت و سرداری کا خطاب واجب طور سے اس خدا کے ولی کو حاصل
ہوا) رُوح القدس کے فیضان سے معمور کر دیا تھا - اور اُس
روحانیت کی وجہ سے جو قرآن مجید کی معجزانہ تاثیروں نے اُن کے دلوں میں
پھونک دی تھی - حیات اُخروی کے مقابلہ میں اُس دنیا کی زندگی اُنکی
نظروں میں نہایت حقیر و ناچیز دکھائی دیتی تھی - اور بیشک یہہ انعام الٰہی
اخیر دم تک اُن کے ساتھ رہا - اور یقیناً آخرت میں بھی اُس نورانی صورت
میں اُنکے آگے آگے اور داہنے ہاتھ ہوگا - جسکی قرآن مجید میں خبر دیگئی ہے
کہ " یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ یَسْعٰی نُوْرُھُمْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ
وَبِاَیْمَانِھِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ
فِیْھَا ذٰلِكَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ " **یعنی** اے ہمارے رسول اُس
دن کو دھیان میں لا جبکہ تو دیکھیگا ایمان والوں اور ایمان والیوں کو کہ جلد
جلد چلتا ہوگا اُنکا نور (ایمان) اُنکے آگے اور اُن کی داہنی طرف

(اور فرشتے اُنکو کہیں گے) مژدہ ہو تمکو آجکے دن تمہارے لئے باغ ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں جنمیں ہمیشہ رہو گے (دیکھو) یہی تو ہے سب سے بڑی مراد کا ملنا"

اب ہم پھر اصل مدعا کیطرف رجوع کرتے ہیں۔ لکھا ہے کہ جناب خاتم الانبیا علیہ التحیتہ والثنا نے جب مدینہ منورہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ تو شہر کے جس جس قبیلہ میں سے آپکا گذر ہوا اُسکے لوگوں نے بجز عبدُ اللہ بن اُبیؔ کے جو سلطنت مدینہ کا اُمیدوار تھا۔ کمال آرزو سے یہہ چاہا کہ آپ اُنہیں کے ہاں تشریف فرما ہوں۔ مگر آپ مُہار ڈھیلی چھوڑے ہوئے سب کو یہی فرمایا کئے کہ جہاں خدا کو میرا ٹھیرانا منظور ہے وہاں پہنچکر میرا ناقہ خود بیٹھ جائیگا۔ چنانچہ وہ اُس پاک زمین پر پہنچکر بیٹھ گیا جہاں مسجد مقدس نبوی بنی ہوئی ہے۔ اور آپنے اُترکر خالد بن زید معروف بہ ابو ایوبؓ کے گھر کو اپنی اقامت باکرامت سے رشک خانۂ خورشید فرمایا۔ اور چند روز بعد مسجد اور بیت الشرف کی تعمیر کے لئے ارشاد کیا۔ ناظرین طبعاً یہہ خیال کرینگے کہ جو مسجد اور مکانات

† یہہ وہی بزرگوار ہیں کہ جب ۴۸ھ ہجری میں معاویہ بن ابی سفیان کے عہد میں قسطنطنیہ پر فوج کشی ہوئی تو محاصرہ کے ایام میں بیماری سے ان کا انتقال ہو گیا۔ اور شہر کی فصیل کے قریب دفن کئے گئے۔ اور سلطان محمدؒ ملقب بہ فاتح نے جب ۸۵۵ھ ہجری میں شہر مذکور کو فتح کیا تو بڑی تلاش کے بعد انکی قبر کا پتہ ملا۔ جو تعویذ کے کندہ سے پہچانی گئی جسپر سلطان نے مقبرہ بنوادیا۔ اور ایک بڑی عالیشان مسجد تعمیر کرادی جو اب تک جامع ایوبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ماخوذ از تاریخ منتظم ناصری مطبوعہ طہران۔ مولف عفی عنہ

آپ کے لئے تعمیر ہوئے تھے وہ بہت ہی عالیشان اور عمدہ ہونگے - مگر یہہ مسجد کیا تھی ؟ صرف ایک چبوترہ بناکر اُسپر قدآدم کچی اینٹوں کی ایک دیوار بنالی گئی تھی - جسکے سایہ میں نماز پڑھ لیتے تھے - اور پھر کچھہ دنوں بعد مسلمانوں کے التماس سے دہوپ سے بچنے کے لئے ستونوں کی جگہہ کھجور کی لکڑیاں گاڑکر اُسی کے پتوں اور گھاس پھوس سے ایک چھپر سا بنالیا تھا - جس سے دھوپ کا تو آرام تھا مگر بارش کا چنداں بچاؤ نہ تھا اور اسکا ایک حصہ اُن نادار اور مفلس مسلمانوں کے لئے مخصوص کردیا گیا تھا جو مکان بنالینے کا مقدور نہ رکھتے تھے - اور آنحضرت کے جنت کو تشریف لیجانے کے وقت تک ایسی ہی تھی - اور اسمیں بغیر فرش زمین پر کبھی اسی طرح اور کبھی ستون کے سہارے سے کھڑے ہوکر آپ طالبانِ حق کو پند و نصیحت اور دین خدا کی تعلیم فرمایا کرتے تھے - اور فی الحقیقت اُس سادہ اور بے ریا عبادت کے لئے جسکی آپ نے اپنی اُمت کو تلقین فرمائی ایسی ہی بے تصنع عبادت گاہ موزوں اور مناسب تھی - اسی پر بیت الشرف کے حجروں کو قیاس کرلینا چاہئیے - کہ وہ کیسے عالیشان اور زخارفِ دنیوی سے آراستہ و پیراستہ ہونگے - پس اُس بادشاہ دین و دنیا کا جسکے رہنے اور جلوس فرمانیکے یہہ مکانات تھے یہہ فرمانا کہ "اَلفَقرُ فَخرِی" بالکل سچ اور واقع کے مطابق تھا - اور بے شبہ وہی فقر قابل فخر سمجھا جاسکتا ہے کہ جو باوجود استطاعت اور مقدور کے انسان کی تمام طرز معیشت اور زندگی کے ہر ایک طریقہ سے ظاہر ہو - اور وہ اپنے بنی نوع کے درماندہ و مسکین

لوگوں کی حاجات کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حاجات پر مقدم جانے۔
اور جو کچھہ مال و زر جائز طور سے اسکو حاصل ہو نہایت کھلے دل سے اپنے خالق و
مالک کی راہ میں دے ڈالے۔ چنانچہ جناب مقدس نبوی کا عملدرآمد بالکلیہ
اسی کے مطابق تھا۔ اور نہایت صحیح طور پر یہہ بات ہم تک پہنچی ہے کہ اگر دن بھر
کے جود و ایثار کے بعد کوئی تھوڑی سی چیز بھی آپکے پاس رہجاتی تھی تو اسکا رہجانا
آپکی طبع جواد و فیاض پر ایک بوجھہ ہوتا تھا۔ اور آپ اپنے حضرت بلال
بن رباح کو فرمایا کرتے تھے کہ "أَنْفِقْ يَا بِلَالُ" یعنی اے بلال اسکو
کسی مستحق حاجتمند کو دیدے تاکہ اسکی حفاظت کی فکر سے میں آرام پاؤں*
یہی تعلیم آپکی اپنی اُمت کے لوگوں کو تھی چنانچہ اُس عجیب و غریب خطبہ سے
جو بقول ابن ہشام آپ نے اوّل دفعہ اہل مدینہ کو مخاطب کرکے فرمایا
اور اور آیات و احادیث سے جنکو انشاء اللہ ہم آیندہ لکھینگے اسکا بخوبی ثبوت
ہوتا ہے۔ اور وہ خطبہ یہہ ہے۔

أَيُّهَا النَّاسُ! فَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ تَعْلَمُنَّ۔ وَاللّٰهِ لَيُصْعَقَنَّ أَحَدُكُمْ ثُمَّ
لَيَدَعَنَّ غَنَمَهُ لَيْسَ لَهَا رَاعٍ۔ ثُمَّ لَيَقُولَنَّ لَهُ رَبُّهُ لَيْسَ لَهُ تَرْجُمَانٌ
وَلَا حَاجِبٌ يَحْجُبُهُ دُونَهُ۔ أَلَمْ يَأْتِكَ رَسُولِي فَبَلَّغَكَ وَآتَيْتُكَ مَالًا
وَأَفْضَلْتُ عَلَيْكَ فَمَا قَدَّمْتَ لِنَفْسِكَ؟ فَلْيَنْظُرَنَّ يَمِينًا وَشِمَالًا
فَلَا يَرَى شَيْئًا۔ ثُمَّ لَيَنْظُرَنَّ قُدَّامَهُ فَلَا يَرَى غَيْرَ جَهَنَّمَ فَمَنِ
اسْتَطَاعَ أَنْ يَقِيَ وَجْهَهُ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقَّةٍ مِّنْ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ

* دیکھو کتاب جامع بخاری مؤلف عفی عنہ

وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ فَاِنَّ بِهَا تُجْزٰى الْحَسَنَةُ عَشْرَ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ"

یعنی۔ اے لوگو۔ قبل اسکے کہ تم اس جہان کو چھوڑو اپنے لئے اعمال نیک کا ذخیرہ آگے بھیجو۔ یقین جان لو قسم ہے خدا کی کہ بالضرور تم میں سے ہر ایک شخص ہولناک بلا میں پڑنے والا اور بیشک دُنیا کو اسطرح پر چھوڑنے والا ہے جیسے کوئی اپنی بکریوں کو محافظ کے بغیر چھوڑ دے! اور بیشک خدا ہر ایک سے ایسے طور پر کہ نہ اُسکے لئے کوئی ترجمان ہوگا اور نہ روک ٹوک کرنے والا دربان۔ یعنی گویا موں نہ در موں نہ پوچھیگا کہ کیا ہمارا کوئی پیغمبر تیرے پاس نہیں آیا تھا؟ اور اُسنے ہمارے احکام تجکو نہیں پہنچائے تھے؟ اور کیا تجکو ہم نے بہت سا مال نہیں بخشا تھا؟ (تاکہ ہماری راہ میں دے) اور اپنا فضل واحسان تجھپر نہیں کیا تھا؟ (تاکہ اپنے بنی نوع کے ساتھ مہربانی اور نکوئی سے پیش آئے) پس بتا کہ تو نے کیا چیز اپنے لئے آگے بھیجی تھی۔ پس یقیناً (اُس وقت) انسان دائیں بائیں دیکھیگا اور کوئی چیز دکھائی نہ دیگی جسکو بتا سکے۔ پھر سامنے کیطرف نظر کریگا اور اُدھر بھی جہنم کے سوا کچھ نظر نہ آئیگا۔ پس جہاں تک ہو سکے اپنے تئیں اُس آگ سے بچائے خواہ کھجور کے دانہ کا ایک ٹکڑہ ہی خدا کی راہ میں دیکر کیوں نہ بچائے۔ اور جسکو اتنا بھی مقدور نہو تو کسی کے حق میں کوئی کلمہ خیر ہی کہے۔ کیونکہ بیشک آخرت میں ایک نیکی کا بدلہ دس گنا بلکہ سات سو گنے تک دیا جائیگا۔ خدا کی سلامتی اور رحمت اور برکت تمپر ہو۔"

سبحان اللہ کیسے موثر و عبرت خیز اور خیرات و برکات سے بھرے ہوئے الفاظ میں انسان کے انجام کار اور بخل کے نتائج قبیحہ اور ایثار و احسان کے فضائل اور خوبیوں کو بیان فرمایا ہے کہ خودبخود یقین ہوتا ہے کہ بغیر وحی والہام کی مدد کے کوئی شخص ایسا کلام نہیں کر سکتا۔ غور کرو کہ کہاں جہنم کی وہ جہاں سوز آگ اور کہاں خدا کی راہ میں کھجور کے دانہ کے ایک ٹکڑے کا دینا یا کسی کے حق میں ایک کلمہ خیر کہنا۔ اور اُسکے سبب سے انسان کا اُس ہولناک بلا سے بچ جانا اور نہ صرف بچ جانا بلکہ دس گنا بلکہ سات سو گنا نیک اجر پانا۔ پس اس سے زیادہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے اور اپنے بنی نوع کے ساتھ نکوئی اور خیر و احسان سے پیش آنیکے لئے کونسی نصیحت ہوگی جو کسی نصیحت کرنے والے نے اپنے ابنائے جنس کو فرمائی۔

ایمان و ایقان کی دولت کے علاوہ خدا کی سب سے پہلی رحمت و برکت جو آپ کی اِس دعا سے اہل مدینہ کے شامل حال ہوئی وہ اُس پرانے جنگ و جدال اور عناد و فساد کا موقوف ہونا تھا جو وہاں کے دو بڑے قبیلوں اَوس و خزرج میں دیر سے چلا آتا تھا جسکو وہ اسلام کے برادرانہ لطف و محبت کے جوش میں بالکلیہ بھول گئے۔ اور اسلام کے جھنڈے کے گرد جمع ہو کر سلطنت جمہوریہ اسلامیہ کے مرکز بن گئے۔ اور اَنصَار یعنی مددگاران دین خدا کے معزز لقب سے ملقب و مشہور ہوئے

مسجد مقدس نبوی کے تعمیر ہونے تک آذان و اقامت فرض نہوئی تھی۔ اور نہ نماز کے لئے کوئی معین جگہہ مقرر تھی۔ مگر اب مسجد ہی میں نماز

ہونے لگی - اور چونکہ اوقات معینہ پر بغیر کسی خاص اشارہ کے لوگوں کا جمع ہوجانا متعذر رہتا ہے - اسلئے نماز کیوقت یہودی تُرہی اور عیسائی ناقوس اور گھنٹہ بجاتے تھے - مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بیہودہ شور و غل کو نماز جیسے مقدّس کام کے لئے مناسب خیال نفرمایا اور کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا مدنظر ہوا جو اطلاع کی اطلاع اور عبادت کی عبادت ہو - پس آپکے نفس قدسی پر خدا کی طرف سے اذان کے الفاظ کا القا ہوا - اور بلال بن رباح کو حکم ہوا کہ پانچوں وقت کسی اونچی جگہہ کھڑا ہوکر وہ کلمات طیّبات بآواز بلند کہدیا کرے - نماز کی اطلاع کا یہ طریقہ ایسا مناسب و معقول ہے کہ جیمبر جو ایک نامور عیسائی فاضل ہے - اپنی انسائیکلوپیڈیا کی جلد ششم میں جہاں مذہب اسلام کا ذکر کیا ہے لکھتا ہے کہ ”مؤذّن کی آواز جو سادہ مگر نہایت متین و دلکش ہوتی ہے اگرچہ شہروں کی دن کی دُندبگار میں بھی مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوش آیند معلوم ہوتی ہے لیکن رات کے سنّاٹے میں اُسکا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے - یہانتک کہ بہت سے اہل یورپ بھی پیغمبر کو اس امر پر مبارکباد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اُسنے انسان کی آواز کو موسائیوں کی تُرہی اور عیسائیوں کے گرجا کے گھنٹے پر ترجیح دی“

فی الواقع جبکہ ہوا میں اُڑنے والے پرندے تمام روز کی محنت و مشقّت سے تھک کر اپنے اپنے گھونسلوں میں بسیرا لے رہے ہوں

اور زمین پر چلنے والے چوپائے دن بھر کی دوڑ دھوپ سے عاجز آکر اپنی اپنی جگہہ آرام کر رہے ہوں - اور دنیا پر ایک سکوت و سکون کی حالت چھائی ہوئی ہو - انسان کا آرام و راحت سے دست بردار ہو کر اپنے خالق و پروردگار کے ادائے شکر و عبادت کے لئے آمادہ ہونا - اور اپنے بنی نوع کو خواب غفلت سے باواز بلند یہہ کہکر بیدار کرنا کہ "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ - اَللّٰہُ اَکْبَرُ - اَللّٰہُ اَکْبَرُ (الی آخرہ) خدا تعالی کی عبادت و پرستش کا ایک ایسا موثر و دلکش طریقہ ہے کہ بجز اُس قدسی شخص کے کہ جسکی ذات والاصفات پر خدا کی عبادت کو نہایت اکمل و احسن طریقہ پر قائم کرنے کا خاتمہ ہو گیا - کوئی انسان قائم نہیں کر سکتا تھا -

الغرض آنحضرت ہمیشہ اہل مدینہ کو کلام الٰہی کا وعظ فرماتے - اور طالبان حق شرک و بت پرستی چھوڑ کر نہایت رغبت اور صدق دل سے مشرف باسلام ہوتے جاتے تھے - چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں اُس قبیلہ کے تمام لوگ جنمیں آپ تشریف فرما تھے کیا مرد کیا عورت سب دین خدا میں داخل ہو گئے ✣ اور اُس معجزانہ اور دل کے ہلا دینے والے کلام کے اثر سے وہی حقانیت و روحانیت انکی طبیعتوں میں بھی سرایت کر گئی جو مہاجرین کے دلوں میں سما گئی تھی - چنانچہ سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب لائف آف محمدؐ کی جلد دویم کے صفحہ دوسو اکہتر ۲۷۱ میں ارقام فرماتے ہیں کہ "یہودی حقانی باتیں عرصہ سے اہل مدینہ

✣ دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ (۳۴۱) مؤلف عفی عنہ

کے گوش گزار ہوچکی تھیں۔ مگر وہ بھی اُسوقت تک خواب خرگوش سے نہ چونکے جبتک کہ روح کو کپکپا دینے والا کلام نبی عربی کا نہیں سُنا۔ تب البتہ دفعتہً ایک نئی اور سرگرم زندگانی میں دم بھرنے لگے" مگر افسوس ہے کہ یہہ عالیقدر مورخ باوجودیکہ تاثیرات و برکاتِ کلام الٰہی کا ایسا صاف صاف معترف ہے۔ اور اُس روحانیت وحقانیت کو جو قرآنِ مجید کے وعظ سے ظہور میں آئی علانیہ قبول کرتا ہے۔ مگر پھر بھی غلبۂ نفسانیت و پاس مذہب کیوجہ سے اسلام کی روزافزوں ترقی کو دنیاوی ذریعوں سے منسوب کرتا اور نہایت ہٹ دھرمی سے یہہ لکھتا ہے کہ "عیسائیت و اسلام کی ظاہر ترقی میں فرق وتفاوت کی بڑی وجہہ یہی تھی کہ مذہب عیسوی کی تعلیم کا مقصد اور اوسکی اشاعت کا طریقہ روحانی تھا۔ اور دنیاوی ذریعوں کو بالکل دخل نہیں دیا گیا تھا۔ مگر محمدؐ کا اُصول بالکلیہ اسکے برخلاف تھا"

لیکن الحمدللہ کہ جو باتیں وہ بیان کرنی نہیں چاہتا خدا نے خود اُسی کی زبان سے کہلادی ہیں۔ جو بلاشبہ قرآن مجید کا ایک معجزہ سمجھنا چاہیے چنانچہ کہتا ہے کہ "جس زمانہ تک مقابلہ ممکن ہے اسمیں تکلیفات کے برداشت کرنے اور دنیاوی لالچونکے قبول نکرنے میں دونوں (یعنی حضرت مسیح اور آنحضرتؐ) برابر ہیں۔ لیکن محمدؐ کے تیرہ۱۳ برس کے موعظہ نے بمقابلہ کل زمانہ زندگی مسیحؑ کے ایک ایسا انقلاب پیدا کیا جو ظاہر میں لوگوں کی نظر میں بہت بڑا معلوم ہوتا ہے۔ مسیحؑ کے تمام پیرو خوف کی آہٹ معلوم ہوتے ہی بھاگ گئے اور ہمارے خداوند

کی تعلیم سے اُن پانسو آدمیوں کے دل پر جنہوں نے اُسکو دیکھا تھا خواہ کیسا ہی گہرا اثر پیدا کیا ہو مگر ظاہر میں اُسکا کچھ نتیجہ دکھائی نہیں دیا۔ اُن میں سے کسی نے بھی اپنی خوشی سے اپنا گھر نہیں چھوڑا۔ اور نہ سیکڑوں نو مسلمانوں کی طرح بالاتفاق مہاجرت اختیار کی۔ اور نہ ویسا پرجوش ارادہ ہی کسی سے ظاہر ہوا۔ جیسا کہ ایک غیر شہر (یثرب) کے نو مسلموں نے اپنے خون کے عوض اپنے پیغمبر کے بچانے میں ظاہر کیا" پھر چند سطریں آگے چلکر لکھتا ہے کہ "فی الحال یہہ مقابلہ ہم محمدؐ و عیسیٰؑ ہی کے زمانۂ زندگی تک کرتے ہیں اور اس سے لئے ضرور ہے کہ اُن دونوں قوموں کی مختلف حالت پر نظر ڈالی جائے جن میں محمدؐ و عیسیٰؑ کو وعظ کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ مسیحؑ تو یہودیوں میں مبعوث ہوئے تھے اور اُن کا مدعا شرایع موسوی کو برباد کرنا نہ تھا۔ بلکہ اُنکی تکمیل مقصود تھی اور اسوجہ سے مسیحؑ کو یہودیوں کی ظاہری حالت میں کچھ نمایاں تغیر کرنا ضروری نہ تھا مگر محمدؐ ایک ایسی بت پرست قوم میں آئے جو برائیوں اور ضلالت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور اسکی تمام حالت کو منقلب کردینا لابد تھا۔ اور ضرور تھا کہ اُس قوم میں سے جو لوگ مسلمان ہوں وہ تعلقات سے ولیرانہ اور علانیہ علحدگی اختیار کریں۔ تاکہ ظاہر ہو جائے کہ وہ اپنے مذہب پر کیسے ثابت قدم ہیں"

+ سینٹ لوقا نے (جنکی نسبت علماے عیسائی لکھتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنی انجیل سینٹ پولوس اور پطرس کے بتانے سے لکھی تھی) رسالہ اعمال کے باب

حقیقت یہہ ہے کہ جب یہہ مؤرخ قرآن مجید کی تاثیرات و برکات پر پردہ نہ ڈال سکا۔ اور بلا کسی دنیوی ذریعہ کے اسلام کی حیرت انگیز ترقی سے بھی انکار نکر سکا۔ اور جناب ابن مریم کی زندگی میں معدودے چند کا ایمان لانا مسلمانوں کے اُس بڑے گروہ کے بمقابلہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وعظ سے اِن تیرہ[۱۳] برس کے اندر پیدا ہو گیا اُسکو بہت ہی حقیر معلوم ہوا۔ اور دیندار مسلمانوں کی وفاداری و جان نثاری اور اُن کا ایمان و ایقان بمقابلہ پیروان حضرت مسیحؑ اسکو بہت ہی بڑا دکھائی دیا تو ناچاری اس عذر لنگ کے تراشنے پر مجبور ہوا۔ کہ "عیسائیت نے مسیح کی ذاتی تعلیم کے ختم ہو جانے تک اپنے دعوے کا اظہار بطور ایک مکمل مذہب کے

تتمہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ

اول آیت پندرہ[۱۵] میں تعداد مومنین تخمیناً ایک سو بیس[۱۲۰] لکھی ہے پھر معلوم نہیں سر ولیم میور نے یہ پورے پانسو کی تعداد کہاں سے لکھدی۔ شاید انکی مراد وہ لوگ ہونگے جنکو سینٹ پولوس نے اپنے کارنتھیون کے نام کے پہلے خط کے پندرھویں باب کی چھٹی آیت میں "دو بھائیوں" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ یعنی حضرت مسیحؑ انکو یکبارہ دکھائی دیا۔ اور یہہ کہ اکثر انمیں یعنی پانسو میں سے ابتک موجود ہیں۔ مگر چاروں انجیلوں کے لکھنے والوں نے اپنی اپنی انجیل کے اخیر باب میں حضرت مسیحؑ کو جی اُٹھا ہوا دیکھنے والے صرف دو تین عورتوں اور گیارہ[۱۱] حواریوں کو بیان کیا ہے۔ مگر پولوس نے اپنے اسی خط میں لکھا ہے کہ بارہ[۱۲] دکھائی دیئے۔ حالانکہ اُسوقت حواری صرف گیارہ[۱۱] ہی تھے اور بارہواں آنحضرتؑ کے آسمان پر اُٹھا لئے جانیکے بعد قرعہ ڈالکر شامل کیا گیا تھا۔ پطرس۔ یُوحنّا۔ یعقوب۔ اور یہودا نے جو مقرب حواری تھے

شروع نہیں کیا۔ مسیح کی زندگی اُسکا آغاز تھا اور اُسکی موت اُسکا کی ستون
یعنی تکمیل بر خلاف اسلام کے کہ اُسی روز سے ایک مکمل و جابر (ایگریسو)
مذہب ہو گیا جبکہ محمدؐ نے علانیہ وعظ کرنا شروع کیا۔ پس اسلام اور
عیسائیت کی ابتدای تاثیروں کے ٹھیک طور پر مقابلہ دکھانے کے لئے
ضرور ہے کہ پینٹی کوسٹ میں روح القدس کے پھیلنے کیوقت سے
مذہب علیسوی کا مقابلہ محمدؐ کی تعلیمات کی ابتدا سے کیا جاوے۔ کیونکہ
اس صورت میں عیسائیت اپنی ابتدائی ترقی کی سُرعت اور اپنے سابق الایمان
معتقدوں کی جاں نثاری کے لحاظ سے اسلام سے کچھ گھٹی ہوئی نہیں ہے"
مگر جن لوگوں کی آنکھوں پر تعصب کا پردہ پڑا ہوا نہیں ہے

نقیضہ ہندہ ضمیمہ

اسنے خطوط میں ان پانسو کا کچھہ ذکر نہیں کیا۔ اور سینٹ لوقا نے کتاب اعمال
کے دسویں باب کی چالیسویں و اکتالیسویں آیت میں پطرس کا قول اور
تیرہویں باب کی اکتیسویں[۳۱] آیت میں پولوس کا قول یہہ لکھا ہے کہ "حواریوں
کے سوا جو صرف گیارہ" تھے اور کسی نے مسیحؑ کو پھر زندہ ہوا نہیں دیکھا۔ اور
ان اختلافات کا نتیجہ یہہ ہے کہ آنحضرت کے مصلوب ہونے اور پھر جی اوٹھنے وغیرہ کا
حال بالکل ہی قابل اعتبار نہیں رہتا۔ کیونکہ جب جی اُٹھا ہوا دیکھنے والے پانسو گواہ
جھوٹے قرار پا گئے تو مصلوبی جسکے وقوع سے بیشتر ہی سب شاگرد بھاگ گئے تھے
کیونکر صحیح قرار پا سکتی ہے۔

مؤلف عفی عنہ

* پینٹی کوسٹ یہودیوں کی ایک عید کا نام ہے۔ دیکھو دوسرا باب رسالہ اعمال حواریین۔ مؤلف عفی عنہ

اور انصاف وحق پسندی کے نور سے اُنکا دل و دماغ روشن ہے - وہ اُن حالات کو پڑھکر جو ابتداے بعثتِ محمدیہ سے ہجرتِ مقدسہ تک وقوع میں آئے اور جنکو ہم مشروحاً لکھ آئے ہیں معلوم کرسکتے ہیں کہ دین الٰہی کے پھیلانے میں آنحضرت نے کوئی بھی دنیاوی ذریعہ استعمال نہیں کیا - اور وہ بیشک و شبہ صرف اُس کلام پاک کے وعظ کا نتیجہ تھا + جسکی نسبت یہی مورخ اپنی کتابت کے ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ "چونکہ محمدؐ کو اپنی رسالت کا نہایت قوی اور مضبوط اعتقاد تھا اسلئے اُسکی طرف سے اس دین (اسلام) کے موعظہ میں بڑی قوت و شدت ظاہر ہوئی تھی - اور چونکہ فصاحت میں

+ ہمارے اس قول کی تصدیق کے لئے رسیل صاحب کی شہادت کافی ہے چنانچہ وہ اپنے ترجمۂ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "ابتک محمدؐ نے اپنے مذہب کو مناسب طور پر پھیلایا - اسلئے ہجرت سے پہلے کی اُسکی کل کامیابی صرف ترغیب و تحریص سے منسوب ہونی چاہیئے نہ جبر سے - کیونکہ اُس دوسری بیعت سے پہلے جو وفاداری کے باب میں عقبہ کے جلوس میں ہوئی اُسکو جبر کرنے کی مطلق اجازت نہ تھی - چنانچہ قرآن کے بعض مقامات میں جو اُسکے قول کے بموجب مکہ کی قیام کے زمانہ میں نازل ہوے تھے کہتا ہے کہ "تیرا کام صرف وعظ و نصیحت کرنا ہے اور تو مجاز نہیں کہ کسی سے جبراً اپنا مذہب اختیار کرائے" اور یہہ کہ "دو لوگ خواہ ایمان لائیں یا نہ لائیں تجکو اُس سے کچھ سروکار نہیں وہ صرف خدا کے متعلق ہے" اور وہ اپنے پیروؤں کو جبر کی اجازت دینے سے اسقدر دور تھا کہ اُسنے اُن کو نصیحت کی کہ اُن نقصانوں کو جو دین کی وجہ سے پہنچے صبر سے برداشت کرو - اور جب خود تکلیف پائی تو اپنے مولد کو چھوڑنا اور مدینہ کو چلا جانا پسند کیا نہ مقابلہ کرنا" مولف عفی عنہ

بھی اُسکو کمال تھا لہذا اُسکا کلام عربی زبان میں نہایت حسن الفصاحت اور
بغایت مؤثر تھا۔ اُسکے ملکۂ زبان آوری نے روحانی حقیقتوں کو عالمِ تصویر
بنا دیا۔ اور اُسکے نہایت روشن اور زندہ خیالات نے قیامت و روزِ جزا
اور نعماے بہشت و عذابِ جہنم کو سامعین کے نہایت قریب تر بلکہ پیش نظر
کر دکھایا۔ معمولی گفتگو میں تو اُسکا کلام آہستہ مفصل اور قوی تھا۔
مگر ہنگامِ وعظ آنکھیں سُرخ اور آواز بھاری اور بلند ہو جاتی تھی اور تمام
جسم ایک ایسی حالتِ جوش و خروش میں ہو جاتا تھا گویا کہ وہ لوگوں
کو کسی غنیم کے آنے کی خبر دیتا ہے جو دو سرے روز یا اُس رات ہی کو
اُن پر آن پڑے گا"٭ اور جس کلام کی نسبت گبن یہ کہتا ہے کہ "قرآن
خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ہے۔ مکہ کے پیغمبر نے
بتوں کی۔ انسانوں کی۔ ثوابت اور سیاروں کی پرستش کو اس معقول
دلیل سے رد کیا کہ جو شے طلوع ہوتی ہے غروب ہو جاتی ہے۔ اور
جو حادث ہے وہ فانی ہوتی ہے۔ اور جو قابل زوال ہے وہ معدوم
ہو جاتی ہے۔ اُس نے اپنی معقول سرگرمی سے کائنات کے بانی
کو ایک ایسا وجود تسلیم کیا جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ نہ کسی شکل میں
محدود۔ نہ کسی مکان میں اور نہ کوئی اُس کا ثانی موجود ہے۔ جس
سے اُس کو تشبیہ دے سکیں۔ وہ ہمارے نہایت خفیہ ارادوں پر
بھی آگاہ رہتا ہے۔ بغیر کسی اسباب کے موجود ہے۔ اخلاق اور

٭ دیکھو کتاب لائف آف محمدؐ جلد چہارم باب ۲۷ صفحہ ۲۱۴۔ مؤلف عفی عنہ

عقل کا کمال جو اُسکو حاصل ہے وہ اُسکو اپنی ہی ذات سے حاصل ہے
اِن بڑے بڑے حقائق کو پیغمبر نے مشہور کیا اور اُسکے پیرووں نے اُن کو
نہایت مستحکم طور سے قبول کیا۔ اور قرآن کے مفسّروں نے معقولات
کے ذریعے سے اُنکی تشریح و تصریح کی۔ ایک حکیم جو خدا تعالیٰ کے وجود اور
اُسکی صفات پر اعتقاد رکھتا ہو مسلمانوں کے مذکورہ بالا عقیدہ کی نسبت یہہ
کہہ سکتا ہے کہ وہ ایسا عقیدہ ہے جو ہمارے موجودہ ادراک اور قواے
عقلی سے بہت بڑھکر ہے۔ اسلئے کہ جب ہمنے اُس لامعلوم (یعنی خدا)
کو زمان اور مکان اور حرکت اور مادّہ اور حس اور تفکّر کے اوصاف سے
مبّرا کر دیا تو پھر ہمارے خیال کرنے اور سمجھنے کے لئے کیا چیز
باقی رہی۔ وہ اصل اوّل (یعنی توحید ذات و صفاتِ باری تعالیٰ) جسکی بنا
عقل اور وحی پر ہے محمّدؐ کی شہادت سے استحکام کو پہنچی۔ چنانچہ اُس کے
معتقد ہندوستان سے لیکر مراکو تک موحّد کے لقب سے ممتاز
ہیں۔ اور تصویروں کے ممنوع کر دینے سے بُت پرستی کا خطرہ مٹا دیا گیا ہے*

مراکش

فی الواقع۔ قرآن مجید نے جس کامل و اکمل طور پر جناب احدیّت
کی صفاتِ جلال و کمال کو بیان فرمایا ہے۔ اور جس اعلیٰ و افضل مرتبہ
کی تقدیس و تنزیہ کی ہے وہ ہمارے موجودہ ادراک و قواے عقلی
سے بہت بڑھکر ہے۔ اور بیشک اُس کا انکشاف عقلِ انسانی پر بغیر وحی
الٰہی کے ناممکن تھا۔ اور ہمکو خوب معلوم ہے کہ کبھی بڑے سے بڑے

* دیکھو تاریخ زوال سلطنت روم جلد پنجم باب پچاسواں صفحہ ۴۶۹ و ۴۷۰ مؤلف

حکیم کی حکمت یا نبی کی نبوت اسکا ادراک وانکشاف ایسے صحیح وکامل طور پر نہیں کرسکی اور بے شبہ یہ حضرت خاتم الانبیا علیہ وآلہ التحیتہ والثنا ہی کا حصہ تھا۔ اور اُنہیں کی ذات مبارک پر ختم ہوگیا۔ اب اگر کوئی کسے تو اتنا ہی کہہ سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔ اور یہی معنی آنحضرت کے خاتم الانبیاء افضل الرسل ہونیکے ہیں۔ اور نعماے روحانی جو خداتعالیٰ نے وقتاً فوقتاً موافق عقل وتمیز اور حالت وحیثیت بنی آدم کے انبیا علیہم السلام کے ذریعہ سے اُنکو عطا فرمائیں۔ اسلام اُن میں آخرتریں وافضل ترین نعمت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے انسان کو عطا ہوئی۔ اور خدا کا انبیا علیہم السلام کے بھیجنے سے جو مُدعا تھا وہ پُورا ہوگیا۔ چنانچہ خود اُس نعمت کے مالک نے پکار کر کہدیا " اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" یعنی آج کے دن کامل کردیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین۔ اور پوری کردی تُمپر اپنی نعمت۔ اور پسند کیا تمہارے لئے اسلام کو دین" پس خدا کا شکر ہے کہ اُسنے اپنے نہایت فضل وکرم سے یہ بے مثل نعمت ہمکو نصیب کی اور اُس ہادی کامل کے کفش برداروں میں شمار ہونیکا افتخار بخشا کہ جسنے نہ صرف اپنے سے پہلے آنے والے کے کام کو پورا کیا۔ بلکہ ایسا استحکام دیا کہ دِیْنُ الْفِطْرَۃِ ہوگیا۔ اور اُسکے پیرووں کو مشرق سے لیکر مغرب اور شمال سے لیکر جنوب تک مُوحّد کا مبارک وممتاز لقب حاصل ہوا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

اب ہر شخص بالطبع اس بات پر خیال کرنے سے متعجب ہوگا کہ جو شخص ایسا فصیح و بلیغ ہو کہ "اپنے ملکہ زبان آوری سے روحانی حقیقتوں کو عالم تصویر بنا دے" یعنی معقولات کو محسوسات کر دکھائے۔ اور ذات و صفات باری تعالیٰ کے متعلق دنیا کو وہ اعلیٰ درجہ کے حقایق و معارف سکھائے "جو انسان کے موجودہ ادراک و قوائے عقلی سے بہت بڑھکر ہوں" اور اُسکے کلام میں وہ حیرت انگیز تاثیرات و برکات ہوں کہ بقول مؤلفین انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا "ایک قابل حیرت قلیل مدت میں" عرب جیسی وحشی اور بُرائی اور ضلالت میں ڈوبی ہوئی قوم کی حالت کو بالکلیہ منقلب کر دے" اور جسکے دین کو بقول سیل صاحب "دنیا میں وہ قبولیت حاصل ہوئی جسکی مثل و نظیر نہیں ہے۔ اور اُسکو نہ صرف اُن قوموں نے قبول کیا جنپر مسلمانوں نے کبھی فوج کشی نہ کی تھی بلکہ اُن لوگوں نے بھی قبول کیا جنھوں نے اہل عرب کو اُن کی فتوحات سے محروم اور اُنکی سلطنت بلکہ اُنکے خلیفوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور جس میں کوئی بات اُس سے بڑھکر تھی جو ایک مذہب میں عموماً خیال کی جاتی ہے۔ اور جس سے ایسی عجیب ترقی ہوئی"+ وہ اُمّی اور علوم ظاہری سے محض نا آشنا ہو! اور یہہ تعجب اُسوقت اور بھی بڑھجاتا ہے جبکہ اس بات پر خیال کیا جائے کہ وہ ایک ایسی قوم میں مبعوث ہوا تھا جو ایک عرصہ بعید و زمان ممتد سے ایک ایسی بےعلمی و جہالت اور ظلمت و ضلالت میں

+ دیکھو سیل صاحب کا دیباچہ ترجمہ قرآن۔ مؤلف عفی عنہ

ڈوبی ہوئی تھی جسکی نظیر دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی - اور اُس نے
اپنی عمر کے چالیس برس ایسے لوگوں کے ساتھ بسر کئے تھے جو شراب خواری
قمار بازی و بت پرستی و زنا کاری اور چوری اور قزّاقی اور قتل
و خون ریزی اور نہایت درجہ کی بیرحمی و اولاد کُشی اور طرح طرح کے
اوہام اور بیہودہ خیالات کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے اور خدا اور عاقبت
تو اُنکے نزدیک کوئی چیز ہی نہ تھی جسکا کچھ خوف اور ڈر ہوتا - اور باوجود
اس درجہ کی ناداری و افلاس کے کہ جسکی برابری بقول راڈویل
صاحب "صرف اُن کی جہالت ہی کر سکتی تھی" ایسے سرکش اور مغرور
تھے کہ ہر ایک قبیلہ کا سردار بجاے خود گویا ایک فرعون تھا جو اپنے سوا کسی
کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا تھا اور کسی ناصح کی بات کو ماننا یا اُس کے آگے
سر جھکانا تو ایک ایسا امر تھا جو قریب بہ محال سمجھنا چاہیئے - کیونکہ فطرت
کے قاعدہ کے موافق بغیر اسکے کہ وہ شخص مُلہم و موئید من اللّٰہ
ہو ممکن نہ تھا کہ "روحانی تربیت کے حقایق و دقایق ایسے الفاظ میں
بیان کر سکے جو عالم اور حکیم اور فلسفی اور نیچرلسٹ اور دہریہ سے لیکر عام
جاہلوں بدوؤں صحرانشینوں تک کی ہدایت کے لئے یکساں مفید
ہوں" اور ایسا کلام کر سکے جس میں بقول راڈویل صاحب "ایک
نہایت اعلیٰ درجہ کی عمیق سچائی ہے جو ایسے الفاظ میں بیان کی گئی
ہے جو باوجود اختصار کے قوی اور کثیر الدلالت اور ملہمانہ حکمت سے بھرے
ہوئے ہیں"* مگر قرآن (جس سے زیادہ کوئی صحیح تاریخ آنحضرت

* دیکھو راڈویل صاحب کا دیباچہ ترجمہ قرآن مولف عفی عنہ

اور قوم عرب اور اُن کے حالات و خیالات کی نہیں ہو سکتی) تو یہی بتاتا ہے کہ وہ نہ کبھی اُستاد پاس بیٹھا اور نہ اُسنے کبھی قلم ہاتھ میں پکڑا - چنانچہ سورۂ عنکبوت میں ہے "وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ" یعنی - نہیں پڑھ سکتا تھا تو (اے محمدؐ) نزول قرآن سے پہلے کچھ لکھا ہوا اور نہ لکھ سکتا تھا تو اپنے دائیں ہاتھ سے (اگر پڑھ لکھ سکتا) تو البتہ اُس وقت اِن باطل پرستوں (یعنی منکرین کو قرآن کے مِن اللہ ہونے میں شبہ کرنے کا موقع ہوتا" اور عُلمائے مسیحی کے اعتراف سے بھی اُس کا اُمّی ہونا ہی ثابت ہوتا ہے - چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے محقق مولفین لکھتے ہیں کہ "اگرچہ محمدؐ کی طبیعت میں ہر شے کی تہ کو پہنچ جانیکا ایک قدرتی وصف تھا - مگر تعلیم اُسکی بہت ناقص تھی - اور اسمیں بھی شبہ ہے کہ وہ پڑھ لکھ بھی سکتا تھا یا نہیں[۵۱] بلکہ زبان عربی کے قواعد نظم و قوافی سے وہ اسقدر ناواقف تھا کہ ایک شعر بھی بغیر کچھ نہ کچھ غلطی کرنیکے نہیں کہہ سکتا تھا - چنانچہ اِسی کے اشارہ کے طور پر قرآن کے ایک مشہور و معروف سورہ میں اُسنے یوں کہا ہے "ہم نے محمدؐ کو فن شاعری نہیں سکھایا - اور نہ اُسکے لئے شاعر ہونا ضرور ہے"[۵۲]

---

۵۱ گبن - کارلائل - ڈیون پورٹ - اور باسور سمتھ صاحب نے بہت صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ آنحضرت لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے - مولف عفی عنہ

۵۲ یعنی وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ - قرآن مجید - سورۂ یاسین - مولف عفی عنہ

اور ریورینڈ راڈویل صاحب اپنے ترجمۂ قرآن کے دیباچہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ "ہمارے پاس اس امر کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ ہماری کتب مقدسہ کبھی محمدؐ کو دستیاب ہو گئی ہوں گو یہ صرف ممکن ہے کہ عہد عتیق یا جدید کے ٹکڑے خدیجہ یا ورقہ+ یا مکہ کے اور عیسائیوں کے ذریعہ سے جنکے پاس ہماری مقدس کتاب کے قلمی نسخے موجود ہوں گے اُس کے پاس پہنچ گئے ہوں + + + اور یہ امر بھی ذہن میں رکھنے کے لائق ہے

+ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت خدیجہ کا کیا مذہب تھا مگر ورقہ بن نوفل جو اُنکا چچازاد بھائی تھا بیشک عیسائی تھا۔ لیکن اِن سب بے اصل احتمالات اور ظنون و شکوک سے اس صحیح اور ثابت امر کو کہ آنحضرت پڑھے لکھے نہ تھے کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اگر درحقیقت آپکو لکھنا پڑھنا آتا تو آپکے صحابہ اور رفقا اس امر میں کسی طرح سکوت اختیار نہ کرتے اور آپکی ازواج مطہرات، اور عزیز و اقربا، اور بالخصوص آپکے چچا جنھوں نے آپکو پالا تھا بے خبر نہیں رہ سکتے تھے۔ اور نہ اُس نہایت درجہ کی اعلیٰ عقل کا جسکا اعتراف منکرین کو بھی ہے یہ مقتضا ہو سکتا تھا کہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کے سامنے خلاف واقع اپنے تئیں امّی فرماتے اور قرآن مجید میں بھی اسی لقب سے اپنے کو ظاہر کرتے۔ کیونکہ ایسی صورت میں مخالفین کو گرفت کا آسان موقع ہاتھ آجاتا۔ اور عقائد اسلام کی صداقت پر اُنکو ہرگز یقین نہ آتا۔ اور اس سے قطع نظر ایک ایسی خفیف بات کو چھپانے سے آپکو فائدہ ہی کیا تھا۔ کیونکہ پڑھا لکھا ہونا منصب نبوت کے کسی طرح مخالف نہیں ہو سکتا۔ مثلاً حضرت موسیٰ ہی کو دیکھو کہ پڑھے لکھے بلکہ فلسفہ مصریہ میں اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ تھے جیسا کہ لوقا نے رسالہ اعمال باب ۷ درس ۲۲ میں بتصریح لکھا ہے۔ اور اُنکا پڑھا لکھا ہونا تو کتاب خروج باب ۲۴ درس ۴ اور یشوع باب ۸ درس ۳۲ سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰؑ بھی لکھنا پڑھنا

کہ ہمکو کوئی صاف سراغ اس امر کا نہیں ملتا کہ کوئی عربی ترجمہ عہد عتیق یا جدید کا محمدؐ کے زمانہ سے پہلے موجود تھا" اور ریورینڈ جان فنڈر صاحب نے بھی میزان الحق کے باب سویم میں صاف تصریح کی ہے کہ آنحضرت توریت وانجیل نہیں پڑھے تھے" یعنی زبان عبرانی و یونانی وغیرہ سے جنمیں توریت وانجیل منقول تہین ناواقف تھے۔ پس ثابت ہوا کہ کوئی اور ہی قوت قدسیہ تھی جس نے حضرت نبی اُمّی علیہ الصلواۃ والسلام کو ایسے کلام کے کرنے پر قادر کر دیا تھا کہ جس نے نہ صرف ژند و اَستا وغیرہ کتب اَدیان باطلہ کی مشرکانہ و خلاف حق تعلیمات پر خط نسخ کھینچدیا بلکہ توریت وانجیل کے مولفون کی غلطیون کو بھی علانیہ ثابت کر دیا۔ فللّٰہ درّ من قال ؎

نگار ما کہ بمکتب نرفت وخط ننوشت	بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

حقیقت یہہ ہے کہ خدا نے انسان کو ایک ایسا وجود بنایا ہے جو اگرچہ بلحاظ اپنے بعض قوا کے عام حیوانات کا مشارک ہے مثلاً سونا۔ جاگنا۔ اُٹھنا۔ بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا۔ دیکھنا۔ سننا۔ وغیرہ مگر ایک قوت خاص کی وجہ سے جو صرف اسی کو بخشی گئی ہے اور جس کا نام عقل ہے اُن سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: جانتے تھے اور آپ نے قصبہ ناصرہ کے مدرسہ میں بائبل کی تعلیم پائی تھی جیسا کہ ڈین ملمین صاحب نے اپنی تاریخ کلیسا کی جلد اول باب سویم میں بالتصریح بیان کیا ہے۔ اور نہ آنحضرت کے پڑھے لکھے ہونے سے قرآن مجید کی شان اور اوسکے معجز اور بےمثل فصیح و بلیغ ہونے مین کچھ فرق آسکتا تھا کیونکہ حروف کے لکھ پڑھ لینے سے کوئی شخص فصیح و بلیغ نہین ہو سکتا اور پھر ایسا فصیح و بلیغ جسکا مثل عرب کے بڑے سے بڑے فصحا و بلغا میں کوئی بھی نہ تھا۔ مؤلف

ممتاز اور بالکل علیحدہ ہے۔ اور سوائے ہاتھ۔ پانو۔ آنکھ۔ ناک وغیرہ کی مشارکت کے اور کسی چیز میں اُن سے مشابہ و مماثل نہیں ہے۔ جن قوا میں انسان حیوانات کے ساتھ سہیم و شریک ہے وہ فطرتًا ایسے ڈھنگ پر بنائی گئے ہیں جو بغیر تعلیم و تربیت کے رشد حاصل کرتے ہیں اور جوں جوں انسان عمر میں ترقی کرتا جاتا ہے ووں ووں وہ بھی زیادہ باقاعدہ اور قوی ہوتے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ ایک حد مناسب پر پہنچ جاتے ہیں۔ مگر عقل کا رشد اور کمال تعلیم و تربیت پر موقوف ہے۔ اور بغیر سیکھنے بتانے اور پڑھنے پڑھانیکے حاصل نہیں ہوتا۔ مثلًا کسی فن کا اُستاد یا علم کا علامہ اگر اُس علم و فن میں تعلیم و تربیت نہ پاے تو ممکن نہیں کہ اُس فن کا اُستاد یا اُس علم کا علامہ بنجاے اور ترقی کرتی کرتے ایسے درجہ کمال کو پہنچ جاے جو اُسکے ہمعصروں کو حاصل نہو۔ مگر یہہ حالت اکثر یہ ہے اور تعلیم و تربیت اسی میں منحصر نہیں ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے حاصل کرے۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حاصل کئے بغیر بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور انسان خود ہی کسی فن کا اُستاد یا علم کا علامہ بنجاتا ہے۔ چنانچہ تجربہ ہوا ہے کہ ایک شخص کی عقل فطرتًا ایسی روشن اور قوی ہوتی ہے کہ کسی سے تعلیم و تربیت پانے کی محتاج نہیں ہوتی۔ اور وہ خود ہی مظاہر قدرت اور اُنکے باہمی تعلقات پر غور کر کے ایسے نتیجے نکال لیتا ہے جو اُس سے پہلے کسی کو بھی معلوم نہیں ہوتے۔ اور اُنکا موجد و مخترع سمجھا جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ اگرچہ قوائے عقلی کی تکمیل اور رشد کے لئے تعلیم و تربیت کا ہونا لازمی ہے۔ مگر تعلیم و تربیت کے لئے کسی اُستاد یا معلم کا ہونا لازمی نہیں ہے

اور فطرت الٰہیہ خود ہی ایسی اُستاد اور معلم ہے کہ کبھی کبھی کسی انسان کو کسی علم یا فن کے متعلق کوئی ایسی بات بتادیتی ہے جو اُس سے پہلے کسی کو معلوم نہیں ہوتی اور پھر اُس سے سنکر یا سیکھکر رفتہ رفتہ اکثر یا تمام انسان اُس سے واقف ہو جاتے ہیں۔ تمام علوم و فنون جو دنیا میں رائج ہیں۔ اگر اِن کا کھوج لگایا جاے تو یہی معلوم ہوگا کہ فلان علم یا فن کی فلان بات پہلے پہل فلان شخص کو معلوم ہوئی تھی یا اُس نے نکالی تھی۔ اور پھر اُس سے سنکر یا سیکھکر فلان شخص نے دنیا میں اُسکو پھیلایا تھا اور پھر فلان شخص نے اُسکی اصلاح کی تھی یا اسمیں کچھ گھٹا بڑھا کر اُسکو ترقی دی تھی۔ پس جبکہ قدرت نے اِس پتلے کو جسکا نام انسان ہے فطرتاً ایسا بنایا ہے کہ امور معاش میں اپنے ابناے جنس سے استعانت کے بغیر اُسکو چارہ نہیں اور اِسی واسطے مدنی الطبع کہلاتا ہے یعنی بالطبع اپنے ہمجنسوں کے ساتھ اکھٹے ہو کر رہنے اور ایکدوسرے سے مدد حاصل کرنے پر مجبور ہے اور قدرت نے اُس کی حاجات وضروریات کے موافق معاش کے متعلق علوم و فنون کا القا وقتاً فوقتاً اُسی کے ابناے جنس کے بعض لوگوں پر جو اپنی فطرت کی روسے اُس کی قابلیت رکھتے تھے کیا ہے۔ جس سے انسان کی زندگی اور اُسکے امور معاش میں اُس کو کامل درجہ کی سہولت اور آسانی حاصل ہوگئی ہے۔ اور یہ فیضان آلٰہی ابتداے پیدایش انسان سے ابتک برابر جاری ہے۔ اور یقین ہے کہ آیندہ بھی جاری رہیگا تو اُس عنایت ازلیہ کا جسنے اِس ناچیز وجود کو طبعاً اپنے مبدا و معاد کے جاننے اور

اپنے خالق ومالک کی مرضی ومنشا کے معلوم کرنے پر بھی مکلف کیا ہے اور
وجہ تکلیف یعنی وہ قوت جسکو عقل انسانی یا عقل کلی کہتے ہیں ہر ایک کی استعداد
وقابلیت کے موافق اُسکو عطا کی ہے۔ اور کوئی بشر اُس سے خالی نہیں ہے
یہہ مقتضا نہیں ہوسکتا کہ جس طرح اُسنے اپنے کمال فضل ورحمت سے انسان
کی فانی اور چند روزہ زندگانی کی آسایش وآرام کے لئے ایسا کچھ انتظام
کردیا ہے۔ جو اُسکی نوع کے قوام وقیام کے لئے ضروری بلکہ اُس سے
بھی زیادہ ہے۔ اُسیطرح اُسکی حیات باقی وابدی کے آرام وراحت کا فکر
اُسنے نہ کیا ہو اور اوسکا تدارک نفرمایا ہو۔ پس ضرور ہوا کہ وقتاً فوقتاً انسانون
کی حالت وحیثیت کے موافق اُنہیں میں سے بعض اشخاص پر جو اپنی فطرت
وجبلت کی رو سے اُسکے قابل ہون اُن اُمور کا القا فرمائے۔ جو انسان کی آیندہ
زندگی کی حاجات وضروریات کی کفالت کرسکیں۔ کیونکہ تمام انسان جس طرح
فرداً فرداً معاش کے متعلق علوم وفنون کے معلوم کرنے کی فطرتاً
قابلیت نہیں رکھتے اور اس نقص قابلیت کی وجہ سے ایکدوسرے کی
استعانت کے محتاج ہیں اُسی طرح اِس امر کی استعداد بھی اُن کو حاصل
نہیں ہے کہ اُن میں کا ہر ایک شخص اُس لامعلوم اور سب سے برتر وجود کو
جس کا نام اَللہ ہے اور اُسکی صفات اور اُسکے اوامر ونواہی اور اوس کے
طریقہ عبادت کو دریافت کرسکے۔ کیونکہ وہ نہ اُس وجود مقدس کو دیکھ سکتے
ہیں اور نہ چھو سکتے ہیں اور نہ اُس سے بات چیت کرسکتے ہیں اور نہ وہی
بسبب اُنکی ناقابلیت فطری کے اُنسے اپنی مرضی ومنشا کا اظہار فرما سکتا ہے

پس جن لوگوں پر اُس فیاض مطلق کی جانب سے اُن امور کا القا ہوتا ہے
جو تہذیب نفس انسانی اور اُسکے درجۂ کمال و سعادتِ اُخروی کے حاصل
کرنے کے لئے ضروری ہیں وہ اگرچہ شکل و صورت میں عام انسانوں
ہی کے موافق ہوتے ہیں مگر جس طرح انسان بسبب ایک خاص قوت
کے جسکا بیان ہم اوپر کر آئے ہیں باوجود مشارکت بعض قوا و اعضا کے عام
حیوانات سے علیحدہ اور بالکل جُدا ہیں اُسی طرح یہہ بھی ایک امرِ خاص
یعنی ملکۂ نبوت یا قابلیت تلقّی وحی کی وجہ سے عام انسانوں سے بالکل
متمیز و مستثنٰے ہیں اور اُنہیں کو اصطلاح میں پیغمبر یا نبی کہتے ہیں اور
انکا ہونا ویسا ہی ضروری اور لابدی ہے جیسا کہ اُمور معاش کے متعلق
علوم و فنون کے معلوم اور ایجاد کرنے والوں کا ہونا ضروری ہے۔
اور جس طرح وہ مظاہرِ قدرت کے باہمی تعلقات پر غور و فکر کر کے امور حسّی و
جزوی یعنی معاش کے متعلق علوم و فنون کو معلوم کر لیتے ہیں اُسی
طرح یہہ بھی صحیفۂ قدرت کی آیات بیّنات کو بغور پڑھکر امور عقلی و کلی یعنی
معاد اور تہذیب نفس اور اُسکے کمال و سعادتِ اُخروی کا علم حاصل
کر لیتے ہیں۔ اور اپنے سے ناقص اور کم درجہ کے لوگوں کو اُسکی تعلیم
کرتے ہیں۔ اور سب سے مقدم کام انکا لوگوں کو اُس سب سے برتر اور
سب سے قوی اور یہہ قدرت وجود کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے جس کا نام
خُدا ہے۔ اور اسکے بعد اُن امور کا تعلیم کرنا جو منشاے الٰہی کے
موافق یا مخالف یعنی اپنی فطرت کی رو سے اچھے یا برے یا یوں سمجھو کہ

طبعاً تہذیب نفس انسانی کے موافق یا مخالف ہیں اور جنکا نام زبان شرع میں اوامر و نواہی ہے گو کہ اُن میں سے بعض کا اُن کی فطرت کی رو سے اچھا یا بُرا ہونا بعض یا اکثر انسانوں کے نقص عقل کی وجہ سے اُن کی سمجھ سے باہر ہو۔ تاکہ ہر ایک انسان اپنی حیثیت و قابلیت کے موافق اُس تعلیم سے مستفید ہو کر اُس درجۂ کمال کو پہنچ جائے جس کا نام سعادت اُخروی یا حیات ابدی یا جنت خلد ہے۔ یہی مطلب اُس حدیث شریف سے مستفاد ہوتا ہے جو رئیس المحدثین شیخ محمد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "جامع کافی" کے باب اضطرار الی الحجۃ میں ہشام بن الحکم کی سند پر جناب امام بحق ناطق جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام سے نقل کی ہے اور وہ یہ ہے۔

اَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ لِلزِّنْدِیْقِ الَّذِیْ سَأَلَہٗ مِنْ اَیْنَ اَثْبَتَّ الْاَنْبِیَاءَ وَالرُّسُلَ۔ قَالَ اِنَّا لَمَّا اَثْبَتْنَا اَنَّ لَنَا خَالِقًا صَانِعًا مُتَعَالِیًا عَنَّا وَعَنْ جَمِیْعِ مَا خَلَقَ وَکَانَ ذَالِکَ الصَّانِعُ حَکِیْمًا مُتَعَالِیًا لَمْ یَجُزْ اَنْ یُشَاھِدَہٗ خَلْقُہٗ وَلَا یُلَامِسُوْہُ فَیُبَاشِرُھُمْ وَیُبَاشِرُوْنَہٗ وَیُحَاجُّھُمْ وَیُحَاجُّوْنَہٗ ثَبَتَ اَنَّ لَہٗ سُفَرَاءَ فِیْ خَلْقِہٖ یُعَبِّرُوْنَ عَنْہُ اِلٰی خَلْقِہٖ وَعِبَادِہٖ وَیَدُلُّوْنَھُمْ عَلٰی مَصَالِحِھِمْ وَمَنَافِعِھِمْ وَمَا بِہٖ بَقَاءُھُمْ وَفِیْ تَرْکِہٖ فَنَاءُھُمْ۔ فَثَبَتَ الْاٰمِرُوْنَ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْحَکِیْمِ الْعَلِیْمِ فِیْ خَلْقِہٖ وَالْمُعَبِّرُوْنَ عَنْہُ جَلَّ وَعَزَّ وَھُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَصَفْوَتُہٗ مِنْ خَلْقِہٖ حُکَمَاءُ مُؤَدَّبِیْنَ بِالْحِکْمَۃِ مَبْعُوْثِیْنَ بِھَا غَیْرُ مُشَارِکِیْنَ لِلنَّاسِ عَلٰی مُشَارَکَتِھِمْ لَھُمْ فِی الْخَلْقِ وَالتَّرْکِیْبِ فِیْ شَیْءٍ

مِّنْ اَحْوَالِهِمْ مُؤَيَّدَۃٍ مِّنْ عِنْدَ الْحَكِيْمِ الْعَلِيْمِ بِالْحِكْمَۃِ - ثُمَّ تَثَبَّتَ ذَالِكَ
فِیْ كُلِّ دَھْرٍ وَّ زَمَانٍ فِیْمَا اَتَتْ بِهِ الرُّسُلُ وَالْاَنْبِيَاءُ مِنَ الدَّلَائِلِ وَالْبَرَاهِيْنِ
لِكَيْلَا يَخْلُوَ اَرْضُ اللّٰهِ مِنْ حُجَّۃٍ يَكُوْنُ مَعَہٗ عِلْمٌ يَدُلُّ عَلٰى صِدْقِ مَقَالَتِهٖ
وَجَوَازِ عَدَالَتِهٖ"

یہ مُدعا جو ہمنے بیان کیا جیسا کہ عقلاً ثابت ہے ویسا ہی انسان
کی تاریخ سے بھی اسکا ثبوت ہوتا ہے مثلاً اُس نوجوان شخص کے حال
پر غور کرو جس کا نام ابراہیم ؑ تھا اور جو ایک ستارہ پرست قوم اور
بت تراش گھرانے میں پیدا ہوا تھا - اور بچپن سے انہیں خیالات و
اعتقادات کو سنتا رہا تھا جو اُسکی قوم میں شایع و ذایع تھے کہ جب اُسنے
پہلے پہل مظاہر قدرت میں سے ایک چھوٹی چمکیلی عجیب و غریب چیز یعنی
ایک ستارہ کو تفکر و تدبر کی نظر سے دیکھا اور اپنی قوم کے خیالات و اعتقادات
پر غور کیا جو ستاروں کو موثر بالذات اور نافع یا ضرر رساں جانتے اور
اُن کی پوجا اور پرستش کرتے تھے اور انکار کے طور پر اپنے دل سے
پوچھا "ھٰذَا رَبِّیْ" کیا یہ میرا مالک پروردگار ہے ؟ اور جب
وہ چھپ گیا اور چاند چمکتا اور ڈھلتا ہوا نظر آیا تو پھر وہی بات کہی - اور پھر
سورج کو چمکتا دیکھکر بولا - پھر کیا یہ میرا مالک پروردگار ہے - یہ تو اُن
سے بھی بڑا ہے ؟ اور پھر اپنے ہی دل سے جواب پاکر بول اُٹھا
"اِنِّیْ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ" میں تو غروب ہو جانے والوں کو دوست
نہیں رکھتا - اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہدیا کہ جن چیزوں کو

تم خدا کا شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں - اور اپنے دلی یقین سے صرف اُسی کو اپنا مالک و پروردگار جانتا ہوں جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے" اگر اُسکو یہ سچی اور حق باتیں فطرت نے نہیں سکھائی تھیں تو کس نے سکھائی تھیں؟ یہ ساہی حال اُس پاک طینت اور قدسی صفت یتیم بچے کا ہوا جو ایک ریگستانی اور جنگلی ملک میں پیدا ہوا تھا - اور بنی سعد کی بکریاں چرایا کرتا تھا - اور جس نے ابتدا سے پیدائش سے چالیس برس تک ایسے لوگوں میں زندگی بسر کی تھی جو لات و عزیٰ وغیرہ بتوں کی پرستش کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے مگر خود کبھی نہیں بھٹکا تھا - کہ جب اُسنے اُس قوت قدسیہ کی تحریک سے جو خدا نے اُسکی فطرت میں ودیعت کی تھی اپنے اور اپنے گرد و پیش کی چیزوں اور اپنی قوم کی راہ و رسم اور پرستش و عبادت پر غور و فکر کیا اور امر حق کا متلاشی ہوا - تو یکایک حق و صدق کی وہ ربانی روشنی اُس کے دل پر چمکی جس کی حقیقت اور غایت و غرض کو خود اُس روشنی کے اُتارنے والے نے یوں بیان کیا " إِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ - نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ " (قرآن مجید سورہ شعرا) اور جس نے نہ صرف اُسی کو بلکہ ایک جہان کو منور کر دیا - اور جس کی نسبت مسٹر ... جو ایک محقق عیسائی مورخ ہے منکرین سے سوال کرتا ہے کہ " یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک مذہبی شعلہ جو اگرچہ ایک بیابان میں سے اُٹھا تھا مگر جس نے اسقدر قابل حیرت قلیل مدت

میں تمام ایشیا میں آگ بھڑکا دی وہ ایسے دل میں سے نکلا ہو جس میں اُسکی کچھ بھی گرمی موجود نہو؟ "پس جو لوگ اپنی عقول ناقصہ و نفوس مظلمہ پر قیاس کر کے ایک ایسے فصیح و بلیغ اور پر از حقایق و معارف کلام کے صدور کو جیسا کہ قرآن مجید ہے ایک ایسے شخص سے جو محض اُمّی ہو مستبعد سمجھتے ہیں۔ اور طرح طرح کے شبہات و خدشات اُن کو ہوتے ہیں یا تو وہ عقل انسانی اور نفس نبوی کے خواص و ملکات۔ اور فطرتِ الٰہیہ کے فیضان و تصرفات سے بیخبر اور غافل ہیں۔ یا مکابر و معاند ہیں جو دیدہ و دانستہ پاس مذہب وغیرہ کی وجہ سے اِنکار کرتے ہیں۔ ورنہ جو لوگ قدرت کے تصرفات و عادات۔ اور عقل انسانی کے کمالات و ملکات سے واقف ہیں۔ اور اُن کا دل خدا نے حق باتوں کے سمجھنے اور قبول کر لینے کے لئے کھول دیا ہے۔ وہ نہ اس کو کچھ مستبعد ہی جانتے ہیں اور نہ اِنکار ہی کرتے ہیں۔ بلکہ صاف صاف حضرت نبی اُمّی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت حقّہ۔ اور تقدس و بزرگی۔ اور آپ کے مُلہم و موید من اللہ۔ اور قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور تسلیم ہی نہیں کرتے۔ بلکہ بڑی اونچی آواز سے اُس کی شہادت بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر ٹامس کارلائل مرحوم جو محقق و مشاہیر فضلائے یوروپ سے ہیں۔ اُن معاندین کے اقوال کے رد میں جو بعض جھوٹے نقایص کا اتہام آنحضرت پر لگاتے

٭ دیکھو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون "محمد اور اُسکا مذہب" مولف عفی عنہٗ

ہیں - فرماتے ہیں کہ "ہا! ایسا ہرگز نہیں - یہہ ژرف نگاہ شخص جو جنگلی ملک میں پیدا ہوا تھا اپنے دل میں کھُب جانے والی سیاہ آنکھوں اور شگفتہ اور با اخلاق اور پُر غور طبیعت کے ساتھ بجاے جادہ طلبی کے کچھہ اور ہی خیالات رکھتا تھا - وہ ایک ذی سکینہ اور غیر معمولی طاقتوں والی روح تھا - اور اُن لوگوں میں سے تھا جو سواے راستبازہونے کے اور کچھہ ہو ہی نہیں سکتے - اور جس کو خود قدرت نے سچا اور راستباز پیدا کیا تھا جبکہ اور لوگ مقررہ عقیدوں اور روایتوں پر چلتے اور اُنہیں پر قانع تھے - یہہ شخص اُن عقائد و روایات کے حجاب میں نہ رہ سکتا تھا - اور اپنی روح اور حقایق اشیا کے معلوم کرنے میں اوروں سے مستثنےٰ تھا - اور جیسا کہ مینے بیان کیا ہے ہستی مطلق کا سرِ عظیم مع اپنے جلال وجمال کے اُسپر کھل گیا تھا - اور پرانی روایتیں اُس حقیقت پر جس کے بیان میں ناطقہ عاجز ہے - اور جس نے اپنے تئیں "میں یہاں ہوں*" سے تعبیر کیا - پردہ نہ ڈال سکیں - ایسا صدق جس کا ہم نے کوئی اور بہتر لفظ نہ ملنے کی وجہ سے صدق نام رکھا ہے فی الحقیقت منجملہ آثار الٰہی ہے - ایسے شخص کا کلام ایک آواز ہے جو بلا واسطہ فطرت الٰہیہ کے قلب سے نکلتی ہے جسے انسان سنتے ہیں اور جس کے سننے میں اور چیزوں کی بہ نسبت زیادہ توجہ چاہیئے - کیونکہ اُس کے مقابلہ میں اور جو کچھہ ہے وہ

* اُس خطاب الٰہی کی طرف اشارہ ہے - جو موسیٰ علیہ السلام کی نسبت وادی ایمن میں ہوا تھا - جس کا ذکر توریت کی کتاب خروج باب سویم درس چہارم میں ہے - مؤلف عفی عنہ

ہیج سنہ - شروع ہی سے اُسکے دل میں حج کے موقعوں اور نیز روزمرہ
کے اِدہر اُدہر چلنے پھرنے میں طرح طرح کے ہزاروں خیالات پیدا
ہوتے تھے - مثلاً یہہ کہ میں کیا ہوں؟ یہہ اتھاہ چیز جسکو لوگ دنیا کہتے
ہیں اور جس میں میں موجود ہوں کیا ہے؟ زندگی کیا ہے؟ موت کیا ہے؟
مجھے کس بات کا یقین کرنا چاہیے؟ اور کیا کرنا چاہیے؟ جن کا جبل حرا
اور کوہ سینا کے بڑے بڑے پتھروں کے ڈھیروں اور سخت سُنسان ریتلے
بیابانوں نے کچھ جواب نہ دیا - اور سر بجیب چاپ چکر کھانے والے
آسمان نے بھی مع اپنی نیلگوں روشنی والے ستاروں کے کچھ
نہ بتایا - مگر بتایا تو صرف اُسی کی روح نے اور خدا کے الہام نے جو اسمیں تھا"
"ہمنے اسلام کو دِینُ القَیِّم بتایا ہے - یعنی سیدھا مستحکم اور نا
قابلِ زوال دین - مگر اُس کی وجہ اور دلیل کا بتانا باقی ہے - جس کو اب
ہم بیان کرتے ہیں - پس واضح ہو کہ تمام انسان وحشی ہوں یا شہری -
مہذب ہوں یا نامہذب - عالم ہوں یا جاہل - اگرچہ فطرتاً اس بات کے جاننے
اور یقین کرنے پر مکلف ہیں کہ تمام موجودات کا خالق یا اُن کے وجود کا
سببِ اخیر یا علت العلل کوئی ہے - اور یہہ عذر کہ ہمارے پاس اس امر
کا بتانے والا کوئی نہیں آیا اُن کو اس فرض سے سبکدوش نہیں کرسکتا -
تاہم چونکہ یہہ امر کسی قدر غامض اور باریک ہے اور عقل انسانی جو علت
اس تکلیف کی ہے وہ ہر ایک کو فطرتاً برابر عنایت نہیں ہوئی - اور بعض اسباب
خارجی مثلاً کسی قوم میں پیدا ہونے - اور اُنہیں میں پرورش پانے

اور ابتدا سے اُنہیں کے خیالات سنتے رہنے - اور اُنکو سچ سمجھنے یا بعض
اشخاص کی نسبت حسنِ ظن پیدا کرنے - اور اُنکی راے اور سمجھ پر بھروسہ کرلینے
سے جو بدنی الطبع ہونیکے لوازم ہیں - عقل اکثر متاثر اور مغلوب ہوجاتی ہے
اسلیئے اگرچہ تقریباً تمام انسان اُس لامعلوم وجود کے تصور میں - یعنی
اس امر میں کہ اُنکا خالق اور اُنکے وجود کا سببِ اخیر کوئی ہے غلطی نہیں کرتے
مگر اُس کی تعیین و تصدیق میں اکثر دھوکے میں پڑجاتے ہیں - اور کوئی
کسی چیز میں اور کوئی کسی چیز میں الوہیت اور اُسکے موثر بالذات ہونے
کا یقین کرلیتا ہے - اور اُسکی رضامندی حاصل کرنے یا خفگی سے بچنے
کے خیال سے اُسکی پوجا اور پرستش کرتا ہے - اور اِس طرح سے
گوناگوں مذاہب پیدا ہوجاتے ہیں - مگر انسان کا اصلی اور حقیقی مذہب صرف
ایک ہی ہے - جسپر وہ پیدا کیا گیا ہے - یعنی اُس ذاتِ مقدس کو جو تمام
موجودات کی علتِ اخیر اور اون کی خالق ہے - موجود اور یکہ و یگانہ
اور تمام صفاتِ کمال سے موصوف اور نقایص سے منزہ و مبرا جاننا
اور الوہیت کو صرف اُسی میں منحصر سمجھکر اُسکے سوا تمام ممکنات و مخلوقات کو
ناقابل پرستش و عبادت سمجھنا - جیساکہ فطرتِ انسانی کے اُس سب سے
بڑے واعظ نے جسکے مبارک و محمود نام کی تعظیم و تکریم اسلام کا دوسرا
رکن ہے فرمایا "كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ حَتَّى يَكُونَ أَبَوَاهُ هُمَا اللَّذَانِ
يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ" یعنی ہر ایک بچہ اُسی
دین پر پیدا ہوتا ہے جو اُسکا فطری اور طبعی دین ہے (یعنی توحید

کے دین پر جس کا دوسرا نام اسلام ہے) مگر ماں باپ کی صحبت اور
تعلیم و تلقین اور اُن کے خیالات و اعتقادات کے سنتے رہنے اور اُن کی
سمجھ اور رائے پر بھروسہ کر لینے کی وجہ سے کوئی یہودی ہو جاتا ہے
کوئی نصرانی اور کوئی مجوسی" اس لئے اس نادان پتلے کے بنانے
والے نے اپنی کمال مہربانی سے کہ تکلیف مالایطاق نہو اُس کے
مذکورہ بالا فرض کو کسیقدر ہلکا کر دیا ہے۔ یعنی اُسکی عدم بجا آوری کی
مکافات کو ایک دوسرے امر یعنی خدا کے رسولوں کے انکار اور اُن کی
نصیحتوں کے نہ ماننے اور جو اوامر و نواہی وہ پہنچائیں اُن پر عمل نہ کرنے
سے متعلق کر دیا ہے۔ جیسا کہ اُس نے خود فرمایا۔ "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ
نَبْعَثَ رَسُولًا" یعنی ہم عذاب دینے والے نہیں جب تک
کہ کسی پیغمبر کو نہ بھیج چکیں" اور اس غرض کے پورا ہونیکے لئے اگرچہ
وقتاً فوقتاً اُسکے رسول دنیا میں آتے رہے جنہوں نے انسانوں کیحالت
حیثیت اور اُن کے فہم و لیاقت کے موافق اُنکو تعلیم و تلقین کی اور اسی
میں اپنی عمریں صرف کر ڈالیں۔ مگر چونکہ وہ تعلیم کسی ایسی بنیاد اور دلیل پر
مبنی نہ تھی جو بخوبی تمام لوگوں کی سمجھ میں آسکے اور وہ اُسکو نہ بھول سکیں
اسلئے لوگوں نے یا تو اُسپر یقین ہی نہ کیا یا یقین کیا مگر پھر بھول گئے۔ اور
اسکی جگہہ اپنی نا سمجھی سے ایک اور ایسے امر پر یقین کر لیا جو خدا کی مرضی و
منشا اور اُسکے رسولوں کی تعلیم اور خود اُس امر کے برخلاف تھا جس پر خدا
نے انسان کو اُس کی فطرت کی رو سے مکلف کیا ہے۔ مثلاً اُس مقدس

واولوالعزم شخص کے حال پر غور کرو جو اپنی قوم کے ہزارہا آدمیون کو سمندر
مین سے محفوظ و مصئون سے نکلا تھا - اور اُن کا دشمن اپنے لاؤ لشکر سمیت
اُس مین ڈوب گیا تھا - کہ باوجودیکہ اُس نے اُنکو ایسی بلاؤن اور مصیبتون سے
چھڑایا کہ جن کا دفعیہ اُنکے امکان سے باہر تھا اور بات بھی وہ بتائی جس سے
زیادہ سچّی بات نہین ہے - پھر بھی اُنہوں نے اپنے قصور فہم سے اُس پر
یقین نہ کیا اور صاف کہدیا کہ جب تک تو خدا کو ہمارے سامنے نہ کردے
اور ہم اوس کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں! ہم کو تو تیرے کہنے پر یقین نہیں آتا
اور بعض لوگوں نے جو اوپرے دل سے کچھ یقین کیا وہ بھی پھر شبہ میں
پڑ گئے - اور اُنہیں محسوس چیزوں کی طرف اُن کی طبیعتیں مائل ہو گئیں جنکو
اپنی ابتدائے پیدایش سے پجتا دیکھتے رہے تھے - یہی حالت ایک اور
پاک اور نہایت مسکین وغریب آدمی کی ہوئی جو ایک خداپرست مگر نہایت
سنگدل اور شدید التعصّب قوم کی تہذیب نفس واصلاح اخلاق کے لئے
آیا تھا - کہ جب اُس نے اُنکی نالایق اور خلاف اخلاق باتوں پر اُن کو ملامت
کرنی شروع کی تو اوس کی جان کے دشمن بنگئے اور قریب تین۳ سال
کے جدوجہد میں مٹھی بھر آدمیوں کے سوا (جو وہ بھی اپنے ایمان پر پختہ نہ تھے
جیسا کہ ہم مشروحاً لکھ آئے ہیں) کسی نے بھی اُسکی بات کو نہ مانا - اور کسی معجزہ
اور کرامت نے کوئی مفید اثر پیدا نہ کیا اور آخر کار کال وریؔ نامی پہاڑی پر (جو
بیت المقدّس کے جنوب کی جانب ہے) وہ واقعہ پیش آیا جس کا ہم سب کو
افسوس ہے - اور اُس کے دُنیا سے اُٹھ جانے کے بعد عجائب پرست

طبیعتون نے اپنی نادانی سے خدا کو چھوڑ کر خود اُسی مین الوہیّت کا یقین کر لیا بلکہ سچ پوچھو تو وہ عجائبات ہی اُن کے دھوکے مین پڑنے - اور گمراہ ہو جانے کے باعث ہوئے - پس کس قدر تعظیم و تکریم کا مستحق ہے - وہ سب سے بزرگ اور سب سے زیادہ واجب الادب انسان جو ایک اُمّی قوم مین پیدا ہوا تھا اور جس نے معلم ازلی سے پہلا سبق یہہ حاصل کیا تھا۔

"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ - خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ - اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ - عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" یعنی پڑھ (کتاب فطرت کو) اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے تمام مخلوقات کو بنایا - انسان جیسی چیز کو لہو کی ایک پھٹکی سے پیدا کیا - پڑھ اور تیرا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے - جس نے سکھایا انسان کو قلم کے ذریعے سے - سکھائیں انسان کو معاش و معاد کے متعلق وہ تمام باتیں جنکو وہ نہیں جانتا تھا -" کہ جب سب سے اخیر میں اس بڑے کام کے انجام دینے کے لئے اُس کی باری آئی تو خدا نے اُس کے سابقین کی ناکامیابی کے اسباب سے اُس کو مطلع کر دیا اور اُس نے بقول فاضل شہید مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب (کہ جن کی رائے میں جسقدر علوم و فنون صحیحہ کو ترقی ہوتی جائے گی اُسی قدر اُمور خارقِ عادت کا دائرہ تنگ ہوتا جائیگا اور اسوجہ سے ایک ایسا نبوت جو ایک ایسے زمانہ کے لئے کافی ہے جو تخیلات کی بنیاد پر کچھ کچھ باتیں گھڑ لے وہ علوم و فنون اور تحقیق و تدقیق کے زمانہ سے ٹھیک طور پر مطابق نہیں ہو سکتا") اپنی رسالت کے اخلاقی

ثبوتوں کو معجزوں پر ترجیح دی اور اس طرح پر ایک ایسے خیال کی نبض کو پہچان لیا جو علوم و فنون کی روز افزوں ترقی اور فطرت انسانی کی مسلّمہ کمزوری سے بالکل موافق ہے" اور خدا کی ہدایت سے اپنی تعلیم کی بنیاد ایسے بدیہی اور مستحکم اصول پر رکھی کہ جس میں شک و شبہ اور تغیر و تبدل کا امکان ہی نہیں۔ یعنی مظاہر قدرت اور خود انسان کی فطرت پر چنانچہ خدا نے اس کی زبان سے کہلایا۔

۱۔ يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ۔ (سورۂ انفطار)

۲۔ فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ۔ (سورۂ طارق)

۳۔ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِم مَّا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ۔* (سورۂ روم)

۴۔ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنتُم بَشَرٌ تَنتَشِرُونَ (ایضاً)

۵۔ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ط (ایضاً)

۶ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ ط (ایضاً)

۷۔ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُم مِّن فَضْلِهِ ط (ایضاً)

۸۔ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي

* قال الزجاج معناه الا للحق اے لاقامة الحق یعنی الدلالة علی الصانع - مجمع البیان

بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ (سورہ روم)

۹ - وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ (ایضاً)

۱۰ - وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ ۔ (ایضاً)

۱۱ - اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۔ج (ایضاً)

۱۲ - وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ (سورہ مومنون)

۱۳ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ كَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ۔ ایضاً

۱۴ - فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ (سورہ روم)

۱ - (یعنی) ”اے اپنے خدا کو بھولے ہوئے آدمی! کس چیز نے تجکو بہکایا تیرے رب کریم سے جس نے تجکو پیدا کیا۔ پھر درست کیا پھر سڈول اور جس صورت کا چاہا بنا دیا۔“

۲ ”پس دیکھ! کہ تو کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے جو مرد کی پیٹھ اور عورت کی چھاتی کی ہڈیوں میں سے نکلتا ہے۔“

+ ان آیات شریفہ کا ترجمہ ہم نے بطور حاصل معنی کے کیا ہے۔ پس کوئی غلطی کا شبہ نہ کرے ۔ مؤلف عفی عنہ

۳۔ ”تم اپنے ہی دل مین کیون نہین سوچتے ؟ نہین پیدا کیا خدا نے آسمان اور زمین کو۔ مگر اپنی خالقیت کے ثبوت کے لئے“

۴۔ ” اور اُسی کی نشانیون مین سے ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اَب تم انسان ہو جابجا پھیلے ہوئے“

۵۔ ”اور اُسی کی نشانیون مین سے ہے کہ تمھارے لئے تمھارا ہمجنس جوڑا پیدا کیا تاکہ اُس سے دلکو چین رہے۔ اور ایک عجیب قسم کی محبت اور دل کی پگھلاہٹ تم میں رکھی“

۶۔ ”اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمان اور زمین کا پیدا کرنا اور تمھاری بولیون کا اور تمھاری رنگتون کا مختلف ہونا“

۷ ”اور اُسی کی نشانیون میں سے ہے رات کو تمھارا سو رہنا اور دِنکو روٹی کے دھندے میں لگنا“

۸۔ ”اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمکو بجلی چمکا کر دکھاتا ہے جس میں کڑک کا ڈر اور مینہہ کی للچاہٹ ہے اور اوپر سے پانی برساتا ہے۔ پھر اُس سے مری ہوئی زمین کو زندہ کر دیتا ہے“

۹۔ ”اور اُسی کی نشانیون مین سے ہے کہ آسمان اور زمین اُسکے حکم سے تھمے ہوئے ہیں“

۱۰۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ بھیجی ہوا کو مینہہ کی خوشخبری دینے کے لئے بھیجتا ہے“

۱۱۔ ”وہی تو ہے خدا جو ہوا کو چلاتا ہے۔ پھر اُس سے بادلوں کو ہنکاتا ہے

پھر تمام آسمان میں جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے - پھر اُن کو تہ بتہ کر دیتا ہے - پھر تم دیکھتے ہو کہ اُن میں سے بوندیاں نکلتی ہیں"

۱۲ - "اور آسمان سے اندازہ کے موافق مینہہ برساتا ہے پھر اُسکو زمین پر ٹھیراتا ہے"

۱۳ - "پھر اُس سے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغ اُگاتا ہے اور بہت سے میوے پیدا کرتا ہے جن کو تم کھاتے ہو - اور کوہ طور میں سے ایک قسم کا درخت اُگاتا ہے کہ جس میں سے کھانے کے لئے تیل نکلتا ہے" (یعنی زیتون کا درخت جس کے تیل کو شام اور عرب وغیرہ ملکوں کے لوگ گھی کی طرح بہت شوق سے کھاتے ہیں) "اور تمہارے لئے تو چوپایوں میں بھی بڑی نصیحت ہے - اُن کی چھاتیوں میں سے جو کچھ نکلتا ہے اُس کو تم پیتے ہو اور اور اُن سے اور بہت سے فائدے اُٹھاتے ہو - بعضے اُن میں سے تمہارے کھانے میں آتے ہیں اور اُن پر اور نیز کشتیوں پر لدے پھرتے ہو"

۱۴ - "پس سیدھے دل سے اُس دین پر قائم ہو جو خدا کا دین ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (کیونکہ) جو کچھ خدا نے بنا دیا ہے اُس میں اُول بدل ناممکن ہے - یہی ہے سیدھا ناقابل زوال دین مگر اکثر لوگ نہیں جانتے"

اللہ اکبر کیسا بدیہی اور موجّہ طریقہ استدلال کا ہے - اور کیسے فصیح و بلیغ

اور دل پر اثر کرنے والے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان خواہ کیسا ہی
ضدی اور ہٹیلا کیوں نہو تسلیم کرنے کے بغیر اُسکو چارہ ہی نہیں جیسا کہ خود
اُس سب کے بنانے والے نے فرمایا "وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ" یعنی جو کچھ کہ آسمان اور زمین
میں ہے اُسکو خدا کی خالقیت کو ماننا ہی پڑا ہے خوشی سے خواہ مجبوری سے
اور اُسی کی طرف پھر جائیں گے" کیونکہ خود اُسکا وجود اس امر کو ثابت کرتا ہے
کہ اُن سب کا صانع یا اُن سب کے وجود کا سبب اخیر یا علت العلل
کوئی ہے۔ اور معرفت الٰہی کے اسی نکتہ کو بتایا ہے جس نے یہ فرمایا "مَنْ
عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ"† اور اُن چیزوں کا جنکو ہم جان سکتے یا سمجھ سکتے یا
خیال کر سکتے ہیں ایسی ترتیب اور ایسی مناسبت اور ایسے انتظام کے ساتھ

† کئی برس ہوئے کہ ہم نے اس حدیث شریف نبوی کی شرح لکھی تھی۔ اور اُس کو خواب کے پیرایہ
میں بیان کیا تھا اور "خوابِ معرفت" اُسکا نام رکھا تھا۔ جس کو مناسبت مقام کی وجہ سے یہاں
لکھدینا مناسب معلوم ہوا اور وہ یہ ہے،
"رات جو میں اپنی ہستی سے کسی قدر بیخبر ہو کر سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ایسے لق و دق
بیابان میں موجود ہوں جس کی وسعت میں یہ دنیا مع اپنے تمام موجودات کے سما جاے۔
لیکن یہ تمام صحرا بے آب و علف اور غیر آباد نظر آیا اور ایسا کوئی بھی وہاں معلوم نہوا جس سے
پوچھ سکوں کہ یہ کیا مقام ہے۔ مگر سوچتے سوچتے اپنے ہی دل نے کہا کہ ہو نہو یہ صحرا ے
عدم ہے کہ جس کے جنوب ہے نہ شمال مشرق ہے نہ مغرب۔ فوق ہے نہ تحت۔ اور
ایسا سنسان ہو کا مکان ہے کہ سواے نام اللہ کے کوئی بھی چیز موجود نہیں ہے (كَانَ اللّٰهُ وَ

ہونا کہ جس سے عقل حیران ہوتی ہے ہمکو یہہ بتاتا ہے کہ یہہ سب چیزیں آپ ہی آپ ایسی عمدگی سے کے ساتھ نہیں ہوسکتیں۔ بیشک انکو کسی بے نظیر اُستاد نے سمجھ بوجھکر بنایا ہے جیسا کہ اُس نے اسکی دلیلوں کو خود اپنے پاک کلام میں نہایت آسان اور عام فہم طریقہ میں یوں بیان فرمایا ”اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ“

”اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ“

”اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ“ (سورۂ نمل)

”لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ“ (سورۂ انبیاء)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: لَمْ يَكُنْ مَّعَهٗ شَيْئًا) میں اپنے دل کے ساتھ یہ باتیں کرہی رہا تھا کہ استنے میں کہیں سے بے حرف وصوت ایک دو حرفی مگر نہایت پرحکمت آواز (کلمہ جامعہ کن کی طرف اشارہ ہے) ہوئی جسکے سُنتے ہی نہ معلوم کہاں سے اور کس طرح تمام زمین و آسمان۔ ستارے چاند۔ سورج۔ آگ۔ پانی۔ ہوا۔ اور تمام چرند و پرند شجر و حجر ایک دم کے دم میں آن موجود ہوئے۔ اور وہ تمام صحرا جو سُنسان پڑا ہوا تھا بھر گیا۔ اور اس قدر انواع و اقسام کی خلقت پیدا ہوگئی کہ اگر اُن کی شمار کے لئے سمندروں کو دوات اور تمام دنیا کے درختوں کی شاخوں کو قلم بناؤں تو بھی صفحۂ آسمان پر نہ لکھ سکوں۔ یہہ حیرت انگیز تماشا دیکھکر مجھے ایسے تعجب نے گھیر لیا کہ جس قدر سوچتا اور معلوم کرنا چاہتا تھا اُسی قدر

یعنی "کس نے پیدا کیا آسمان و زمین اور کس نے برسایا تمہارے لئے مینہہ پھر اُس سے نہایت پر رونق باغ اُگائے۔ تم کو تو اُن کے اُگانے کی قدرت نہ تھی؟ پھر کیا خُدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے؟ کس نے زمین کو تمہارے رہنے کی جگہہ بنایا؟ - اور کس نے اُسکے بیچ میں ندیاں بہائیں؟ اور کس نے بنائے اُسکے (اسپنغر کرنے ثقل پر ٹلے رہنے کے) لئے بوجھل پہاڑ؟ - اور کس نے بنایا دو سمندروں کے بیچ میں (زمین کو) آڑ؟ پھر کیا خُدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے؟ کون تم کو اندھیرے جنگلوں میں اور سمندر میں رستہ بتاتا ہے؟ کون (مینہہ برسنے سے پہلے) اپنی مہربانی کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ہوا بھیجتا ہے؟ پھر کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خُدا ہے؟ اگر آسمان و زمین میں بہت سے خدا ہوتے تو دونوں کا کارخانہ بگڑ جاتا"

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

میری حیرت زیادہ ہوتی تھی۔ ابھی وہ حیرت کم نہوئی تھی کہ نہایت پُر جلال مگر نہایت محبت آمیز ایک اور آواز (کلمات طیبات "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کی طرف اشارہ ہے) ہوئی جس نے تمام عالم اور اہل عالم کو چونکا دیا۔ اور جس کا ہر ایک نے اپنی اپنی زبانِ حال سے یہ جواب دیا کہ "ہاں - اے خداوند بیشک تو ہی ہمارا خالق اور پروردگار ہے اور تیرے سوا کوئی ہمارا خالق و مالک نہیں ہے" خیر یہ سوال و جواب تو ہو ہی رہے تھے۔ مگر اب کسی نے پکار کر خاص مجھ سے کہا کہ "کیا یہہ سچ نہیں ہے؟ کہ ایک ایسا وقت بھی تجھ پر گزرا ہے جبکہ تیرا اس عالم میں نام و نشان تک نہ تھا۔ اور ہم نے ہی تجکو ایک مختلط پانی سے پیدا کیا اور ایک مدت معین تک ایک خاص مقام میں رکھا! پھر سُنتا۔ سمجھتا۔ بولتا چالتا

پس یہہ فطرت کا ایک بہت بڑا اور سربستہ راز تھا جو خدا نے انسانوں کی
ہدایت کے لئے خاص نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی قرآنی
کے ذریعہ سے ظاہر فرمایا اور اُس میں ایسی معجزانہ اور ربّانی تاثیر رکھی کہ بغیر اسکے
کہ کافروں کی بیہودہ وخلاف عقل خواہش کے موافق ”زمین پھاڑکر اُنکے
لئے چشمہ بہائیں! یا اپنے لئے کھجوروں یا انگوروں کا باغ اُگائیں! جس میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

بنا کر دنیا میں بھیجا اور جاتے کو وہ بات بھی بتادی کہ جس سے ہماری مرضی کے موافق اپنی زندگی بسر
کرکے ہنستا کھیلتا آخر کار ہم تک پہنچ جاے۔ اور سدا ہمارے حضور میں رکر وہ نعمتیں اور عیش وآرام
پاے ”جو نہ کبھی آنکھوں نے دیکھے اور نہ کانوں نے سنے تھے اور نہ کبھی تیرے دل میں اُن کا
خیال تک آیا تھا“ اور اس کا تجکو پورا اختیار دیدیا کہ خواہ جو بات ہم نے بتائی ہے اُسکے
موافق چلکر ہم تک پہنچ جاے خواہ اُسکو بھول کر ہمارے حضور سے دور سدا کی محرومی اور مصیبت مین
پڑجاے۔ (سورۂ انسان کے شروع کی آیتوں اور ایک حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے) میں
یہہ آواز سنکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تاکہ معلوم کروں کہ کون بولتا ہے۔ اور یہہ آواز کہاں سے آتی ہے
مگر ہر چند غور کیا اور اِدھر اُدھر دیکھا بھالا! کوئی پکارنے والا دکھائی نہ دیا۔ اور آخر کار معلوم ہوا
کہ خود میرے ہی رونگٹے رونگٹے سے یہ آواز آرہی ہے! پھر تو میں سمجھا کہ تیری ہی زبان حال
سے یہ آواز آتی ہے! اور تیری ہی زبان حال سے اسکا جواب طلب ہے۔ اور خیال کیا کہ بے شک
تیری فطرت کا یہی مقتضا ہے کہ تو اپنے مخلوق ومملوک اور جس نے تجھے بنایا ہے (کیونکہ خود بخود تو تو
بن ہی نہیں گیا) اُسکے خالق ومالک ہونیکا اقرار کرے۔ اور صرف اُسی کو ہر ایک طرح کی تعظیم وتکریم
کا مستحق جانے اور اپنے تمام جسم اور تمام دل اور تمام جان سے صرف اُسکی تعظیم وتکریم بجالاے
اور وہ بات جسکا بتادیا جانا تجکو کہا گیا ہے یہی ہے۔ کہ جس سے تو اپنے خالق ومالک کے

زور سے نہریں بہتی ہوں۔ یا آسمان کا ایک ٹکڑا کافروں پر گرائیں! یا خدا
کو فرشتوں سمیت اُنکے روبرو لائیں! یا اپنے لیے خالص سونے کا گھر
بنائیں! یا آسمان پر چڑھ جائیں! یا لکھی ہوئی کتاب اُنپر آسمان سے اُتاریں
جنکو وہ پڑھ سکیں" آپ نے انہیں مظاہر قدرت اور آثار فطرت کو جو

حضور میں پہنچ سکتا اور وہ نعمتیں اور خوشیاں جو تیرے لیے تیرے خالق نے نہایت فیاضی اور مہربانی
سے مہیا کی ہیں حاصل کر سکتا ہے۔ اور یقین ہوا کہ اب سے تیرہ سو برس ^۱۳۰۰^ پہلے جو اسرار فطرت کے
ایک زبردست جاننے والے نے (دل و جانم فدائے نامش باد) یہ فرمایا تھا "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ
فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ" اسکے ٹھیک یہی معنی ہیں اور اس زمانہ کے ایک محقق اسلام نے جو یہ کہا ہے
کہ "اَلْاِسْلَامُ هُوَ الْفِطْرَةُ وَالْفِطْرَةُ هِيَ الْاِسْلَامُ" اُسکا بھی یہی مدعا ہے میں
ابھی اس سمجھ اور یقین پر نہایت خوش تھا کہ اتنے میں اشارہ ہوا کہ ہمارے اس عاجز و ناچیز بندے کو
ہماری تعظیم و تکریم کا طریقہ سکھاؤ تاکہ ہماری حضوری کے لایق ہو۔ اور جسطرح اسکا دل ہمارے تصور سے
پاک ہوا ہے اسکا جسم بھی پاک ہو جاے۔ پس ایک چیز نے جو مینے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی میرے دل میں
بیٹھکر مجکو تمام آداب بندگی سکھاے۔ اور میں اُس معلم غیبی سے تعلیم پاکر یہہ کہتا ہوا کہ "اِنِّیْ وَجَّهْتُ
وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ" اُسکی تعظیم و تکریم
بجالانے کو روبقبلہ کھڑا ہو گیا اور سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھکر اُس لایزال اور ناقابل فہم و ادراک ہستی کو
جسکے وجود پر میرا رونگٹا رونگٹا گواہی دے رہا تھا نہایت ادب سے سجدہ کیا اور میرے پھر کرتے ہی تمام حجاب
اُٹھ گئے اور مینے اپنے دل کے اندر ایک عجیب و غریب نورانی صورت دیکھی (حدیث شریف نبوی کیطرف اشارہ
ہے جو فرمایا "یَا اَبَا ذَرٍّ اُعْبُدِ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ") جو رنگ روپ شکل و صورت سے منزہ تھی جسکو دیکھتے ہی
مجھپر ایک محویت اور بیخودی کی سی حالت طاری ہو گئی اور میں بے اختیار بول اُٹھا "مینے پالیا مینے پالیا" اور پھر آنکھ کھلگئی
مؤلف

ہر وقت انسان کے پیش نظر ہیں بتا بتا کر اور دکھا دکھا کر توحید کا وہ ناقابل جنبش اور سر بفلک نشان قایم کیا کہ جس کے آگے نہ صرف دو خداؤں کے پوجنے والے مجوسیوں کے درفش کاویانی نے سر جھکایا۔ بلکہ تین خداؤں کے ماننے والے عیسائیوں کی صلیب نے بھی سجدہ کیا*۔ اور بقول سر ولیم میور "خدا کی وحدانیت اور غیر محدود کمالات اور ایک خاص اور ہر ایک جگہہ احاطہ کی ہوئی قدرت کا مسئلہ آنحضرت کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہو گیا جیسے کہ خاص آپکے دل میں تھا" حق یہ ہے کہ توحید کے لازوال مسئلہ کی تلقین

* فاضل شہیر مسٹر گاڈفرے ہیگنس صاحب لکھتے ہیں "شاید سلطنت فارس یعنی حصہ شرقی سلطنت روم کبھی بیشتر ایسی تباہ وخراب حالت میں نہوئی ہوگی جیسے ساتویں صدی کے آغاز میں ہوئی۔ بوجہ ضعف حکام روم اُنکی سلطنت کا کل ڈھانچ نہایت لچر تھا۔ اور پادریوں کی درشتی اور خرابی کے باعث عیسائی مذہب کو اس درجہ کا تنزل ہو گیا تھا کہ اب بمشکل قیاس میں آسکتا ہے۔ حتی کہ اگر اُس کا ثبوت کما ینبغی نہوتا تو اُسکا مطلق اعتبار ہی نہ کیا جاتا۔ بیشمار فریقوں کے نزاع اور عداوتیں درجہ غایت کو پہنچ گئیں اتفاق باہمی کا کل ڈھانچ ہل گیا۔ قصبوں اور شہروں میں خون بہنے لگا۔ حضرت عیسیٰؑ مسیح نے خوب پیشین گوئی فرمائی کہ "میں اپنے ساتھ صلح نہیں لایا بلکہ تلوار لایا ہوں"! بیوی کو خلاف خاوند سے! اور والدین کو فرزند سے ہو گیا! ہر خاندان میں تفرقہ برپا ہوا صلہ رحم جاتا رہا! اور منشا ان بے انتہا نزاعوں کا ایسے امور مذہبی تھے جو سفلانہ اور خفیف مگر دقیق اور غیر مفہوم تھے۔ اسوقت ایک دور دراز اور غیر معروف گوشہ عرب میں جو اُن ملکی تنازعوں سے فاصلہ پر تھا جنسے سلطنت روم تہ وبالا ہوئی جاتی تھی دین محمدی پیدا ہوا جسکی قسمت میں تھا کہ جیسے طوفان ہوا روے زمین کو صاف کر دیتا ہے اسی طرح وہ بھی سلطنتوں اور ریاستوں اور رسوم کو اپنے آگے دھر لے اور اُنکو ایسا متفرق کر دے جیسے خاک باد صرصر کے آگے سے ہی ہٹ جاتی ہے"،
مؤلف

اگرچہ بقدر ضرورت اور موافق فہم اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کے اور انبیا علیہم السلام نے بھی کی تھی۔ مگر جس کا ملیّت سے اسکو آنحضرت نے شائع فرمایا وہ خاص آپ ہی کا حصہ تھا۔ جیسا کہ میرے نہایت مکرم و معظم دوست جناب آنرایبل سر سیّد احمد خان بہادر کے سی۔ ایس۔ آئی سلمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی لاجواب کتاب "خُطبات احمدِیّہ" کے خطبہ چہارم میں نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "تین چیزوں میں وحدت کے یقین کرنے سے خدا کی وحدانیت پر کامل طور سے یقین ہو سکتا ہے وحدت فی الذّات[1]۔ وحدت فی الصّفات[2]۔ وحدت فی العبادت[3]۔ وحدت فی الذّات کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے ساتھ کوئی دوسرا شخص یا کوئی شے شریک نہیں ہے۔ وہ "وحدہٗ لاشریک لہٗ" ہے۔ اور نہ کوئی شے اُسکے مشابہ ہے۔ نہ آگ نہ پانی نہ ہوا۔ وحدت فی الصّفات[2] کے یہ معنی ہیں کہ جو صفتیں خدا کی ہیں وہ دوسرے میں نہیں اور نہ دوسرے میں ہو سکتی ہیں اور نہ دوسرے سے متعلق ہو سکتی ہیں۔ وحدت فی العبادت[3] کے یہ معنی ہیں کہ نہ کسی دوسرے کی عبادت کرنا نہ کسی دوسرے کو عبادت کے لایق سمجھنا۔ اور نہ وہ افعال جو خاص خدا کی عبادت کے لئے مخصوص ہوں کسی دوسرے کے لئے بجا لانا جیسے سجدہ کرنا روزہ رکھنا نماز پڑھنا وغیرہ۔ اِن تینوں وحدتوں میں سے پہلی دو[2] وحدتوں کو اور تیسری وحدت کے پہلے حصہ کو اوسط طور پر (جو نہ ناقص تھا کیونکہ نجات کے لئے کافی تھا اور نہ کامل طور پر تھا۔ کیونکہ وحدت کا پورا کمال اُس زمانہ کے لوگوں کی سمجھ کے

لایق نہ تھا) یہودی مذہب نے بیان کیا۔ اور تیسری وحدت کے اخیر حصوں کو جنسے درحقیقت اُس وحدت کا کمال ہے مطلق ذکر ہی نہیں کیا۔ اسلام نے پہلی دو وحدتوں کو بھی "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ" فرما کر کامل کیا۔ پس نہ آگ جو موسیٰ نے دیکھی خدا تھا۔ اور نہ آواز "اِنِّیْ اَنَا اللہ" کی جو موسیٰ نے سُنی خدا تھا۔ اور نہ وہ نیک اور برگزیدہ شخص جسکو یہودیوں نے صلیب پر چڑھایا خدا ہو سکتا تھا۔ اسلام نے تیسری وحدت کو ایسے کمال پر پہنچایا جس کے سبب ایمان والوں کے دلوں میں بجز خدا کے اور کچھ نہیں رہا جس کی تصدیق "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" سے ہوتی ہے۔ اسلام میں یہی کمال ہے اور اسی کمالیت کی وجہ سے خدا نے فرمایا "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" انتہی قولہ سلمہ

اب جس شخص نے اُس زمانہ کی تاریخ مُلک عرب کو پڑھا ہو گا۔ اور اُن انواع و اقسام کے لغو بیہودہ مذاہب و ادیان کی حقیقت کو معلوم کیا ہو گا جو جزیرہ نمائے عرب اور اُسکے آس پاس کے مُلکوں میں رائج اور موجود تھے اور اُن سخت توہمات✝ اور جہالت و ناشایستگی اور بے علمی و بے تہذیبی اور جور و ظلم اور قتل و خونریزی اور کینہ پروری و انتقام گیری اور غایت درجہ کی ذلیل مادہ پرستی اور فسق و فجور اور خود رائی و خودسری اور تکبّر و تجبّر کی کمینہ عادات سے جس میں قوم عرب صدیوں سے ڈوبی چلی آتی تھی واقفیت حاصل کی ہو گی اور اُن سخت مذہبی اختلافوں اور جھگڑوں اور قضیوں کی کیفیت سے آگاہ

✝ اُس زمانہ کے اہل عرب کے توہمات کی کیفیت معلوم کرنی ہو تو خطبات احمدیہ کے خطبہ ثانیہ کو پڑھو۔ مؤلف

ہوا ہوگا جو عیسائی اپنے پیغمبر کی الوہیت و بشریت کے بیہودہ و خلاف عقل مسئلہ کی تحقیق و تدقیق میں کرتے تھے اور جو مسئلہ کہ اُن کے نزدیک اُن تمام اعمال صالحہ سے اہم و اعظم تھا جن کا حکم جناب مسیح نے فرمایا تھا اور اُن نازیبا و ناپاک اور قابل تنفر گرجاؤں اور اون کی تصویروں اور مورتوں اور تہواروں اور تقریبوں اور رسوم سے جنکی بنا بقول مسٹر گاڈ فرے ہیگنس صاحب اُن خراب باتوں پر تھی جنکو بُت پرستی کا فضلہ کہنا چاہیئے۔ اور جس میں نہ صرف ایشیا و افریقیہ بلکہ یونان اور روم۔ بلکہ تمام فرنگستان کے عیسائی مستغرق تھے۔ اور جو بقول مسٹر ہیگنس پیشوایان مذہب بلکہ خود پوپ روم کے اغوا و تحریک سے عمل میں آتی تھیں واقفیت حاصل کی ہوگی۔ اور پھر اُس عظیم الشان و حیرت انگیز اصلاح اور روحانی و اخلاقی تعلیم و تہذیب سے واقف ہوا ہوگا جو بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وعظ سے ایک معیّن اور محدود عرصہ کے اندر ظہور میں آئی اُس کا دل یقیناً گواہی دیگا کہ قرآن مجید بیشک ایک اثر ہے آثار الٰہیہ میں سے کہ جس نے نہ صرف طرح طرح کے مخلوق پرستوں سے خالق کے وجود اور اسکی وحدانیت کا اقرار حاصل کیا۔ بلکہ اُن بھٹکے ہوے خدا پرستوں کو بھی جو ایک انسان کو خدا سمجھ رہے تھے اور اسکی کُنہ حقیقت اور صفات پر لڑے مرتے تھے اور طرح طرح کے مشرکانہ و مخرّب اخلاق رسوم و افعال میں منہمک تھے یہ کہکر ایک واقعی اور حقیقی خدا بتا دیا ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ﴾

سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا[۵۱]" یعنی۔ اے کتاب والو اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور نہ کہو خدا پر سوا سچی بات کے (یعنی اُسکو صاحب زن و فرزند نہ کہو) اس کے سوا کچھ نہیں کہ عیسٰی مسیح مریم کا بیٹا پیغمبر ہے خدا کا۔ اور اُسکا کلمہ ہے کہ ڈالا اُسکو خدا نے مریم کی طرف (یعنی کہا[۵۲] اُسکو کہ تیرے بیٹا پیدا ہوگا) اور ایک جان ہے خدا کی طرف سے پس ایمان لاؤ اللہ اور اوس کے رسولوں پر اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں (اس بُری بات کے کہنے سے) باز رہو کہ یہہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ خدا تو صرف ایک ہی خدا ہے وہ پاک ہے اس سے کہ ہووے اُسکے لئے کوئی بیٹا۔ اُسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے۔ اور کافی ہے خدا کارساز" (یعنی خدا میں اور اِنسان میں اِنسان کی نجات کے لئے کسی واسطہ اور وسیلہ کی ضرورت نہیں جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ "خدا باپ اور انسان میں عیسٰی مسیح واسطہ اور وسیلہ ہیں") چنانچہ پروفیسر مارس صاحب لکھتے ہیں کہ "کوئی چیز عیسائیان روم کو اُس ضلالت و غوایت[۵۳] کی خندق

---

[۵۱] ہمارے تمام علمائے مفسرین نے عیسائیوں کے عقیدہ کی ناواقفی کیوجہ سے اس جملہ کے معمولی معنی لکھدئیے ہیں مگر خدا نے اپنے کلام کی صحیح تفسیر مجکو سوجھائی والحمد للہ علی ذلک ۔ مؤلف

[۵۲] کما یقال اَلۡقَیۡتُ اِلَیۡكَ کَلِمَةً حَسَنَةً اے قُلۡتُ ۔ (مجمع البیان)

[۵۳] مسٹر ہیگنس صاحب نے یونیورسٹی اکسفورڈ کے مشہور واعظ ریورنیڈ ڈاکٹر ویٹ کے سرمن دوئیم سے اُس زمانہ کے عیسائیوں اور دین عیسوی کی حالت حسب ذیل نقل کی ہے "اُس کمبخت زمانہ مین

سے جس پر یہ وہ گر پڑے تھے نہیں نکال سکتی تھی بجز اُس آواز کے جو سرزمین
عرب میں غار حرا سے آئی۔ اعلاء کلمۃ اللہ جس سے یونانی انکار کرتے
جاتے تھے اُسی آواز نے دنیا بین کیا۔ اور ایسے علمی پیرایہ میں کیا کہ جس سے
بہتر ممکن نہ تھا+" اور ایک سیدھا سادہ اور پاک و صاف مذہب دنیا کو سکھایا
کہ جسمیں بقول فاضل محقق گاڈفرے ہیگنس صاحب "وہ نہ پاک پانی ہے
نہ تبرک نہ مورت نہ تصویر نہ سینٹ اور نہ خدا کی ماں سے اُسپر داغ لگتا ہے"

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ

جماعتوں میں منقسم ہوکر خودسری سے باہم نزاع اور کینہ سے ایک دوسرے کو ایذا رسانی کرنے لگے
راے میں ناقص اور عمل میں خوار ہوگئے۔ اور یہی وجہ یہہ لوگ بجز نام اور ظاہری اقرار مذہبی کے اور کچھہ
نہ رکھتے تھے۔ عیسائی کلیسیا کی مساکر کے کوئی علامت باقی تھی۔ نہایت خراب اصول اور بیہودہ
رائیں عموماً جاری تھیں علم کی مفید موقعوں میں جہالت اور نیکی کی نہایت عمدہ ترغیب کے عوض میں
بدی پھیلگئی تھی اور راستی کے لئے ایک مزعوم جوش تھا جسمیں جاہلانہ اغلاط کی آمیزش تھی اور رائیوں
کے باب میں وہ نزاع قلبی تھا جسکو کوئی نہ فیصل کر سکے۔ اور جرایم کے ارتکاب میں ایک عام اور
عجیب اتفاق پیدا ہوا تھا جس سے حذر کرنا سب کے لئے فرض اور مفید تھا۔ ولیوں کی مورتیں کہ جنہوں
نے مذہب کے مشتہر کرنے میں محنت کی تھی اور شہیدوں کی ہڈیاں جو اُسکے استحکام میں مرے تھے اُسوقت
پادریوں کی حکمت عملی اور وہمی لوگوں کی جہالت سے مذہبی پرستش کیلئے مناسب اشیا قرار دیگئی تھیں
وہمی جوش کی سخت تندی نے ملایم سے ملایم طبیعت کے خیالات کا چراغ گل کر دیا قوانین کا وقار بد سیاستی
سے پامال اور شکستہ ہوگیا۔ اور مشرقی شہروں میں خون کا اہلہ آگیا۔ مؤلف عفی عنہ

+ دیکھو کتاب تنقید الکلام مصنفہ سید امیر علی صاحب ایم۔ اے۔ سی۔ آئی۔ ای
بیرسٹر ایٹ لا۔ (باب ۱۷) مؤلف عفی عنہ

اور نہ ایسے مسائل اُسمیں ہیں کہ ایمان بدون عمل کے مؤثر ہو اور نزع کے وقت
کی توبہ کام آوے - اور غایت درجہ کی عنایات اور مغفرت اور خفیہ اقرار بکار آمد
ہوں - جنکا نتیجہ یہہ ہے کہ اول اُس دین کے پیرووں کو بگاڑیں اور پھر مقتداؤں
کے حوالہ کریں جو واقع میں اُن مسائل سے بھی بدتر اور ناچیز بات ہے" اور جسکی
نسبت یہی صاحب اپنی کتاب کے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ "جب
بہت سے طول وطویل اور عسیر الفہم عیسائی مذہبوں پر خیال کیا جاتا ہے تو شاید
ایک فلاسفر دین اسلام کی خوبی اور سادگی اور بے تکلفی اور سریع الفہم ہونے پر
آہ کرکے کہتا ہے کہ میرا مذہب ایسا کیوں نہوا کہ میں ایمان لایا ایک اللہ پر
اور اوسکے رسول محمدؐ پر - یا یوں کہو کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
یا یہہ کہ میں ایمان لاتا ہوں اللہ پر - اور اُن مسائل پر جو خدا تعالیٰ کے باب
میں محمدؐ نے تعلیم فرمائے" اور جس کے باب میں ایک مشہور و معروف
فرانسیس فاضل ایڈدی سینٹ ھلیر نے یہہ لکھا ہے کہ "اسلام میں
کوئی بات مشتبہ یا قدرت کی باتوں سے بڑھکر بطور اعجوبہ کے نہیں ہے -
مذہب اسلام خود اس بات کے مخالف ہے کہ وہ کسی پردہ میں پوشیدہ
کیا جاوے - اور اگر ابتک اسمیں چند شبہات موجود ہیں تو اسکا الزام مذہب
اسلام پر نہیں ہے - کیونکہ وہ ابتدا ہی سے ایسا صاف اور سچا ہے جتنا کہ
ہونا ممکن ہے" اور جسکی نسبت سر جان مالکم اپنی نہایت قابل قدر
تاریخ ایران میں فرماتے ہیں کہ "ہیچ چیز عالی تر ونیکو تر از عقیدہ اہل اسلام
در توحید نمی شود ازاں روکہ از ہر طرف رو بہ یکے دارند - چنانچہ از آیات واخبار

و آثار و اشعار و اقوال و افعال شاں ہمہ ظاہر است "اینما تولوا فثم وجہ اللہ"

"ہر جا کہ نظر کردم سیماے تومی بینم"۔ او تعالیٰ را مخصوص و شائستہ بندگی

می دانند و بس۔ و ہیچیک را از مخلوقات درین باب با وے شریک و سہیم

نمی سازند"

اس موقع پر کہ قرآن مجید اور اسلام کی بدولت عیسائیوں کے ضلالت

و غوایت کی خندق سے نکلنے کا ذکر آگیا ہے ہم اُس مضمون کو یہاں بلفظہ

نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے جو "خطبات احمدیہ" کے عالیقدر مصنف نے

کتاب مذکور کے خطبہ چہارم میں اس باب میں ارقام فرمایا ہے۔ اور وہ یہ ہے

"چوتھے حصہ میں ہم اُن فائدوں کا بیان کرتے ہیں جو اسلام کی

بدولت خاص عیسائی مذہب کو پہنچے ہیں۔ دنیا میں مذہب اسلام سے

زیادہ کوئی مذہب عیسائی مذہب کا دوست نہیں ہے۔ اور اسلام نے کسی

مذہب کو اسقدر فائدے نہیں پہنچائے ہیں جسقدر کہ عیسائی مذہب کو پہنچائے

ہیں۔ مذہب عیسائی کی بنیاد اُس نیک اور حلیم شخص سے ہے (یعنی

حضرت یحییٰ پیغمبر سے) جو خدا کا رستہ درست کرنے آیا تھا۔ اور پھر بالکل

دار و مدار اُس عجیب شخص پر ہے جس کو لوگوں نے اتنا بزرگ و مقدس

سمجھا کہ خدا یا خدا کا بیٹا مانا (یعنی حضرت عیسیٰؑ پر) مذہب اسلام ہی کا یہ احسان

عیسائی مذہب پر ہے کہ وہ نہایت مستقل ارادہ اور نڈر دل اور نہایت استوار

ثابت قدمی سے عیسائی مذہب کا طرفدار ہوا۔ اور یہودیوں سے

مقابلہ کیا۔ اور علانیہ اور دلیرانہ اس بات کا اعلان کیا کہ "جان دی باپٹسٹ"

یعنی حضرت یحییٰؑ بلا شبہ سچے پیغمبر اور حضرت عیسیٰؑ بیشک عبد اللہ اور
کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے۔ پس کونسا مذہب اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہی
کہ وہ عیسائی مذہب کے حق میں اسلام سے زیادہ تر مفید ہے اور اُسنے
عیسائی مذہب کی حمایت میں اسلام سے زیادہ کوشش کی ہے۔ جو
سب سے بڑی خرابی حواریوں کے بعد عیسائی مذہب میں پیدا ہوگئی وہ تثلیث
فی التوحید اور توحید فی التثلیث کا مسئلہ تھا۔ اور یہہ ایک ایسا مسئلہ تھا جو اُس
لازوال مسیح کے بھی متناقض تھا۔ اور اُن خاص نصیحتوں کے بھی برخلاف
تھا جو حضرت عیسیٰؑ نے فرمائی تھیں۔ اور حواریوں نے انجیل میں لکھی تھیں
یہہ امر اسلام کی لازوال عظمت کا باعث ہے کہ اُسی نے خدائے واحد ذوالجلال
کی پرستش کو پھر جاری کیا۔ اور اُس خالص مذہب کو پھر سرسبز کیا جس کی
خاص تلقین حضرت عیسیٰؑ نے کی تھی۔ اسلام ہمیشہ اُس زمانہ کے عیسائیوں
کو اُن کی غلطیوں سے متنبہ کرتا رہا اور اب بھی کرتا رہتا ہے۔ اسلام نے عیسائیوں
سے اُسی سچے مذہب کے قبول کرنے کی استدعا کی جسکا وعظ حضرت مسیحؑ نے
کیا تھا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے "قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا" بہت سے
عیسائیوں کی اسلام کی روشنی سے آنکھیں کھُل گئیں اور اُس ذلیل حالت سے
خبردار ہوئے جس میں وہ مبتلا تھے۔ اور اُنہوں نے پھر اُسی رتبہ کے حاصل
کرنے کی کوشش کی جو پہلے اُنکو حاصل تھا۔ یعنی اُنہوں نے صرف قرآن
کی ہدایت سے تثلیث کے عقیدہ کو غلط سمجھا اور خدا کو وحدہ لاشریک لہٗ اور

عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو خدا کا مقدس بندہ مانا جو عین مسئلہ مذہب اسلام کا ہے چنانچہ وہ فرقہ اب موجود ہے۔ اور نہایت معزز لقب (یونی ٹیرین یعنی موحدین عیسائی) سے معزز ہے۔ اگر یہہ عقیدہ تھوڑی دیر کے لئے دنیا میں سے اٹھا لیا جاوے تو مسٹر گبن کی یہہ رائے عیسائیوں کے حال پر بالکل منطبق ہو جاوے گی کہ وہ اگر سینٹ پیٹر یا سینٹ پال۔ ویٹیکن یعنی پوپ کے محل میں آجائیں تو غالباً وہ اُس دیوتا کا نام دریافت کرینگے جسکی پرستش ایسی پُر اسرار رسومات کے ساتھ اُس عظیم الشان عبادتگاہ میں کیجاتی ہے۔ ایکسفورڈ یا جنیوا میں جا کر اُنکو چنداں حیرت نہوگی مگر گرجا میں جا کر سوال و جواب کا پڑھنا۔ اور جو کچھ صادق القول مفسروں نے اُن کی تحریرات اور اُن کے مالک کے کلمات کی تفسیر کی ہے اُسپر غور کرنا پڑے گا۔"

جو فائدے اسلام نے عیسائی مذہب کو پہنچائے اُن میں سب سے بڑا فائدہ یہہ ہے کہ اُسنے عیسائیوں کو پوپ کے بے انتہا اختیارات ناجائز سے نجات دی۔ اور عیسائیوں میں ایک زندگی کی روح پھونکدی تمام عیسائی پوپ کو حضرت عیسیٰ کا پورا با اختیار نائب سمجھتے تھے! اور اُسکو معصوم جانتے تھے! جیسے کہ اب بھی بہت سے فرقے عیسائیوں کے سمجھتے ہیں! اُن کا یقین تھا اور بہتوں کا اب بھی یقین ہے کہ دوزخ اور اعراف اور بہشت کے دروازوں کے کھولنے کا پوپ کو بالکل اختیار ہے! پوپ گناہگاروں کے گناہ بخشدینے کا دعویٰ رکھتا ہے!

پوپ کو پورا اختیار تھا کہ جس ناجائز چیز کو چاہے جائز کر دے۔ اور حقیقت پوپ بلحاظ اُن اختیارات کے جو اُسکو حاصل تھے اور جن اختیاروں کو وہ کام میں لاتا تھا کسی طرح حضرت عیسیٰ سے کم نہ تھا۔ بلکہ دو چار قدم آگے بڑھا ہوا تھا! قرآن ہی نے عیسائیوں کو اس خرابی سے مطلع کیا۔ اور جو بُرائیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں اُنکو بتلایا اور جا بجا عیسائیوں کو اس غلامانہ اطاعت پر ملامت کی اور اُن کو سمجھایا کہ اس رسوائی اور بے عقلی کی اطاعت کو چھوڑیں۔ اور خود آپ اپنے لئے سچ کی جستجو کریں۔ چنانچہ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا۔ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ۔ یعنی اے کتاب والو یعنی عیسائیو آؤ ایک بات پر کہ ہم میں اور تم میں یکساں ہے۔ اور وہ بات یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں اور نہ ہم کسی چیز کو اُسکے ساتھ شریک کریں۔ اور نہ بناویں ہم ایک دوسرے کو یعنی (لوپوں اور بڑے بڑے پادریوں کو) پروردگار خدا کے سوا" اور پھر دوسری جگہ فرمایا" اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ یعنی عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور درویشوں کو پروردگار بنا لیا خدا کے سوا اور مسیح ابن مریم کو بھی۔ اور اُن کو سوا اسکے اور کچھ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کی عبادت کریں کہ صرف وہی خدا ہے نہ اور کوئی جسنے پاک ہے اوس چیز

+ ہے کہ شریک کرتے ہیں" جب یہہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم جو اُسوقت عیسائی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور اُن کے گلے میں سونے کی صلیب پڑی ہوئی تھی۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اے عدی اِس بُت کو اپنے گلے سے نکال پھینک۔ چنانچہ اُنہوں نے نکال ڈالی۔ جب وہ پاس آئے تو آنحضرت قرآن کی یہہ آیت پڑھتے تھے کہ وہ عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور درویشوں کو پروردگار بنالیا خُدا کے سوا" جب پڑھ چکے تو عدی نے عرض کیا کہ ہم تو اُن کی پرستش نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا یہہ نہیں ہے کہ وہ حرام کردیتے ہیں اُس چیز کو جسے خدا نے حلال کیا پھر اُسکو حرام سمجھتے ہو اور حلال کردیتے ہیں اُس چیز کو جسے خدا نے حرام کیا پھر اُسکو حلال سمجھتے ہو۔ عدی نے کہا ہاں یہہ تو ہے آنحضرت نے فرمایا پس یہی ہے اُنکا پوجنا۔

ایک مدت تک عیسائی اسلام کو عداوت سے دیکھا کیے اور اُسکے ہر ایک مسئلہ سے بے سمجھے نفرت کرتے رہے مگر بعض نیک دل عیسائیوں نے کچھ تھوڑی بہت غور سے اُسکو دیکھا اور گالون اور لوتھر مقدس کے دل پر اُسکا کچھ کچھ اثر ہوا جبکہ اِن دونوں نے قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں کو

+ جارج سیل نے قرآن کے ترجمہ میں (جلد اول صفحہ ۲۲) لکھا ہے کہ "یہودیوں اور عیسائیوں پر بُت پرستی اور دیگر الزاموں کے سوا حضرت محمدؐ نے یہہ الزام لگایا ہے کہ وہ اپنے قسیسوں اور رھبانوں کی حد سے زیادہ اطاعت کرتے ہیں جنہوں نے اس بات کا قرار دینا کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی حرام اور خدا کی تعمیل کو ملتوی کر دینا اپنے اختیار میں لیا ہے" مؤلف عفی عنہ

پڑھا جسمیں پوپ کو اور پادریوں کو خدا کے سوا دوسرا خدا یا چھوٹا خدا ماننے کی مذمت تھی۔ تو وہ سمجھے اور اُس سچے مسئلہ نے اُنکے دل پر اثر کیا۔ اور جیسے کہ قرآن نے ہدایت کی تھی وہ سمجھے کہ ہر شخص فی الواقع آپ اپنا پوپ اور پادری ہے۔ وہ چلا اُٹھے کہ "پالیا پالیا" اور اُسی وقت پوپ کی غلامی سے آزاد ہوئی اور غلامانہ اور ذلیل حالت سے جسمیں وہ خود اور اون کے تمام ہم مذہب مبتلا تھے نکل آئے اور صاف صاف اُسکے برخلاف وعظ کرنے کو کھڑے ہو گئے جسکی بدولت ہم لاکھوں عیسائیوں کو پروٹسٹنٹ مذہب میں دیکھتے ہیں۔ اگر اسلام مذہب عیسائی کو یہہ نعمت نہ بخشتا تو آج تمام دنیا کے عیسائی ایسے ہی بُت پرست ہوتے جیسے کہ ابتک رومن کیتھلک فرقہ کے لوگ بُت پرست ہیں۔ اور حضرت مسیح کی مجسم مورت صلیب پر لٹکتی ہوئی کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ پس عیسائی مذہب پر یہہ کتنا بڑا احسان اسلام کا ہے۔ جو کہ درحقیقت لوتھر مقدس نے مذہب اسلام سے یہہ ہدایت پائی تھی اسلیئے اُسکے مخالف علانیہ اُسپر یہہ الزام لگاتے تھے کہ وہ دل سے مسلمان تھا۔+ تاہم اُسنے اپنی کوششوں کو نہیں چھوڑا

+ جلنی برادڈ نے پوپ کی طرف سے جرمنی کے رفارمروں کے اور خصوص لوتھر مقدس کے ذمہ یہہ الزام لگایا تھا کہ وہ عیسائیوں میں مذہب اسلام کو جاری کرتے اور تمام پادریوں کو اُس مذہب میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہواکنشی کی یہہ رائے ہے کہ مذہب اسلام میں اور لوتھر کے عقیدہ میں کچھ بہت فرق نہیں ہے۔ چنانچہ دونوں کا جوش بُت پرستی کے برخلاف ہے اُسپر غور کرو مارٹیلنس الفالنس والڈس کہتا ہے کہ تیرہ ۱۳ نشانیاں اس بات کے ثابت کرنے کو موجود ہیں کہ اسلام میں اور لوتھر کے مذہب میں ایک رتی بھر کا بھی تفاوت نہیں ہے۔ حضرت جمل نے بھی اُنہیں

اور آخرکار اُس عظیم الشان اصلاح کرنے پر کامیاب ہوا جو عموماً مذہب
پروٹسٹنٹ یا رفارمیشن کے نام سے مشہور ہے اور طبیعت انسانی
کو تمام غلامیوں کی بدترین غلامی سے (جو ایک مرشدانہ غلامی تھی) آزاد کردیا
ہمکو یقین ہے کہ اگر لوتھر مقدس اور زندہ رہتے تو ضرور وہ مسئلہ
تثلیث کے بھی مخالف ہوتے اور اسلام کی ہدایت سے خدا کی وحدانیت
کے مسئلہ کو بھی جو درحقیقت حضرت عیسیٰؑ نے بھی یہی مسئلہ تلقین کیا تھا لوگوں
میں پھیلاتے اور آخر اُس نبی آخر الزمان پر یقین کرتے جنے ایسی ایسی بڑی
غلطیوں سے عیسائی مذہب کو بچایا تھا۔ پس مذہب عیسوی کو ہمیشہ اسلام کا
احسانمند رہنا چاہیئے" انتہیٰ کلامہ سلمہ اللہ تعالیٰ۔

تتمہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:

باتوں کیطرف اشارہ کیا ہے جو یہ مرتد (پیروان لوتھر) کرتے ہیں۔ اُنہوں نے (حضرت محمدؐ نے)
روزوں کا وقت تبدیل کردیا اور یہہ لوگ (پیروان لوتھر) تمام روزوں سے نفرت کرتے ہیں (ایک
شخص نے اسکی تائید میں یہہ کہا تھا کہ قرآن میں بھی روزوں کی چنداں تاکید نہیں ہے بلکہ بعوض
روزہ کے غریبوں کو کھانا کھلا دینا لکھا ہے اُسی کی پیروی سے لوتھر نے روزوں سے نفرت اختیار
کی تھی۔ پس لوتھر کا مذہب اور اسلام کا مسئلہ درحقیقت ایک ہی تھا) اُنہوں نے اتوار کی
جگہہ جمعہ کو سبت قرار دیا اور یہہ کسی تہوار کو نہیں مانتے (اُسی شخص نے اسکی تائید میں
کہا کہ اسلام نے بھی درحقیقت سبت کا کوئی دن نہیں ٹھہرایا۔ وہ جمعہ کو بھی سب کام کرتے ہیں پس
اُسی کی پیروی لوتھر نے کی تھی) اُنہوں نے ولیوں کی پرستش کو رد کیا اور لوتھر کے فرقہ کے لوگ
بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ حضرت محمدؐ کسی کو اصطباغ نہیں دیتے تھے اور کالون بھی اسکو ضروری نہیں سمجھتا
اُن دونوں نے طلاق کو جائز رکھا ہے ۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ (انتخاب از کوارٹرلی ریویو نمبر ۲۵۴)

تہذیب روحانی کے دوسرے رکن یعنی معاد کو بھی قرآن مجید نے اِس عمدگی اور کاملیت سے بیان فرمایا ہے کہ اُسکی نظیر اور انبیا علیہم السلام کی کتابوں میں نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کی پانچوں کتابوں میں جو توریت کہلاتی ہیں) ہم کسی ایک میں بھی قیامت اور حشر و نشر کا کچھ ذکر نہیں پاتے۔ اور نہ مرنیکے بعد روح کی حالت کا کچھ بیان دیکھتے ہیں۔ اُنکی تعلیم کا دار و مدار صرف دنیاوی اُمور پر ہے۔ مثلاً نیکی کی جزا دشمن پر فتح پانا۔ اولاد کا ہونا۔ عمر کا بڑا ہونا۔ مفلسی سے نجات پانا بتایا ہے۔ اور بدی کی سزا مرنا۔ قحط پڑنا وبا کا ہونا۔ افلاس کا ہونا اور اسی قسم کی اور مصیبتوں کا آنا بیان ہوا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت بنی اسرائیل میں اُمور عقلی و روحانی کے ادراک کا مادہ نہ تھا۔* اور غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت

* سب سے پہلے جو قوم آخرت کی قایل ہوئی تھی یا سب سے بیشتر جس قوم نے انسان کے چال چلن کے اصول کو اِس مسئلہ پر مبنی کیا تھا وہ اہل مصر تھے۔ وہ لوگ تناسخ ارواح کے قائل تھے۔ اور اُسکے ساتھ عذاب و ثواب آخرت کے معتقد تھے۔ اُن کا اعتقاد یہ تھا کہ انسان قبر میں صرف اسلئے جاتا ہے کہ پھر زندہ ہوگا اور جب دوبارہ زندہ ہو چکتا ہے تو ایک تازہ حیات پاتا ہے اور آفتاب کے ساتھ رہتا ہے جو خالق اشیا اور مسبب الاسباب ہے۔ اور انسان کی روح کو آفتاب کی مانند غیر فانی سمجھتے تھے اور کہتے تھے۔ کہ روح بھی آفتاب کی طرح دورہ کیا کرتی ہے۔ اُنکا عقیدہ تھا کہ تمام اجسام زیر زمین جاتے ہیں مگر اُن کے دوبار زندہ ہونے کا یقین نہیں ہو اور جو مرجاتا ہے اُسائرس (مصریوں کے سب سے بڑے دیوتا کا نام ہے) اور اُسکے بیالیس۴۲ نائب بازپرس کرتے ہیں اور جو لوگ گنہگار قرار پاتے ہیں وہ بالکل فنا ہو جاتے ہیں۔ اور نیک آدمی گناہان صغیرہ سے پاک ہوکر داخل بہشت ہوتے ہیں اور اُسائرس کی رفاقت میں اطعمہ لذیذہ کھاتے ہیں

کلیمہم اللہ۔ اُنکو بقائے روح اور قیامت اور جزا و سزاے اُخروی کا مسئلہ
نہ سمجھا سکے۔ اور صرف دُنیاوی بیم و اُمید اور خوف و رجا کے ذریعہ سے اُن
کے اخلاق کو ترقی دینے پر مجبور ہوئے۔ مگر جُوں جُوں زمانہ ترقی کرتا گیا
وُوں وُوں بنی اسرائیل میں توحید ذات و صفات باری کے اعتقاد
کی طرح قیامت اور جزا و سزا کا اعتقاد بھی پھیلتا گیا۔ چنانچہ حضرت یحییٰؑ
اور حضرت مسیحؑ کی بعثت کے زمانہ میں ایک فرقہ کے سوا جو صدُّوقی
کہلاتا تھا۔ یہودی علی العموم حیات بعد الموت اور جزا و سزاے اُخروی
کے قائل تھے۔ گو کہ اُس کی کیفیت میں مختلف الرّائے تھے۔ یعنی فرِّوسی
فرقہ کے لوگ عذاب و ثواب کو جسم اور جان دونوں سے متعلق سمجھتے تھے
اور اَسِینی فرقہ والے (حضرت یحیا اسی فرقہ کے لوگوں میں سے
تھے) اُس کو صرف روحانی مانتے تھے۔ پس حضرت رُوح اللہ کے لئے
پہلے ہی سے رستہ صاف تھا اور آپ کا اس مسئلہ کو ایسے طور پر بیان
کردینا کافی تھا جو مذکورہ بالا فرقوں کے خیالات کا جامع یعنی روحانیت و
جسمانیت دونوں کو لیے ہوئے ہو۔ چنانچہ انجیل کے تقریبًا ہر ایک صفحہ سے
ہمارے اِس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور صاف صاف ظاہر ہوتا ہے۔
کہ جناب ممدوح نے جو کچھ اُس باب میں فرمایا ہے وہ دونوں فرقوں کے

تتمۂ حاشیہ صفحہ

بنی اسرائیل کا قیام مصر میں اتنے عرصہ تک رہا کہ خواہ مخواہ خیال ہوتا ہے کہ اُن میں بھی آخرت
اور عذاب و ثواب اُخروی کا عقیدہ شایع ہوگا مگر نہایت تعجب ہے کہ توریت مقدس اس خیال سے
بالکل خالی ہے۔ مؤلف عفی عنہٗ

خیالات کو ملحوظ رکھکر فرمایا ہے۔ مثلاً انجیل متّی کے پانچویں اور بائیسویں
باب میں منقول ہے کہ مومنین آخرت میں خدا تعالیٰ کے دیدار سے مشرف
ہونگے۔ اور یہہ کہ وہ فرشتوں کی مانند ہونگے۔ یعنی بھوک پیاس
اور اور خواہشہاے نفسانی سے مبرا ہونگے۔ مگر اسی کتاب کے آٹھویں
باب میں لکھا ہے کہ "بہتیرے پورب اور پچھم سے آئینگے اور ابرہام
اور اسحاق اور یعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہت میں
بیٹھینگے۔ اور بادشاہت کے فرزند (یعنی غیر ایماندار بنی اسرائیل)
باہر کے اندھیرے میں ڈالے جائینگے وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا"
اور تیرھویں باب میں لکھا ہے "اور اُنہیں آگ کے تنور میں ڈالدینگے
وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا" اور پچیسویں باب میں ہے "تب بادشاہ
(یعنی حضرت مسیح) اُنہیں جو اُسکے داہنے ہیں کہیگا آؤ میرے
باپ کے مبارکو اور اُس بادشاہت کو جو بناے عالم سے تمہارے لئے
تیار کی گئی ہے میراث میں لو۔ اور بائیں طرف والوں سے بھی کہیگا اے
ملعونوں میرے سامنے سے چلے جاؤ اُس ہمیشہ کی آگ میں جو ابلیس اور
اُسکے فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے" اور اسی کتاب کے چھبیسویں
باب کی اُنتیسویں آیت اور انجیل لوقا کے تیرھویں باب کی اُنتیسویں
اور بائیسویں باب کی تیسویں آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ "اہل بہشت حضرت
روح اللہ اور اور انبیا علیہم السلام کے ساتھ بیٹھکر ایک میز پر کھائینگے اور
پیئنگے اور انگوری شراب پینے کو ملیگی" اور اسی انجیل کے سولھویں باب کی

چوبیسویں اور پچیسویں آیتوں سے "اہل جہنم کا آگ میں جلنے کے علاوہ پیاس کے عذاب میں مبتلا ہونا بھی ثابت ہوتا ہے" اور مرقس کے نویں باب کی چوالیسویں اور اڑتالیسویں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "دوزخ میں آگ کے علاوہ سانپ بھی ہوں گے"۔ مقدس یوحنّا نے بہشت و دوزخ کی جو تصویر اپنے مکاشفات میں دکھائی ہے اُسکا بھی یہی حال ہے۔ کہ مادیت اور روحانیّت دونوں رنگوں سے رنگی ہوئی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "اُسنے مجھے کہا کہ ہو چکا۔ میں اَلفا اور اُومیگا ابتدا اور انتہا ہوں۔ اُسکو جو پیاسا ہے آبِ حیات کے چشمہ سے مفت پینے دونگا۔ پر ڈرنے والوں اور بے ایمانوں اور نفرتیوں اور خونیوں اور حرامکاروں اور جادوگروں اور بت پرستوں اور سب جھوٹوں کا حصہ اُسی جھیل میں ہوگا جو آگ اور گندھک سے جلتی ہے۔ یہہ دوسری موت ہے۔ اور ایک اُن سات فرشتوں میں سے جن کے پاس وہ سات پیالے تھے جن میں پچھلی سات آفتیں بھری تھیں۔ میرے پاس آیا اور مجھسے کہا کہ ادھر آمیں تجھے دولھن یعنی بّرے (حضرت مسیح مراد ہیں) کی جورو دکھاؤنگا اور مجھے روحانی طور پر ایک بڑے اور اونچے پہاڑ پر لے گیا اور شہر بزرگ یروشلیم کو آسمان پر سے خدا کے پاس سے اُترتے دکھایا اُسمیں خدا کا جلال تھا اور اُس کی روشنی سب سے بیش قیمت پتھر کی مانند اُس یَشم کی سی تھی جو بلور کی طرح شفاف ہو۔ اور اُسکی بڑی اور اونچی دیوار تھی اور اُسکے بارہ[۱۲] دروازے اور دروازوں پر بارہ[۱۲] فرشتے اور لکھے

ہوئے نام سے تھے جو بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں کے ہیں۔ پورب
کو تین دروازے اُتر کو تین دروازے دکھن کو تین دروازے اور
پچھم کو تین دروازے۔ اور شہر کی دیوار کی بارہ نیویں اور اُن پر برے
کے بارہ رسولوں کے نام تھے۔ اور جو مجھسے بول رہا تھا اُسکے ہاتھ میں
سونے کی ایک جریب تھی۔ تاکہ شہر اور اُسکے دروازوں اور اسکی دیوار کو
ناپے۔ اور شہر چوکونا بنا ہے اور اُسکی لمبان اتنی ہے جتنی اوسکی چوڑان اور
اُسنے شہر کو جریب سے ناپ کر ساڑھے سات سو کوس پایا۔ اُسکی لمبائی
اور چوڑائی اور اونچائی یکساں تھی۔ اور اُس نے دیوار کو ناپا اور ایک سو چوالیس
ہاتھ پایا آدمی کے ناپ کے موافق جو فرشتہ کا تھا۔ دیوار یشم کی بنی تھی
اور شہر خالص سونے کا شفاف شیشہ کی مانند تھا۔ اور شہر کی دیواروں
کی نیویں ہر طرح کے جواہر سے آراستہ تھیں۔ پہلی نیو یشم کی۔ دوسری
نیلم کی۔ تیسری شب چراغ کی۔ چوتھی زمرد کی۔ پانچویں عقیق کی چھٹی
لعل کی۔ ساتویں سنہرے پتھر کی۔ آٹھویں فیروزہ کی۔ نویں
زبرجد کی۔ دسویں یمانی کی۔ گیارہویں سنگ سنبلی کی۔ بارہویں
یاقوت کی تھی۔ بارہ دروازے بارہ موتی تھے۔ ہر دروازہ ایک ایک
موتی کا۔ اور شہر کی سڑک خالص سونے کی تھی شفاف شیشہ کی مانند
✤ ✤ ✤ اور اُس نے آبِ حیات کی ایک صاف ندی بلور کی طرح شفاف
جو خدا اور برے کے تخت سے نکلتی تھی مجھے دکھائی اور اُس شہر کی سڑک
کے بیچ اور ندی کے وار پار زندگی کا درخت تھا جو بارہ دفعہ پھلتا اور ہر مہینے

میں اپنا پھل دیتا ہے - اور درخت کے پتے قوموں کی شفا کے واسطے ہیں - اور پھر کوئی لعنت نہوگی - اور خدا اور برّے کا تخت اُسمیں ہوگا - اور اُسکے بندے اُسکی بندگی کرینگے - اور اُسکا مونہہ دیکھینگے - اور اُسکا نام اُنکے ماتھوں پر ہوگا - اور وہاں رات نہوگی - اور وہ چراغ اور سورج کی روشنی کے محتاج نہیں کیونکہ خدا وند خدا اون کو روشن کرتا ہے - اور وہ ابدالآباد بادشاہت کرینگے"۔

مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس قوم میں مبعوث ہوئے اُسکی حالت بنی اسرائیل کی حالت سے بالکل مختلف تھی - وہ انسان کے وجود کو ایک درخت یا ایک جانور کے وجود سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ وہ پیدا ہوتا ہے اور بڑھتا ہے اور ایک حد پر پہنچکر تنزل پکڑتا ہے اور مرجاتا ہے جس طرح کہ کوئی ادنیٰ جانور مرجاتا ہے - اور جانوروں ہی کی مانند بالکل نیست ونابود ہوجاتا ہے - وہ نفس ناطقہ یا روح کے وجود سے قطعاً بیخبر تھے اور یہہ سمجھتے تھے کہ انسان کا خون بجز انسان کی سانس کے اور کچھ نہیں اور روح محض ایک ہوا اُسکے جسم کے اندر ہے اُنکا عقیدہ تھا کہ مقتول آدمی کے سر میں سے ایک چھوٹا سا پرند جانور پیدا ہوتا ہے اور جبتک کہ اُسکا بدلہ نہیں لیا جاتا (یعنی اُسکے قاتل کو قتل نہیں کیا جاتا) یہ جانور اُسکی قبر پر یہہ کہکر چیختا رہتا ہے "اِسقُونی اِسقُونی" یعنی مجھے پانی پلاؤ پانی پلاؤ - اُنکا یہہ بھی عقیدہ تھا کہ مُردہ کی ہڈیاں گل گلاکر آخرکار یہہ جانور بنجاتی ہیں - اس عجیب جانور کو وہ صَدیٰ اور ھَامَہ کہتے تھے اور

ایسے احمق تھے کہ یہہ سمجھتے تھے کہ یہہ جانور بڑھکر ایک اُلو کی برابر ہو جاتا ہے دیکھو لبید شاعر اپنے ممدوح کے مرثیہ میں کہتا ہے ؎

فَلَیْسَ النَّاسُ بَعْدَكَ فِی نَفِیْرٍ	وَمَا هُمْ غَیْرَ اَصْدَاءٍ وَهَامٍ

اُنکو مطلقاً اِسکا خیال نہ تھا کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی بھی ہوگی۔ اور انسان کو اُس سب سے بڑے بادشاہ کی عدالت میں حاضر ہونا اور اپنے اعمال و افعال کا جواب دینا پڑے گا جسکی سلطنت ازلی و ابدی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب آخرت اور جزا و سزا کا نام سنتے تو نہایت متعجب ہو کر کہتے "أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا" (قرآن مجید سورہ بنی اسرائیل) "أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَدِينُونَ" (سورہ صافات) "أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ" (سورہ واقعہ) "أَإِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ" (سورہ سجدہ) "أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخِرَةً" (سورہ نازعات) یعنی۔ کیا جب ہو جائیں گے ہم چند ہڈیاں اور ریزہ ریزہ۔ کیا ہم پھر اُٹھائے جائیں گے نئے پیدا ہو کر؟۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے۔ کیا بدلہ دیئے جائیں گے (یعنی اعمال کی جزا و سزا ہم کو دیجائے گی)؟ کیا جب ہم مر جائینگے اور ہو جائیں گے مٹی اور ہڈیاں۔ کیا ہم پھر اُٹھائے جائینگے؟ کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (اُٹھائے جائینگے)؟ کیا جب ہم زمین میں گُم ہو جائیں گے۔ (یعنی گل گلا کر مٹی ہو کر اُس میں ملجائینگے) تو کیا ہم ایک نئی پیدایش میں آئینگے؟

کیا ہم لوٹائے جاوینگے پچھلے پانوں؟ کیا جب ہم ہونگے ہڈیاں گلی ہوئی!
اور بڑے اصرار سے کہتے تھے "اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا
نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْن" (سورہ انعام) اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا
نَحْنُ بِمُنْشَرِيْن، (سورہ دخان) مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ
نَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ" (سورہ جاثیہ) یعنی - یہہ زندگی کچھہ نہیں
مگر صرف یہی دنیا کی زندگی اور ہم پھر اُٹھنے والے نہیں - یہہ موت
(یعنی روحانی موت) کچھہ نہیں - مگر یہی پہلی (یعنی دنیا کی) موت
اور ہم پھر زندہ کیے جانے والے نہیں - یہہ زندگی (یعنی مرکر پھر جینا)
بالکل نہیں - مگر ہماری یہی دنیا کی زندگی - ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں -
اور صرف زمانہ ہی ہم کو مارتا ہے (نہ اور کوئی) اور کمال نادانی سے یہ
بیہودہ حجت پیش کرتے تھے "اِئْتُوْا بِاٰبَائِنَا اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْن"
(سورہ جاثیہ و دخان) یعنی ہمارے پرکھوں کو لے آؤ اگر تم سچے ہو - اور
اسی پر اکتفا نہ کرتے تھے - بلکہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے واقف نہ تھے اُنکو بطور ایک اعجوبہ کے یہہ کہا کرتے تھے "هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ"
(سورہ سبا) یعنی - کیا ہم تمکو ایک ایسا شخص بتائیں جو تم کو یہہ بتاتے
کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ کیے جاچکے ہوگے (یعنی تمہارا ذرہ ذرہ مٹی
میں ملچکا ہوگا) تو تم بیشک نئے سر سے پیدا ہوگے" اور پھر
اُن سے پوچھتے تھے "اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ" یعنی

آیا اُسنے خدا پر بہتان باندھا ہے یا اسکو جنون ہے؟ (جو ایسی خلاف عقل بات کہتا ہے) غرضکہ وہ صرف اس جسم اور اس ہئیت کذائی ہی کو انسان جانتے تھے۔ نفس ناطقہ یا روح کے وجود کے قائل نہ تھے اور نہ اُسکے افعال اور نہ اُسکی ذمہ داریوں سے واقف تھے۔ اور اسی وجہ سے یہہ سمجھتے تھے کہ جب آدمی مر گیا اور مٹی مٹی میں اور پانی پانی میں اور ہوا ہوا میں مل گئی اور جسم سڑ گل کر معدوم ہوگیا۔ تو عذاب و ثواب کیسا اور کس پر۔ اب ہر ایک شخص سمجھ سکتا اور غور کر سکتا ہے کہ جن لوگوں کے خیالات ایسے پست اور تنگ و تاریک ہوں۔ اور اُنہوں نے پشت ہا پشت سے انہیں خیالات میں نشو و نما پائی ہو اُنکو یہہ یقین دلانا کہ اس جسم خاکی کے اندر ایک ایسی چیز بھی ہے جو فنا ہونے والی نہیں۔ اور وہ اپنے افعال و اعمال کی جواب دہ اور ذمہ دار ہے۔ اور پھر عذاب و ثواب کو جو عقلی اور روحانی حقیقتیں ہیں اُنکے ذہن نشین کرنا کس قدر مشکل کام تھا۔ لیکن اُس اُمی مگر فطرت اللہ کے سب سے بڑے واعظ کے فضل و کمال کو دیکھنا چاہئے جس کا نام نامی محمدؐ ہے کہ اُسنے اپنی اُمت کے لوگوں کی ناقابلیت کی وجہ سے اس باریک و دقیق مسئلہ میں حضرت کلیم کی طرح سکوت اختیار نفرمایا۔ اور نہایت آسان اور عام فہم دلیلوں اور تمثیلوں سے اُسکو لوگوں کے ذہن نشین کیا۔ اور جزا و سزا کی حقیقت کو ایسے فصیح و بلیغ اور مؤثر و دلنشین طریقوں اور پیرایوں میں بیان فرمایا کہ بہشت و دوزخ کو گویا آنکھوں سے دکھا دیا۔ اور اس طرح پر ایک ایسی مردہ دل قوم میں جو

بقول سر ولیم میور" روحانیت کے اعتبار سے خدا جانے کس قدر زمانہ
سے بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی" اپنے کلام جان بخش سے حیات
ابدی کی ایک تازہ روح پھونکدی - چنانچہ دوش صاحب جو ایک نامدار
جرمن مورخ ہیں لکھتے ہیں کہ "شادی و غم - عشق و محبت و ہمت و غصہ
کے وہ عظیم الشان اظہارات جنکی کچھہ خفیف سی صدائیں اب ہمارے کان
میں آتی ہیں محمد کے زمانہ میں پوری پوری آواز رکھتے تھے اور محمد
کو سب سے زیادہ فصیح و بلیغ لوگوں سے صرف برابری ہی کرنی نہیں پڑی
تھی بلکہ اُنپر فوق لیجانا پڑا تھا - اور اپنے کلام کی فصاحت و بلاغت کو
اپنے دعوی رسالت کی دلیل گرداننا پڑا تھا - محمدؐ کے پیشتر کے شعرا نے
عاشقانہ اشعار بہت کہے تھے - چنانچہ عنترہ نے جسکے عشق کا حال ایک
بہت مشہور داستان میں لکھا ہے - اور امرؤ القیس نے جس کو محمدؐ
نے پیشوائے شعرائے عرب مگر رہنمائے اہل جہنم بتایا ہے - نہایت
عالی اور آبدار مضامین عشقیہ نظم کیے - اور شراب و کباب اور معشوقان
ماہوش و سیمیں تن کی تعریف میں فصاحت و بلاغت کے دریا
بہا دیئے - مگر محمدؐ نے عاشقانہ مضامین نظم نہیں کیے - نہ کوئی
عاشقانہ غزل کہی - نہ اِس دُنیائے فانی کے رنج و راحت - نہ عرب
کی شمشیر آبدار و شتر بے مہار - نہ عرب کے رشک و حسد اور خواہش انتقام
نہ کسی قوم و قبیلہ کے آبا و اجداد کی شجاعت و جوانمردی نظم کی - نہ کوئی ایسا
مضمون بیان کیا جس سے معلوم ہو کہ اُسکے نزدیک وجود بشر کی کوئی حقیقت

ہی نہیں اور انسان کے لیے مطلقاً فنا ہو جانا ہی ہے۔ الغرض اُسنے لوگوں کو شعر و سخن نہیں سکھایا۔ بلکہ اسلام سکھایا۔ اور کیونکر سکھایا کہ زمین و آسمان کو شق کر کے جنت و نار کو مجسم کر کے دکھا دیا* نتیجہ جسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ وہی جتنے کے اندہے عرب جنکو صرف یہہ دنیا ہی سوجھتی تھی اور آیندہ کے حال سے بالکل بیخبر تھے اپنی اپنی استعداد و قابلیت کے موافق مدارج ایمان و ایقان اور عرفان میں ایسے ترقی کر گئے اور نور معرفت سے اُنکی آنکھیں ایسی روشن ہوگئیں کہ بعض نفوس عالیہ۔ قیامت اور جو کچھ کہ اُس عالم میں پیش آنے والا ہے۔ اُسکو اسی عالم میں دیکھنے لگے چنانچہ امام العرفا و سید الاوصیا حضرت علیؑ مرتضی علیہ التحیۃ والثنا نے جو خلیفہ برحق اور مظہر اتم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم و حکمت† اور ایمان و معرفت کے ہیں علانیہ کہدیا۔ لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ

* دیکھو رسالہ کوارٹرلی ریویو جلد ۱۲۷۔ نمبر ۲۵۴ لندن ۱۸۶۹ء مؤلف

† حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ "اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا" یعنی فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "کہ میں شہر علم علیم درست" "اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا" یعنی فرمایا آنحضرت نے کہ میں حکمت الٰہیہ کا گھر ہوں اور علیؑ اوسکا دروازہ ہے (دیکھو کتاب مشکوٰۃ و جامع ترمذی وغیرہ باب مناقب علیؑ علیہ السلام۔

جناب مقدس مرتضوی کے فضائل و کمالات کا اعتراف نہ صرف اُن کے کفش بردار مومنوں اور مسلمانوں ہی کو ہے۔ بلکہ مخالفوں اور غیر مذہب والوں نے بھی بڑے شد و مد سے اُسکا اعتراف کیا ہے دیکھو ہائی کورٹ بمبئی کے فاضل جج مسٹر جسٹس آرنولڈ نے ایڈووکیٹ جنرل بنام محمد حسن خوجہ

مَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا" یعنی اگر یہہ حجاب جسمانی اُٹھ جاے۔ تو بھی میرا یقین کچھ نہین بڑہنے کا۔ یعنی خدا کے وجود اور احوال آخرت کی نسبت جو یقین اور اطمینان قلبی اور لوگوں کو اس دنیا سے گزرنیکے بعد حاصل ہوگا وہ مجکو اسی عالم میں حاصل ہے۔ اور آپ کے اصحاب میں سے ذِعلب نامی ایک شخص نے جو یہہ سوال کیا کہ "هَلْ رَأَیْتَ رَبَّکَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ" یعنی۔ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے یا امیر المومنین" تو آپ نے فرمایا "اَفَاَعْبُدُ مَا لَا اَرٰی" یعنی پھر کیا میں اُسکی پرستش کرتا ہون جسکو دیکھتا نہیں۔ اور جب اُسنے عرض کیا کہ "کَیْفَ تَرَاهُ" یعنی آپ اُسے کیونکر دیکھتے ہیں۔ تو غایت درجہ کی تنزیہ و تقدیس اور حکمت و معرفت سے بھرا ہوا یہہ جواب دیا "لَا تُدْرِکُهُ الْعُیُوْنُ بِمُشَاهَدَةِ الْعِیَانِ وَلٰکِنْ تُدْرِکُهُ الْقُلُوْبُ بِحَقَایِقِ الْاِیْمَانِ" یعنی۔ آنکھیں اُسکو کھلم کھلا نہیں دیکھہ سکتیں مگر دل ایمان کی حقیقتوں سے اُسکو دیکھہ لیتے ہیں یعنی جب انسان کا دل ماسوی اللہ کی کدورتوں سے پاک و صاف ہوکر آئینہ کی مانند مجلے و شفاف ہوجاتا ہے۔ یہانتک کہ اُسکو اپنے وجود سے بھی ذہول اور بیخبری ہوجاتی ہے۔ تو نور جلال و جمال الٰہی اُسمیں چمکنے لگتا ہے اور انسان میں اور خدا میں کوئی پردہ اور حجاب نہیں رہتا۔ اور وہ ایمان و

کے مشہور مقدمہ میں جو ایک نہایت عالمانہ فیصلہ لکھا تھا اُسمیں یہہ لکھا ہے "الغرض علی کی شہادت سے سب مسلمانوں میں ایک تہلکہ عظیم پڑگیا۔ علی کو سب لوگ دل سے دوست رکھتے تھے اور وہ اسی قابل تھے۔ اُس زمانہ میں بھی جبکہ شجاعان عرب شہرہ آفاق تھے۔ ضرغام آل ابوطالب

معرفت کے اُس درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ جسکو رویت اور دیدار سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ایک ایسا روحانی مکاشفہ حاصل ہو جاتا ہے کہ گویا خدا کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ فَلِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ ؎

حجاب و پردہ ندارد نگار سرکش ما	تو خود حجابِ خودی حافظ از میان برخیز

پس محدث جلیل مُحمّدؐ بن اِسمٰعِیل بُخاری اور مسلم نے جو جریر بن عبداللہ سے یہہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ”اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ عِیَانًا“ یعنی۔ بیشک قریب ہے کہ تم اپنے پروردگار کو ظاہر طور پر دیکھو گے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ ھٰذَا الْقَمَرَ“ یعنی۔ جس طرح تم اِس چاند کو دیکھ رہے ہو قریب ہے کہ اُسی طرح اپنے پروردگار کو دیکھو گے اور ایسی ہی اور چند روایتیں جو رویت کے باب میں کتاب مِشکوٰۃ میں منقول ہیں اگر صحیح ہوں تو اُنکا مدعا بھی یہی مکاشفہ روحانی ہے جو کامل المعرفت مومنین کو عالم آخرت میں نہایت اتم و اکمل طور پر حاصل ہو گا۔ نہ اور کچھ۔ کیونکہ رویت بصری تو عقلاً ناممکن ہے۔ اور نص صریح قرآنی اور حدیث صحیح نبوی کے بھی برخلاف ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے ”لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ“ یعنی۔ یہہ ظاہر کی آنکھیں اُس کو (یعنی ذات مقدس الٰہی کو) نہیں

اَسَدُ اللّٰہُ الغالب اُنکا لقب تھا۔ اور اشجع العرب اُن کو کہتے تھے۔ شجاعت حکمت ہمت عدالت۔ سخاوت اور زہد و تقوی میں علیؑ کا عدیل و نظیر تاریخ عالم میں کمتر نظر آتا ہے (ماخوذ از لارپورٹ بمبئی جلد دوازدہم) مولف عفی عنہ

دیکھہ سکتیں۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جیسا کہ مشکوۃ کے اسی باب مین بروایت مسلم آنحضرت کے خادم خاص ابو ذر سے منقول ہے۔ کہ اُنھوں نے آپ سے عرض کیا کہ ھل رائت ربک یعنی۔ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ نورٌ انی اراہ " یعنی خدا تو نور ہے میں اُسکو کیونکر دیکھہ سکتا ہوں۔ یعنی بقول طیبی شارح مشکوۃ "نور اُسکا حجاب ہے۔ کیونکہ نور کا کمال دیکھنے کا مانع ہوتا ہے" جیسے آفتاب کا نور جو خدا کی مخلوقات میں سے ایک ادنیٰ مخلوق ہے۔ اُسکی ذات کی رویت کا مانع ہے۔ پس خدا جو نور اور روشنی کا بھی خالق ہے اُسکو یہہ ظاہری آنکھیں کیونکر دیکھہ سکتی ہیں۔ "وما للتراب ورب الارباب"

ہمارے اس بیان کے پڑھنے کے بعد ہر ایک منصف مزاج شخص (اگر کوئی ایسا شخص ہو) یہہ فتویٰ دینے میں تامل نکریگا کہ جس کتاب کی تعلیم روح کو ایسی ترقی دینے والی اور نتیجے ایسے عظیم الشان و معجز ہیں کہ اگر اُن کو ابراے اکمہ و احیاے موتی سے تعبیر کیا جاے تو مبالغہ نہیں ہے۔ اور جو لطافت زبان و حسن بیاں کے اعتبار سے اپنی نوع میں یکہ و یگانہ اور کامل تر و اعلیٰ تر ہے۔ وہ کسی ایسے وجود کا کلام نہیں ہو سکتی جو خود ہی اپنی فطرت میں ناقص و عاجز اور مرکب عن الخطاء والنسیان ہو بلکہ اُسکا مصدر وہی کامل الذات اور ہمہ قدرت ہستی ہونی چاہئے جو تمام زمین و آسمان۔ اجرام و اجسام۔ ارواح و اشباح۔ کی خالق۔ اور اندھیرے

کو اجالا۔ اوجیالے کو اندھیرا۔ معدوم کو موجود۔ موجود کو معدوم۔ زندوں کو مردہ اور مردوں کو زندہ کر دینے پر قادر ہے۔ کیونکہ کامل شے کا صدور کامل ہی سے ہو سکتا ہے ناقص سے نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بشپ مڈلٹن جو ایک عالم و فاضل شخص تھا کہتا ہے کہ "یونانی توریت اور انجیل سے بالکل جہالت اور وحشیانہ پن ظاہر ہوتا ہے۔ اور جملہ عیوب سے جنکا کسی زبان میں پایا جانا ممکن ہے بھری ہوئی ہیں۔ مگر ہم کو از روے فطرت کے خود بخود یہہ توقع ہوتی ہے کہ الہامی زبان کا سلیس و لطیف اور عمدہ و پر اثر ہونا چاہیئے اور اُسکا عام کلام کی قوت اور اثر سے بھی متجاوز ہونا ضرور ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی چیز ایسی نہیں ہو سکتی جسمیں کسی قسم کا نقص ہو۔ خلاصہ یہہ کہ ہم کو افلاطون کی سی لطافت اور سسرو کی سی بلاغت کا متوقع ہونا چاہیئے" اور اسی اصول پر مبنی ہے وہ دعویٰ جو قرآن مجید کی اُن آیتوں میں کیا گیا ہے جو ہم اپنی اس کتاب کے شروع میں لکھ آئے ہیں۔ اور جن میں سے ایک آیت یہہ ہے۔ "قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا"

عرب جاہلیت دیووں اور خبیث ارواحوں کو مانتے تھے تمام خیالی اور وہمی اور فرضی صورتیں جو بیابانوں یا پرانی مسمار و منہدم عمارتوں میں اُنکو نظر آتیں (جنکی کہ تنہا آدمی کے خیال میں اکثر صورت بنجاتی ہے) اُن سب کو مختلف قسم کی خبیث ارواحیں تصور کرتے تھے۔ نیک اور بد

جنات میں عقیدہ رکھتے تھے۔ اُن کی مختلف صورتیں اور شکلیں مقرر کی تھیں اور مختلف نام رکھے تھے۔ اُن کے نزدیک بعض جنات نصف جسم انسان کا سا اور نصف جسم روحانی رکھتے تھے۔ اُن کو جنگلوں اور پہاڑوں میں انسانوں سے مخفی رہنے والے جانتے تھے۔ اور شریر اور زبردست وقوی ہیکل لمبا تڑنگا خیال کرتے تھے۔ اور اُن کی پرستش کرتے تھے۔ اُن میں جنوں کے وجود کا یقین ایسا پھیل گیا تھا کہ یہ سمجھتے تھے کہ ہر ایک جنگل میں جن رہتے ہیں۔ چنانچہ جب سفر کو جاتے یا شکار کے لئے کسی جنگل میں اُترتے تو اُس جنگل یا میدان کے جنوں کے سردار سے پناہ مانگتے اور کہتے "اَعُوذُ بِعَظِیمِ هٰذَا الوَادِی" اُنہوں نے عبقر نامی ایک خیالی شہر قرار دے رکھا تھا اور سمجھتے تھے کہ اُس میں بہت کثرت سے جن رہتے ہیں اور ہر ایک عمدہ و عجیب چیز کو اِس خیال سے اُسکی طرف منسوب کرتے تھے کہ گویا وہ جنوں کی بنائی ہوئی ہے۔ غرضکہ وہ جنوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ اور مشکل سے مشکل چیز کے بنا لینے پر قادر سمجھتے تھے۔ شعرا کا یہ اعتقاد تھا کہ ایک ایک جن اُنکے اختیار میں رہتا ہے اور جس قدر بڑا شاعر ہوتا ہے اُسی قدر زبردست جن اُسکا محکوم ہوتا ہے۔ دیکھو مُوسیٰ بن جابر شاعر اپنی تعلی میں کہتا ہے "وَمَا نَفَرَت جِنّیِ وَمَا فُلَّ مِبرَدِی" یعنی میرا جن بدک نہیں گیا اور نہ میرا سوہان ہی بیکار ہو گیا ہے پس خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کے الہامی اور ربانی الاصل ہونے کے دعوے کو موکد کرنے کے لئے اپنے رسول کو فرمایا کہ ان بعض کافروں سے کہتے

ہیں کہ ہم چاہیں تو قرآن کی مثل لا سکتے ہیں" تو ان سے کہدے کہ آدمی
تو کیا اگر جن بھی (جن کو تم اپنے خیال میں جنیں یا جنّات سمجھتے ہو) تمہاری مدد کے
لیے متفق ہو جائیں تو بھی کوئی ایسا کلام نہ لا سکیں گے جو اسرار حقیقت و
معرفت اور علم و حکمت و مکارم اخلاق و اصول عامہ سیاست سے بھرپور
اور حسن بیان و لطافت زبان اور اثر قوت میں قرآن کی مانند ہو" اور تاریخ
گواہ ہے کہ عرب جاہلیت باوجود اس غایت مرتبہ کی عداوت و مخالفت
کے جو بانی اسلام علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام سے رکھتے تھے۔ اور اس اعلیٰ
واکمل درجہ کی دستگاہ کے جو فصاحت و بلاغت میں اُنکو حاصل تھی۔ اور
اُس انتہا کی جد و کد اور اصرار و استبداد کے جو آنحضرت کے دعوی رسالت
کی تکذیب اور قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کی تردید میں کرتے تھے
قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی چھوٹی سورہ کی مانند بھی نہیں لا سکے۔ اور ان کا
وہ سب سے بڑا اور نامی گرامی شاعر جو انا ولاغیری کا دم بھرتا تھا۔ اور جسکا نام
لبید تھا سورہ بقرہ کی چند آیتوں کو پڑھکر بے اختیار چلا اُٹھا کہ خدا اور اس شخص
کے سوا جسپر وحی نازل ہوتی ہو کوئی انسان ایسا کلام نہیں کر سکتا۔ اور فوراً
شرک و بت پرستی کو چھوڑ کر خدا پرست مسلمان ہو گیا۔ چنانچہ جارج سیل
صاحب اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "یہ بات علی العموم
مسلم ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں جو جملہ اقوام عرب میں شریف ترین
و مہذب ترین قوم ہے انتہا کی لطیف اور پاکیزہ زبان میں لکھا گیا ہے۔
لیکن اور زبانوں کی بھی کسی قدر آمیزش ہے۔ گو وہ آمیزش بہت ہی قلیل ہو

وہ لاکلام عربی زبان کا نمونہ ہے - اور زیادہ پکے عقیدہ کے لوگوں کا یہ
قول ہے اور نیز اس کتاب سے بھی ثابت ہے کہ کوئی انسان اس کا
مثل نہیں لکھ سکتا (گو بعض فرقوں[۵۱] کی مختلف راے ہے) اور اسی
واسطے اُسے لازوال معجزہ قرار دیا ہے جو مُردوں کے زندہ کرنے سے
بڑھکر ہے - اور تمام دنیا کو اپنے ربّانی الاصل ہونے کا ثبوت دینے کے
لئے اکیلا کافی ہے - اور خود محمدؐ نے بھی اپنی رسالت کے ثبوت کے
لئے اسی معجزہ کی طرف رجوع کیا تھا اور بڑے بڑے فصحاے عرب کو
(جہاں کہ اُس زمانہ میں اس قسم کے ہزارہا آدمی موجود تھے جن کا خاص یہ
شغل اور حوصلہ تھا کہ طرز تحریر اور عبارت آرائی کی لطافت میں لایق و
فایق ہو جائیں) علانیہ کہلا بھیجا تھا کہ اسکے مقابلہ کی ایک سورہ ہی بنا دو -
اس بات کے اظہار کے واسطے کہ اس کتاب کی خوبیٔ تحریر کی اُن ذی لیاقت
لوگوں نے فی الواقع تعریف و توصیف کی تھی جنکا اس کام میں بہتر ہونا مسلم
ہے منجملہ بیشمار مثالوں کے ایک مثال کو بیاں کرتا ہوں - لبید بن ربیعہ
عامری جو محمدؐ کے زمانہ میں سب سے بڑے زبان آوروں میں سے
تھا اُس کا ایک قصیدہ[۵۲] خانہ کعبہ کے دروازہ پر چسپاں تھا (یہ رتبہ نہایت
اعلی تصنیف کے لیے مرعی تھا) اور کسی شاعر کو اُسکے مقابل میں کسیطرح

۵۱ بعض فرقوں کی جگہ بعض شخصوں کہنا مناسب تھا - مؤلف عفی عنہ

۵۲ مشہور و معروف قصاید "سبعۂ معلقہ" میں سے چوتھا قصیدہ وہی ہے جسکا ذکر
مسٹر سیل نے اخیر اس بیان میں کیا ہے - مؤلف عفی عنہ

تصنیف کے پیش کرنے کی جرات نہوئی تھی۔ لیکن جبکہ تھوڑے ہی عرصہ
کے بعد قرآن کی دوسری سورہ (بقرہ) کی آیتیں اُسکے مقابلہ میں لگائی گئیں
تو خود لبید (جو اُس زمانہ میں مشرکین میں سے تھا) شروع ہی کی
آیت پڑھکر بحر تحیر میں غوطہ زن ہوا۔ اور فی الفور مذہب اسلام قبول کر لیا اور
بیان کیا کہ ایسے الفاظ صرف نبی ہی کی زبان سے برآمد ہو سکتے ہیں۔"
اور متصلاً لکھتے ہیں کہ وہ قرآن کا طرز تحریر عموماً خوشنما اور روان ہے بالخصوص
اُس جگہہ کہ جہاں وہ پیغمبرانہ وضع اور توریتی جملوں کو نقل کرتا ہے وہ مختصر
اور بعض مقامات میں مبہم ہے۔ اور ایشیائی ڈھنگ کے موافق پُر
حیرت صنعتوں سے وضع۔ اور روشن اور پُر معنی جملوں سے مزین
ہے۔ اور اکثر جگہہ اور علی الخصوص اُس مقام پر جہاں کہ اللہ تعالی
کی عظمت اور اوصاف کا بیان ہے نہایت عالی مرتبہ اور رفیع الشان ہے"
پس مسٹر گبن کا یہہ لکھنا کہ "وہ آنحضرت جوش مذہبی یا خود پسندی کی
تحریک سے اپنی رسالت کی صداقت کو اپنے قرآن کی خوبی پر منحصر کرتے ہیں
اور دلیری کے ساتھہ یہہ دعوی کرتے ہیں کہ انسان اور ملائک دونوں میں
سے کوئی تو اُسکے ایک صفحہ کی مانند بنا دے۔ اور پھر خود ہی بڑے زور
سے یہہ کہتے ہیں کہ ایسا بے نظیر کلام صرف اللہ تعالی ہی کی طرف سے
ہو سکتا ہے"۔ اور نیز یہہ کہنا کہ "وہ یہہ دلیل نہایت استحکام کے ساتھہ
ایک محو عقیدت عرب کی طرف خطاب کی گئی ہے جس کی طبیعت وجد
میں آکر ایمان لے آنے اور کان خوش آیند الفاظ کو سنکر مسرت اندوز ہونیکے

لیئے موزون - اور جسکی بے علمی انسانی ذہانت کے ایجادوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے" صریحًا تاریخ سے چشم پوشی کرنا ہے - کیا اُن ہزارہا فصحاو بُلغا میں جنکا بقول مسٹر سیل "محض یہہ شغل اور حوصلہ تھا کہ طرز تحریر اور عبارت آرائی کی لطافت میں بالایق و فایق ہوجائیں" کوئی بھی ایسا نہ تھا؟ جو ایک ایسے شخص کا کہ جو نہ کسی مکتب میں بیٹھا - نہ کسی اُستاد سے پڑھا - اور نہ کسی شاعر سے شعر کہنا سیکھا - مقابلہ کرتا اور قرآن کی طرز کے چند چھوٹے چھوٹے فقرے لکھکر اُسکے اس بڑے دعوے کو جو مسٹر گبن کے نزدیک "جوش مذہبی یا خود پسندی کا نتیجہ تھا" رد کر دیتا - اور اسطرح سے اپنی قوم اور اپنے خدا اُنکو اُس آفت سے بچا لیتا جو آخر کار اُس ناصح امین کی بات نہ ماننے سے جو نہایت دلسوزی و ہمدردی اور ہمجنسی کے جوش سے صرف اُن ہی کے بھلے کی خاطر انکو نصیحت کرتا تھا اُن پر پڑی - اور جبکہ باوجود اُسکے بار بار کے اس دعوے کے کوئی فصیح سے فصیح اور بلیغ سے بلیغ اُسکی تردید نہیں کر سکا اور وہ لوگ لفظی مقابلہ کو چھوڑکر تیر و شمشیر کے ساتھ مقابلہ پر مجبور ہوے تو صاف ثابت ہے کہ یہہ ایک ربانی کرشمہ تھا جس نے تمام فصحا و بلغاے عرب کو قرآن کے مقابلہ میں ناچار اور عاجز کر دیا تھا اور خدا کا یہہ فرمانا بالکل سچ تھا اور ہے کہ "قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ (الی آخر الآیۃ)

عیسائی مصنفوں نے جنمیں سے ایک سر ولیم میور بھی ہیں بڑی جد و جہد کے بعد اپنے نزدیک قرآن مجید میں یہہ عیب نکالا ہے کہ اُسکے قصص و احکام اور بیانات میں بے ربطی ہے چنانچہ گبن استہزاءً

لکھتا ہے کہ "یورپ کا کافر قرآن کے قصص اور مواعظ اور بیان کی بے انتہا ناموزون بے ربطی کو جس سے شاذ ہی کوئی تصور یا خیال پیدا ہوتا ہے اور جو کبھی تو ایسا پست ہے کہ گویا زمین پر لوٹتا ہے اور کبھی ایسا بلند ہے کہ گویا بادلوں کے پار ہو جاتا ہے بے صبری کے ساتھ پڑھتا ہے" اور اگرچہ اوس نے اِسکی وجہ نہایت انصاف سے خود ہی بیان کر دی ہے کہ "طرز بیان کی فصاحت و بلاغت ترجمہ کے ذریعہ سے یورپ کے کافر تک نہیں پہنچ سکتی" مگر ہم پر فرض ہے کہ اسکو کسیقدر تفصیل سے ساتھ بیان کریں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جاے کہ مخالفین کے بیانات میں کہانتک سچائی ہے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید اپنی اصلی مُوہنی اور دِلرُبا صورت میں فرنگستان میں نہیں پہونچا۔ بلکہ اُس شکل میں وہاں پہنچا ہے جسکا خاکہ مسٹر گاڈفرے ہگینس نے عمدہ طور پر ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ "اگر عبرانی کتب مقدسہ کا ترجمہ اس طرح پر شایع کیا جاے کہ ہر لفظ قابل تبدیل متین اور شایستہ معنی سے ذلیل اور غیر مہذب معنی میں بدل دیا جاے۔ اور ہر آیت کا مضمون کسی جوڑ توڑ اور ناقابل برداشت غلط ترجموں اور غلط تاویلوں کے ساتھ مصنف پر معیوب معنی پہنانے کا ذریعہ بنایا جاے۔ اور ایک بیقدر اور خراب شرح اُسکے ساتھ لگا دی جاے تو اُس ذریعہ کا کسی قدر تصور بندھ سکتا ہے کہ جسکی وساطت سے قرآن کی اشاعت یورپ میں ہوئی" اور چند اور مشہور و معروف عیسائی مصنفوں نے بھی اسکی تائید کی ہے۔

چنانچہ مانشیو رسیواری جو ایک فرانسیسی مترجم قرآن ہے مانشیو ڈو رائیر (یہہ شخص گورنمنٹ فرانس کی طرف سے مصر میں کانسل تھا اور زبان عربی و ترکی جانتا تھا) کے ترجمہ کی نسبت لکھتا ہے کہ "اگر قرآن جو تمام ایشیائی ملکوں میں عبارت کے کمال اور قوت خیالات کے مجد و اجلال میں اعلیٰ مرتبہ پر ہے ڈو رائر کے ترجمہ میں ایک نامرتب اور سست و بے مزہ بیان کہ جس سے طبیعت دق ہو جاے معلوم ہو تو یہہ الزام اُس طرز پر لگانا واجب ہے جو ڈو رائر نے اس ترجمہ میں اختیار کی۔ یہہ کتاب زبور داؤد کی مانند جدا جدا آیتوں میں ہے۔ یہہ طرز تحریر جو نبیوں نے اختیار کی اس غرض سے تھی کہ نثر میں زندہ خیالات اور نظم کے استعارے اور محاورات بیان میں آسکیں۔ ڈو رائر نے بلا لحاظ متن کے سب آیتوں کو ملا دیا۔ اور اُن کو ایک بیان مسلسل کر دیا۔ اور اس مصیبت کے رفع کرنے کو نکمی تفسیرین اور بیکارہ عبارتیں بیچ میں ملا دیں جس سے اسکے خیالات کی شان اور عبارت کی فریبندگی بالکل جاتی رہی اور اصل کی تعریف ناممکن ہو گئی۔ اس ترجمہ سے کوئی نہیں خیال کر سکتا کہ قرآن عربی زبان میں وحید و فرید ہے"

اور اسی ترجمہ کی نسبت سیل صاحب لکھتے ہیں کہ "اسکے ہر صفحہ میں غلطیاں ہیں۔ اور اکثر تبدل اور حذف و زیادتی کی ایسی خطائیں ہیں جو اس قسم کی تصنیف میں معاف و معذور نہیں ہو سکتیں"

قرآن مجید کا ایک اور ترجمہ جو فادر لیوئیس مراکشی نے کیا اور حامل المتن

مع حاشیہ چھاپا گیا۔ اسکی نسبت ما نسئیور سیواری“ لکھتا ہے کہ ”اس
فاضل راہب نے جس نے چالیس برس ترجمہ اور تردید کرنے میں صرف
کئے صحیح طریقہ کا برتاؤ کیا۔ یعنی متن کے موافق آیتوں کی تقسیم کی مگر ترجمہ
لفظی کر ڈالا۔ اسنے قرآن کے مضمون کو نہیں بیان کیا۔ بلکہ اسکو لاطینی
وحشی زبان میں پریشان کر دیا ہے۔ اور گو اصل عبارت کی سب خوبیاں
اس ترجمہ سے جاتی رہیں۔ تاہم اس ترجمہ کو ڈو رائر کے ترجمہ پر ترجیح ہے“
مراکشی نے جو ایک نہایت متعصب شخص تھا ایک رسالہ بھی اسلام
کی تردید میں اس ترجمہ کے ساتھ چھاپا تھا۔ اُسکے طرز استدلال کی نسبت مسٹر
سیل لکھتے ہیں کہ ”جو حاشیے اسنے لگائے وہ تو بڑے فائدے
کے ہیں۔ مگر اسکی تردید جسکی وجہ سے کتاب کی ضخامت بہت بڑھ گئی۔
وہ بہت ہی کم یا کسی کام کی نہیں۔ کیونکہ اکثر ناکافی اور گاہ گاہ گستاخانہ ہے“
پہلا انگریزی ترجمہ جو مسٹر الکزنڈر داس نے کیا وہ ڈو رائر کے
ترجمہ کا ترجمہ ہے اور اسلئے وہ خرابی اسمیں بھی ہے جو ڈو رائر کے ترجمہ
میں ہے۔ البتہ دوسرا ترجمہ جو مسٹر جارج سیل نے کیا کسیقدر اچھا ہے
مگر وہ عیب جسکی شکایت سیواری نے کی ہے اور جسنے لطف مناسبت
وارتباطِ آیات کو کھو دیا۔ جس کے باعث سے پڑھنے والوں کو ”ایک بے مزہ
پھیکی اور الجھاؤ کی تقریر معلوم ہوتی ہے“ اُس میں بھی موجود ہے
یعنی آیتوں کی تفریق نہیں کی اور تمام کتاب کو ایک بیان مسلسل
کر دیا ہے۔

غرضکہ اس قسم کے ترجموں[۱] کے ذریعہ سے قرآن مجید یورپ میں پہنچا ہے اور مسلمانوں کو تو خدا نے توفیق ہی نہیں دی کہ خود دوسری زبانوں میں ترجمہ کرتے اور مختلف ملکوں میں شائع کرتے۔ اور اسطرح پر قرآن مجید کا اصلی

---

[۱] فہرست مندرجہ ذیل سے یہ ظاہر ہوگا کہ بارہویں صدی عیسوی سے لیکر اسوقت تک یورپ کی کس کس زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ ہوا ہے۔

شمار	مترجم کا نام	زبان	سنہ
(۱)	رابرٹ روٹن این سس	لاطن	سنہ ۱۱۴۳ء
(۲)	انڈریا ارادابینی	اطالیہ	
(۳)	جوھانس انڈریاس	ایروگونین*	سنہ ۱۵۰۰ء
(۴)	انڈریو ڈو رایر	فرنچ	سنہ ۱۶۰۰ء
(۵)	الگزنڈر راس	انگریزی	
(۶)	لیوئیس مراکشی	لاطن	سنہ ۱۶۹۸ء
(۷)	جارج سیل	انگریزی	سنہ ۱۷۳۴ء
(۸)	میگرلن	جرمن	سنہ ۱۷۷۲ء
(۹)	سیواری	فرنچ	سنہ ۱۷۸۳ء
(۱۰)	واھل	جرمن	سنہ ۱۸۲۸ء
(۱۱)	گارسن ڈی ٹاسی	فرنچ	سنہ ۱۸۲۹ء
(۱۲)	کاسمرسکی	ایضاً	سنہ ۱۸۴۰ء
(۱۳)	الممان	جرمن	سنہ ۱۸۴۰ء
(۱۴)	جے۔ ایم راڈویل۔ ایم۔ اے	انگریزی	سنہ ۱۸۶۱ء

* ایروگونیا اسپین کے ایک صوبہ کا نام ہے۔ انکی زبان کو ایروگونین کہتے ہیں یعنی منسوب بہ ایروگونیا۔ مؤلف

حسن و جمال لوگوں کو دکھاتے مگر بقول سعدی کہ "حاجت مشاطہ نیست روے دلارام را" اُسنے خود ہی اپنے روے روشن سے نقاب اُٹھاکر وہ ربانی تجلی کی کہ اُن ہی لوگوں میں سے جو اُسکے مخالف اور منکر تھے حقیقت بیں اہل نظر کو اپنا والہ و شیدا کرلیا اور وہ ہزار دل سے اُسکے خداداد حسن و جمال اور فضل و کمال پر فریفتہ ہوگئے اور بے اختیار اُنکی زبان پر آگیا کہ وہ از سرتا پا صداقت اور ہر قسم کے اوصاف کا معدن و مخزن ہے - چنانچہ مسٹر طامس کارلائل مرحوم جو اس صدی کے نہایت مشہور و معروف فضلا میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ "وو میرے نزدیک قرآن میں سچائی کا جوہر اُسکے تمام معنی میں موجود ہے جسنے اُسکو وحشی عربوں کی نظر میں بیش بہا کردیا تھا - سب سے اخیر یہہ کہا جاسکتا ہے کہ یہہ کتاب یعنی قرآن سب سے اول اور سب سے اخیر جو عمدگیاں ہیں وہ اپنے میں رکھتا ہے اور ہر قسم کے اوصاف کا بانی ہے بلکہ دراصل ہر قسم کے وصف کی بنا صرف اُسی سے ہوسکتی ہے"*

مسٹر گاڈفرے ہیگنس جو وہ بھی علم و فضل اور بے تعصبی و انصاف پسندی میں بڑے عالی رتبہ شخص ہیں لکھتے ہیں کہ "وو مسیح کی انجیل کی طرح قرآن غریب آدمی کا دوست اور غمخوار ہے - بڑے آدمیوں کی ناانصافی کی ہر جگہہ مذمت کرتا ہے - وہ آدمیوں کی باعتبار مدارج کے توقیر نہیں کرتا - یہہ امر اُسکے مصنف کی (خواہ وہ عرب کے نامی پیغمبر محمدؐ ہوں خواہ

* دیکھو کتاب ہیروز اینڈ ہیروز وورشپ - لکچر دوئم - مؤلف عفی عنہ

اُنکے خلیفہ عثمان) لازوال نیکنامی کا باعث ہے کہ اُنمیں ایسا ایک
بھی حکم نہیں بتلایا جا سکتا ہے کہ جسمیں پولٹیکل خوشامد و رو داری کیطرف ذرا سا
بھی میل ہو جیسا کہ وسیٹ منسٹر ریویو میں منصفانہ رائے دیگئی ہے کہ "اگر خود مختار
وجابر ایشیائی فرماں رواؤں کو اُنکے ارادہ سے کوئی چیز کبھی روک سکتی ہو تو وہ
غالباً قرآن کی ایک بے تکلف آیت کسی ذی جرأت واعظ کی زبانی ہوگی"
مسٹر جان ڈیون پورٹ جو یہ بھی ایک بڑے عالم اور غیر متعصب
شخص ہیں فرماتے ہیں کہ "منجملہ اُن بہت ہی اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کے جو
قرآن کے لئے واجب طور پر باعث فخر و ناز ہو سکتی ہیں دو خوبیاں نہایت
بیّن ہیں۔ یعنی اول تو اُسکا وہ مودبانہ اور ہیبت و رعب سے بھرا ہوا طرز بیان
جو ہر ایک مقام پر جہاں خدا تعالیٰ کا ذکر یا اُسکی ذات کی طرف اشارہ ہے
اختیار کیا گیا ہے۔ اور جسمیں خداوند عالم کو اُن جذبوں اور اخلاقی نقصوں سے
منسوب نہیں کیا جو انسان میں پائے جاتے ہیں۔ دوسرے اُسکا اُن تمام
خیالات و الفاظ اور قصوں سے مبرا ہونا جو فحش اور خلاف اخلاق اور
نامہذب ہوں حالانکہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ یہہ عیوب توریت
وغیرہ کتب مقدسہ یہود میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ فی الحقیقت
قرآن اِن سخت عیوب سے ایسا مبرا ہے کہ اوسمیں خفیف سی خفیف
ترمیم کی بھی ضرورت نہیں اور اول سے آخر تک پڑھجاؤ تو اُس میں کوئی
بھی ایسا لفظ نہ پاؤ گے جو پڑھنے والے کے چہرہ پر شرم و حیا کے
آثار پیدا کرے۔ قرآن میں ذات باری کی تعریف نہایت مشرح اور صاف ہے

اور جو مذہب اُسنے اپنی ان خوبیوں کے ساتھ قایم کیا ہے وہ وحدانیت
الٰہی کا نہایت پختہ اور شدید یقین ہے - اور بجاے اسکے کہ اللہ تعالی
کو فلسفیانہ طور پر صرف ایسا مسبب الاسباب مان لیا جاے جو اس عالم کو
مقررہ قوانین پر چلاکر خود ایسی شان و عظمت کے ساتھ الگ ہے کہ اوس
تک کوئی شے نہیں پہونچ سکتی - قرآن کی روسے وہ ہر وقت حاضر و
ناظر ہے - اور اوسکی قدرتِ کاملہ ہمیشہ اس عالم میں عامل اور متصرف ہے
علاوہ ازیں اسلام ایسا مذہب ہے جسکے اصول میں کوئی امر متنازع فیہ
نہیں اور چونکہ اوسمیں کوئی ایسا معما نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آے اور زبردستی
قبول کرنا پڑے اسلیئے وہ لوگوں کے خیالات کو ایک سیدھی سادی اور
ایسی پرستش پر قایم رکھتا ہے جو تغیر پذیر نہیں ہے حالانکہ تیز و تند اور
اندھادھند جوش مذہبی نے پیروانِ اسلام کو اکثر اوقات آپے سے باہر
کردیا ہے - اور سب سے اخیر بات یہہ ہے کہ مذہب اسلام ایسا مذہب
ہے کہ جس سے ولیوں - شہیدوں اور تبرکات اور تصویروں کی پرستش
اور ناقابل فہم باتیں اور حکیمانہ باریکیاں اور راہبوں کی تجرد و تعذیب نفس
بالکل خارج کردی گئی ہے - چنانچہ اسلام میں ایسے ثبوت موجود ہیں جن پر
خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے بانی نے ماہیت اشیا اور اُس
زمانہ کی قوموں کی حالت اور نیز اِس امر پر کہ مسائل مذہبی عقل سے کیونکر مطابق
ہو سکتے ہیں ایک دیرینہ اور عمیق غور کے بعد اپنے مذہب کی بنا ڈالی ہے
اور اسوجہ سے یہہ کچھ محلِ تعجب نہیں ہے کہ اسلامی طور کی پرستش اہل کعبہ

کی بت بندگی اور صابئین کی پرستش اجرام فلکی اور زردشتیوں کی آتش پرستی پر غالب آگئی"

قرآن مجید کے تبدیل مضامین و تفنن بیان کی نسبت کہ جو سر ولیم میور کی مخالفانہ و متعصبانہ نگاہ میں "گونجنے والی۔ اور سامعہ خراش۔ ابتر۔ خام بے سری مکرر بیانی۔ طول کلام۔ الجھاوٹ۔ نہایت خام و مہمل" معلوم ہوتی ہے مسٹر دوش لکھتے ہیں کہ "اُن تبدیلات مضامین میں جو مثل برق کے تیز و طرار ہیں اس کتاب کی ایک نہایت بڑی خوبصورتی پائی جاتی ہے۔ اور گوئٹھے (ایک مشہور ترین جرمن فاضل ہے) کا یہ قول بجا ہے کہ جسقدر ہم اُسکے قریب پہنچتے ہیں یعنی اُسپر زیادہ غور کرتے ہیں وہ ہمیشہ دور کھچتی جاتی ہے یعنی زیادہ اعلیٰ معلوم ہوتی ہے۔ وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہے پھر متعجب کرتی ہے اور آخر کار فرحت آمیز تحیر میں ڈالدیتی ہے"

پس دیکھو کہ ایک ہی شے مختلف آنکھوں کو کیسی مختلف نظر آتی ہے سعدی علیہ الرحمہ نے سچ کہا ہے ؎

چشم بداندیش کہ برکندہ باد	عیب نماید ہنرش در نظر

اور یہی مورخ اپنے آرٹیکل کے ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ "ہم دفعتًا از راہ ترجیح اس عجیب کتاب کی ماہیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جسکی اعانت سے عربوں نے سکندر اعظم کے جہان سے بڑا جہان اور رومۃ الکبریٰ کی سلطنت سے وسیع تر سلطنت فتح کرلی اور جسقدر زمانہ کہ سلطنت روم کو اپنی فتوحات کے حاصل کرنے میں درکار ہوا تھا اُسکا

دسواں حصہ بھی اُنکو نہ لگا۔ ایسی کتاب جسکی اعانت سے جملہ بنی سام میں بھی لوگ بحیثیت سلاطین یورپ میں آئے تھے۔ جہاں کہ اہل فینیشیا (شام و فلسطین) تاجروں کی حیثیت سے اور یہود پناہ گیروں یا قیدیوں کی طرح پر آئے تھے۔ یہی لوگ مع ان پناہ گیروں کے یورپ کو انسانیت کی روشنی دکھانیکے لئے آئے تھے یہی لوگ جبکہ تاریکی چھا رہی تھی۔ یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندہ کرنے اور اہل مغرب اور اہل مشرق کو فلسفہ۔ طب۔ ہیئت اور نظم لکھنے کا خوشنما اور دلچسپ فن سکھانے اور علوم جدیدہ کی بنا ڈالنے اور ہم لوگوں کو غرناطہ (گرینڈا) کی تباہی کے دن ہمیشہ کیلئے رلانیکو آئے تھے"

ریورینڈ راڈویل صاحب اگرچہ قرآن مجید کی نسبت چند بے اصل اور غلط الزامات قایم کرتے ہیں۔ مگر اسپر بھی خلاف توقع اُن کے قلم سے ایسا کچھ نکل گیا ہے جسکو آنحضرت اور قرآن مجید کا گویا معجزہ کہنا چاہیے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "محمد کی زندگانی کا مدعا توحید الہی کا اعلان کرنا تھا اور وہ بیشک اسمیں کامیاب ہو گیا۔ جسقدر کہ نہایت صحیح تاریخی واقعات پر نظر کرنے سے ہمکو محمد کی سیرت سے اصلی واقفیت حاصل ہوتی ہے اُسیقدر مراکشی۔ پریڈو اور دیگر مصنفین کی سخت کلامی اور بدزبانی ہم پر غلط ثابت ہوتی ہے۔ اور یہہ کہنا حقیقت الامر کے زیادہ تر قریب ہوگا کہ وہ بیشک ایک اعلیٰ درجہ کا شخص تھا۔ اگرچہ کچھ نقص بھی رکھتا تھا۔ اور ایک سچا واعظ تھا۔ اگرچہ غلطی میں پڑا ہوا تھا۔ مگر اوسکی بہت سی غلطیوں اور نقصوں کی وجہ اُسکے زمانہ کی حالت تھی۔ اور ضرور ہے کہ جس مذہب کا وہ اصل بانی تھا اُسمیں سچائی اور نکوئی کے اصول بھی ہوں ورنہ یہہ معما

حل ہونا مشکل ہے کہ اوسکی تعلیم کا اثر جسکو بے شبہ اُسکے پیرووں کے
فتحمند ہتھیاروں سے نے بہت تیز کر دیا اس وقت تک کہ تقریباً تیرہ صدیاں
گزر چکی ہیں ہمارے زمانہ کے پندرہ کرور آدمیوں میں جو کل دنیا کے چھٹے
حصہ سے زیادہ ہیں کس طرح قائم رہا - یہہ بھی مان لینا ضرور ہے کہ قرآن
نے جس طور پر خدا کی ذات کی تعریف بلحاظ اُسکی وحدانیت اور تمام جہان
کا پروردگار اور عالم الغیب اور قادر مطلق ہونیکے بیان کی ہے اُسکے لئے
وہ نہایت اعلیٰ درجہ کی تعریف کا مستحق ہے اور یہہ بھی مان لینا واجب ہے
کہ قرآن کو صرف خدائے واحد پر نہایت پرجوش اور گہرا یقین ہے - اور
گو کہ اُسمیں متوہمانہ تخیلات اور کہانیاں بھی ہیں اور طفلانہ آداب و رسوم
مذہبی کی بھی تعلیم کرتا ہے - اور ظلم و جبر اور غلامی و تعدد ازواج کی بھی اجازت
دیتا ہے - مگر باوجود ان باتوں کے اُس میں ایک نہایت اعلیٰ درجہ
کی عمیق سچائی ہے جو ایسے الفاظ میں بیان کی گئی ہے جو باوجود
اختصار کے قوی اور کثیر الدلالۃ اور ملہمانہ حکمت سے بھرے ہوئے
ہیں اور اُسنے ثابت کر دیا ہے کہ اوسمیں ایسے اصول موجود ہیں جن پر نہایت
قوی قومیں اور گو مستقل اور قیام پذیر بادشاہتیں تو شاید نہیں - مگر ایک
فتح کرنے والی سلطنتیں ضرور قائم ہو سکتی ہیں - اگرچہ اسلام بہت
سی باتوں کے لحاظ سے ایک ناکامیابی ہے لیکن یہہ زیادہ تر قرآن
ہی کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ایک بے آب و علف جزیرہ نما کے باشندے
جنکے افلاس کی برابری صرف اُنکی جہالت ہی کر سکتی تھی نہ صرف ایک

سے نئے مذہب کے پُرجوش اور سچے پیرو بن گئے بلکہ عمرؓ اور بہت سے اور
لوگوں کی طرح اُسکے بزورِ شمشیر پھیلانے والے ہو گئے - وہ لوگ
مملکتوں کے بانی اور شہروں کے آباد کنندہ اور (جتنے کتب خانے
اُنہوں نے خراب+ کئے تھے اُن سے زیادہ) کتب خانوں کے جمع کرنیوالے
ہو گئے - اور فسطاط - بغداد - قرطبہ (کارڈووا) اور دہلی کو
وہ قوت ہوئی کہ عیسائی یورپ کو کپکپا دیا - اور اس طرح سے قرآن

+ چند سال ہوئے کہ اِس الزام کی تردید میں دو نہایت محققانہ نوٹ پرچہ تہذیب الاخلاق
سنہ ۱۲۹۱ ہجری میں چھپے تھے - جنمیں سے ایک تو ہمارے محترم دوست مولوی چراغ علیخان
بہادر مخاطب بہ اعظم یار جنگ سلمہ اللہ تعالیٰ عہدہ دار سرکار آصفیہ حیدرآباد
کے پر زور قلم کا نتیجہ تھا - اور دوسرا اخبار پاینیر الہ آباد کے قابل ایڈیٹر کی تحقیق و تدقیق
کا ثمرہ - جو اخبار پاینیر مطبوعہ آٹھویں اکتوبر سنہ ۱۸۷۵ء سے نقل کیا گیا تھا - جنکو دلچسپ سمجھکر ہم بلفظہ
یہاں لکھدینا مناسب سمجھتے ہیں -

مولوی چراغ علیخان صاحب بہادر لکھتے ہیں کہ دو معلوم نہیں
مصنف نے (یعنی مسٹر راڈویل نے) کس حادثہ پر اشارہ کیا ہے - لوگوں
کے ذہن اسطرف جائینگے کہ اسکندریہ کے کتب خانہ کی ویرانی جو عمرو بن
العاص کے ہاتھ سے خلیفہ ثانی کے حکم سے ہوئی - مگر اہل یورپ میں ابتو یہہ
عام رائے ہے کہ یہہ قصہ دروغ محض اور بے بنیاد ہے - چیمبر صاحب کے - انسائکلوپیڈیا
جلد اول میں اسکندریا کے کتب خانہ کے بیان میں لکھا ہے کہ دو متعصب
عیسائیوں کے ایک گروہ نے بسرکردگی ارک بشپ تھیا فلیس حملہ کرکے سنہ ۳۹۱ء

جسمیں یہ وسیع قوت پائی جاتی ہے اور جسمیں ایسے اصول ہیں کہ جو
اس قوت کے ظہور کا منبع ہیں۔ اس قابل ہے کہ اوسکی قدر ہمیشہ بلحاظ
ایک مجموعہ قوانین اور سلسلہ تعلیم مذہبی کے اُن تبدیلیوں کے اندازہ
سے ہونی چاہیے جو اُسنے اُن لوگوں کی عادات و اعتقادات میں کیں
جنہوں نے اُسکو طوعاً خواہ کرہاً قبول کیا" وَالْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

تین سو اکانوے عیسوی میں جو پیٹر سراپس کے بتخانہ کو ڈھا دیا اور غالباً وہاں کے
علمی خزانہ یعنی کتب خانہ کو بھی برباد کیا۔ اور یہہ اسوقت میں ہوا کہ کتب خانہ کی تباہی شروع
ہوئی نہ ۶۳۲ء چھ سو بتیس عیسوی میں عرب کے ہاتھوں سے خلافت عمرؓ میں۔ وہ قصہ جسمیں
یہ ہے کہ عربوں کو بہت سی کتابیں جو چھ مہینے تک حمام گرم کرنے کے لئے کافی ہوں وہاں
مل گئی تھیں سخریہ کے طور پر مبالغۃً بیان کیا گیا ہے مورخ اروسیوس جسنے اس مقام
کو بعد ازاں کہ عیسائیوں نے اسے خراب کر ڈالا تھا ملاحظہ کیا لکھتا ہے کہ "اُسنے اسوقت
کتب خانہ کی صرف خالی الماریاں دیکھیں" مسلمانوں میں تاریخی واقعات میں تسامح
اور مساہلت بہت ہوئی ہے اسوجہ سے بے تکے اڑ جاتے ہیں۔ شاید اس قصہ کی ابتدا
عبد الطیف (ولادت ۱۱۶۲ء) (وفات ۱۲۳۱ء) صاحب تاریخ مصر
سے ہوئی ہو اسکے بعد ابو الفرجیوس (ولادت ۱۲۲۶ء) (وفات ۱۲۸۲ء) عیسائی مورخ
ارمنی اسقف کے ذریعہ سے بہت شہرت ہوئی اور احمد المقریزی القاہری (ولادت
۱۳۶۰ء) (وفات ۱۴۴۲ء) اور ابن خلدون وغیرہ مورخوں نے مقلدانہ نقل کیا۔ مگر یوطی
کبوس مصری بطریق اسکندریہ (ولادت ۸۷۶ء) (وفات ۹۴۰ء) اور
جارج الماسین مصری مورخ (ولادت ۱۲۲۳ء) (وفات ۱۲۷۳ء) ان

اَب ہم اپنے دوست مسٹر گبن سے جو یہہ کہتا ہے کہ "اگر قرآن کی تحریر استعداد انسانی سے بڑھکر ہے تو ہُومر کی ایلیڈ اور دی ماستھینز کی فیلپکس کس برتر عقل کی طرف منسوب کرنی چاہیئے" یہہ سوال کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ کیا ہومر اور دی ماستھینز کے زمانہ کے یونانیون نے اپنی زبان کو ایسی ترقی دی تھی اور اُسمیں ایسا کمال بہم پہنچایا تھا جیسا کہ صاحبِ قرآن علیہ وآلہ صلوات الرحمٰن کے زمانہ کے اہل عرب نے اُسکو ترقی دی تھی اور اوسمیں کمال بہم پہنچایا تھا؟ اور کیا ہومر اور دی ماستھینز نے اپنے کسی ایسے دعوے کے اثبات کے لئے جیسا کہ صاحبِ قرآن کا دعوی رسالت و نبوت تھا اپنی ایلیڈ یا فیلپکس کو دلیل گردانا تھا؟ کیونکہ

دونوں عیسائی قدیم و جدید مورخوں اور ملک اسماعیل ابوالفدا (ولادت ۱۲۷۳ء) (وفات ۱۳۳۱ء) مسلمان مورخ اور نیز اوروں نے اِس امر کا ذکر نہیں کیا۔ اور اڈورڈ گبن (ولادت ۱۷۳۷ء) (وفات ۱۷۹۴ء) اور الگزنڈر ہمبولٹ جرمن مورخ نے بڑی قوت سے انکار کیا ہے (دیکھو تاریخ روم جلد ششم ۶ صفحہ ۳۶۶ مطبوعہ ۱۸۶۲ء۔ اور جلد دویم کتاب کاسمس صفحہ ۵۸۲ مطبوعہ ۱۸۶۴ء) مجھے ایک حیرت ہے کہ جبکہ کتب خانۂ اسکندریہ ۶۳۲ء میں جلگیا تھا تو نسخہ کوڈکس اسکندریہ جو قبل ہجرت کا لکھا ہوا کہلاتا ہے کیونکر بچ رہا ہوگا! ۔ انتہی

صاحب اخبار پاینر لکھتا ہے کہ "ٹولمی سوٹر اور اُسکے جانشین فیلا ڈلفس نے مقام بروشیم میں جو اسکندریہ کے امیروں کے رہنے کی جگہہ تھی بادشاہی محل کے پاس ایک کتب خانہ قائم کیا جسمیں چار لاکھ کتابیں تھیں اور ٹولمی بادشاہون نے مقام سراپیم میں ایک دوسرا کتب خانہ بھی بنایا تھا

معجزہ کے لیے تحدی یعنی معارضہ کا طالب ہونا شرط ہے) اور قوم کو مخاطب کرکے علانیہ یہہ کہا تھا کہ اگر تمام جن و انس متفق ہو جائیں تو بھی کوئی ایسی کتاب نہ لاسکینگے جیسی کہ ایلیڈ یا فیلیکس ہے؟ اور کیا اُنکی قوم کے لوگوں کو اُن سے اُس درجہ کی عداوت و مخالفت اور اُن کے دعوے کی تردید و تکذیب میں جد و کد اور اصرار و استبداد تھا۔ جیسا کہ قرآن کی قوم کو اُس سے عداوت و مخالفت اور اُسکے دعوے کی تردید و تکذیب میں جد و جہد اور اصرار و انکار تھا؟ اور کیا اُنکا کوئی نامی گرامی فرید و وحید شاعر ایلیڈ یا فیلیکس کی چند سطریں پڑھکر بے اختیار بول اُٹھا تھا کہ "واُس شخص کے سوا جسپر وحی نازل ہوئی ہو کوئی شخص ایسا کلام نہیں کرسکتا"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۶

جسمیں تین لاکھ کتابیں تھیں۔ پس اِن دونوں کتب خانوں میں بادشاہوں کی جمع کی ہوئیں سات لاکھ کتابیں تھیں مگر ذی فہم آدمی اِن کتابوں کی تعداد کو زیادہ سمجھکر ضرور کچھ گھٹا دینگے اِن ہی کتب خانوں کے لیے ٹولمی فیلاڈلفس کے حکم سے توریت و زبور اور صحف انبیا کا عبری زبان سے ستر عالموں کی نگرانی میں یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تھا جو سپٹوا جنٹ کہلاتا ہے۔ جب جولیس سیزر نے اسکندریہ کا محاصرہ کیا اُسوقت مقام بروشیم بالکل جلگیا۔ اور پہلا کتب خانہ بھی تمام و کمال اُسکے ساتھ برباد ہو گیا۔ اس نقصان کے دور کرنے کو مارک انٹنی نے کلیوپاترا کو وہ کتابیں دیدیں جو یومینز بادشاہ پرگمس نے جمع کی تھیں۔ اور جو تعداد میں دو لاکھ تھیں۔ غالبًا یہہ کتابیں بروشیم میں رکھی گئیں۔ سنہ عیسوی کی پہلی تین صدیوں تک بروشیم میں اسکندریہ کے علم و ہنر کا چرچا رہا مگر کہتے ہیں کہ شہنشاہ آرلین کے عہد میں دوسری دفعہ یہہ کتب خانہ برباد ہوا مگر جو بات کہ مشہور ہے وہ یہہ ہے

اور پھر کسی طرح کے اجبار و اکراہ یا ترغیب و تحریص سے اپنا دیرینہ و آبائی عقیدہ چھوڑ کر ہومر یا دی ماستھنیز کے قول پر ایمان لے آیا تھا؟ اور کیا اُنکی قوم کے فصحا و بلغا ایلیڈ یا فیلپکس کے زبانی اور لفظی معارضہ و مقابلہ سے عاجز آکر اپنے خداؤں کے بچانیکے لیئے تیر و شمشیر کے ساتھ مجادلہ و مقاتلہ پر مجبور ہوے تھے؟ اور کیا اُن کی ان کتابوں میں توحید ذات و صفات باری کے باب میں ایسی بے نظیر و عقل انسانی سے بڑھکر تعلیمیں ہیں جیسی کہ قرآن میں ہیں اور جنکا اعتراف آپکو بھی ہے؟ اور کیا اُن کی یہہ کتابیں اپنے مقصد و مدعا میں ایسی کامیاب ہوئی ہیں جیسا کہ قرآن کامیاب ہوا؟ اور کیا اُن میں ایسی طاقت و قوت ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

کہ آرلین کے عہد کے بعد سرا پیم کا کتب خانہ اسکندریہ کا خاص کتب خانہ ہوگیا تھا - عیسائی مذہب نے ایک دوسرا صدمہ علم کو پہنچایا - یعنی تھیوفیلس اسکندریہ کے بشپ نے جو جیروم کا دوست اور کریسا سٹم کا دشمن تھا سراپس کا مندر جلادیا اور کتب خانہ بھی ضایع ہوجانے سے نہ بچا - تھیوفلس کے بھتیجے سینٹ سرل نے کہ وہ بھی اسکندریہ کا بشپ تھا ہائے پیشیہ کا ایسا تعاقب کیا کہ اوسکی خوفناک موت ہوئی - اور جو کچھ یونانی فلسفہ اسکندریہ میں باقی تھا - وہ سب اُسکے ساتھ برباد ہوگیا - چند وصلیاں جنکو ٹولمی بادشاہ اور یومینز بادشاہ پرگمس نے جمع کیا تھا اہل عرب کے ہاتھ سے برباد ہونے کو باقی رہگئی تھیں - جب فیلاڈلفس نے کتابیں جمع کیں اُس زمانہ سے قریب ایکہزار برس کے عرصہ گزرا تھا کہ سیزر نے نصف سے زیادہ کتابیں جلادی تھیں - اسکندریہ کے حاکموں کے زمانہ میں باقی کتابیں سب منتشر و برباد ہوئیں - جو بقیہ

جو قرآن کی طرح ایک جہان کے جہان کو ہر ایک طرح کی مخلوق پرستی
اور ضلالت و گمراہی سے نکالکر تیرہ سو برس سے زیادہ عرصہ تک نہایت
مضبوطی و صدق دل کے ساتھ اپنی پیروی پر قایم رکھ سکیں اور اُنکی تعلیم
ابتک اُسی زور و قوت کے ساتھ کام کر رہی ہو جیسا کہ قرآن کی پاک و مقدس
تعلیمیں دنیا کے مختلف حصوں میں کام کر رہی ہیں۔ اور ہر روز صدہا بلکہ
ہزارہا آدمی بلا کسی قسم کے خوف یا طمع اور لالچ کے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر
اُس کا اتباع قبول کرتے جاتے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے اور ایلیڈ صرف
ایک فصیح نظم اور فیلیکس صرف چند بلیغ سپیچیں اور تقریریں ہیں جنکا مدعا
یونانیوں کو لڑانے والوں کی لڑائی کے لیے اُبھارنا یا فیلپ بادشاہ مقدونیہ کے

نقل حاشیہ صفحہ گذشتہ

تھیں اُنکے برباد کرنے کا خلیفہ عمر نے حکم دیا۔ لیکن اگر کل سات لاکھ کتابیں عرب
کے فتحیاب کے مذہبی جوش سے برباد ہوئی ہوں تو بھی اُن لوگوں کی راے کسیقدر
بے دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کسی چیز کے سیکھنے کی ترغیب دینا جب تک کہ اوسکے
ساتھ انکی مذہبی کتابوں کی تعلیم بھی شامل نہو مشکل ہے کروسیڈرز یعنی عیسائی مذہب کے
جہادیوں نے ٹری پولی + کا کتب خانہ جسمیں تیس ملین یعنی تیس لاکھ کتابیں تھیں جلادیا
اسپین کے لوگوں نے میکسیکو میں امریکا والوں کی تصویری تحریرات کے انبار کے
انبار جلادیے۔ کارڈینل زمینیر نے گرینڈا یعنی غرناطہ میں اسی ہزار عربی زبان کی
قلمی کتابیں جلادیں باایں ہمہ یورپ میں دنیوی علوم کی کچھ بھی حقارت نہیں ہوئی۔ اور نہ
عرب والوں نے انکو حقیر سمجھا۔ بیشک خلیفہ عمر کو کتابوں کی کچھ پرواہ تھی اور نہ اُسکو
لکھنے پڑھنے میں کچھ توغل تھا۔ مگر اوسی کا نائب عمرو جس نے مصر کو فتح کیا

+ طرابلس

خلاف پر آمادہ کرنا تھا تو میرے معزز دوست آپکا یہہ لکھنا کہ "اگر قرآن
کی تحریر استعداد انسانی سے متجاوز ہے الی اخرہ" اُن فضایل یگانہ
سے بیخبری اور ناواقفی کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے جو قرآن مجید کی ذات
مقدس کے لئے گویا بمنزلہ روح و رواں ہیں۔ اور جو اُسکا اپنے طرز میں یکہ و
یگانہ اور کامل النوع اور الہامی الاصل ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اور جو ہمنے مذکورہ
بالا آیہ شریفہ کی تفسیر میں مشروحاً بیان کردیئے ہیں پس جو کتاب اون اوصاف
کمال کی جامع نہو اور اُسکے آثار و نتایج ایسے حیرت انگیز و دایم الاثر اور عظیم الشان
نہوں جیسے کہ قرآن مجید کے آثار و نتایج ہیں تو میرے معزز دوست
وہ صرف اپنی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے قرآن کے دعوے
یکتائی و بے مثلی اور من اللہ ہونے کو رد نہیں کرسکتی۔ خواہ وہ ہومر کی

نقل حاشیہ صفحہ

جان فلوپونس کا بڑا دوست تھا جو صرف و نحو کا مشہور عالم تھا اور اسی بات سے ثابت
ہوتا ہے کہ بعض اہل عرب کی طبیعت آزاد خیالوں کی طرف ابتدا ہی سے راغب تھی۔ انہوں
نے محمد کے دین کو جسمیں خدا کی وحدانیت ہے قبول کیا اور کعبہ کی بت پرستی کو چھوڑا
اور علم ادب اور فلسفہ کی راستی کو کامیابی کے ساتھ دریافت و تلاش کرتے گئے۔ ابتدا میں
خلیفہ علیؑ اور معاویہ علم ادب کے معین و مددگار ہوچکے ہیں۔ یونانی حکما کی کتابوں
کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا اور یہی لوگ علم کیمیا و علم ہیئت و نجوم و علم جبر و مقابلہ
کے بانی تھے۔ اسکندریہ کی چند کتابیں جلنے سے علم کو جو کچھ نقصان پہنچا تھا اُسکو انہوں نے
پورا کردیا۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ مامون کئی سو اونٹ بغداد سے قلمی کتابوں کے
لاد کر لایا تھا اور شہنشاہ میکل سے قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں سے ایک کتب خانہ

ایلیڈ یا دی ماسنتھنیز کی فیلیکس ہی کیوں نہو۔ افسوس اگر تم زندہ نہیں ہو اگر زندہ ہوتے اور مجھسے قرآن مجید کے اِن فضائل خمسہ کی حقیقت کو سمجھ لیتے تو مجھے تمہاری بے تعصبی و حق پسندی سے یقین ہے کہ تم اُسکے الہامی اور ربّانی الاصل ہونے کو ضرور تسلیم کرتے۔ اور پھر مخالفین اسلام سے مخاطب ہوکر اونچی آواز سے یہہ کہتے "لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا"

اِس موقع پر کہ اسلام کی دائم الاثر و غیر منقطع اور روزافزوں تاثیرات کا ذکر آگیا ہے ہم اُس مضمون کو نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے جو مسٹر انزک ٹیلر

نقل حاشیہ صفحہ گذشتہ:

لیا اور بوٹلمی کے ایک رسالہ (یعنی علم ہیئت کی مشہور کتاب مجسطی) کا جو اِن ہی کتابوں میں تھا عربی زبانمیں ترجمہ کیا[۵] قاہرہ کے فتح بنیٹ کتب خانہ میں ایک لاکھ کتابیں تھیں۔ منجملہ اُن کے صرف عِلم ہئیت و نجوم و علم طب کی کتابونکا شمار چھ ہزار بانسو تھا۔ اسپین کے خلیفون کے بڑے کتب خانہ میں چھ لاکھ کتابیں تھیں اور علاوہ اسکے اندلوویا میں ستر عام کتب خانے تھے۔ بخارا کے ایک سلطان نے عرب کے ایک حکیم کو طلب کیا۔ لیکن اُس حکیم نے بدیں وجہ جانے سے انکار کیا کہ اوسکی کتابیں لیجانے کو چار سو اونٹ بھی کافی نہوتے۔ تمام اہل عرب کی سلطنت میں تاتار سے لیکر اسپانیہ تک

---

۵ یہہ غلطی ہے بطلیموس کی اس کتاب کا ترجمہ خلیفہ مامون کے باپ ہارون رشید کے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی نے عربی زبان میں کرایا تھا۔ لاطینی زبان کا ترجمہ جو یورپ میں شایع ہوا وہ اسی عربی ترجمہ کا ترجمہ تھا۔ مؤلف عفی عنہ

سے لئے جو مشہور و معروف فضلائے یورپ سے ہیں اور کینن کا عہدہ رکھتے ہیں۔ جو بشپ وغیرہ کی طرح ایک اعلیٰ مذہبی عہدہ ہے قصبہ وولور ہیمپٹن کی چرچ کانگریس کے روبرو افریقہ میں اسلام کی ترقی کی بابت پڑھا تھا۔ اور جو اخبار سینٹ جیمس گزٹ لندن مطبوعہ آٹھویں اکتوبر ۱۸۸۷ء میں چھپا تھا اور نیز وہ چٹھی جو صاحب موصوف کے بیان کی تائید میں مسٹر جوزف طامسن نامی ایک سیاح افریقہ نے چودھویں نومبر سنہ مذکور کو لندن ٹائمس کے اڈیٹر کے نام لکھی تھی۔

کینن ٹیلر نے اپنے آغازِ کلام میں یہہ بیان کیا کہ دو ہمکو یہہ اقرار کرنا چاہیئے کہ اسلام دنیا کے ایک بڑے حصہ پر بطور ایک واعظ مذہب کے بہ نسبت مذہب عیسوی کے زیادہ تر کامیاب ہے۔ نہ صرف بت پرستی سے اسلام پر ایمان لانے والے بہ نسبت عیسائی مذہب پر ایمان لانے والوں کے

قائم کئے گئے یورپ میں پہلا مدرسہ طب کا بمقام سلرنو اہل عرب نے قائم کیا۔ اور اہل عرب ہی نے بمقام سیول علم ہیئت و نجوم کے متعلق ستاروں کے دیکھنے کو پہلے پہل رصد خانہ بنایا۔ تمام زمانہ متوسط کی جہالت و تاریکی کے وقت صرف اہل عرب ہی کا ذہن متحرک رہا۔ پس یہہ کہنا بڑی جہالت اور ناواقفیت کا ثبوت ہے کہ اہل عرب نے اسکندریہ میں پانچ لاکھ سے زیادہ کتابیں جلا دیں اور اسلئے وہ دنیوی علوم کے مخالف رہے۔ انھوں نے کتابیں ہرگز نہیں جلائیں۔ بلکہ جسقدر قبول کیا جاتا ہے اُس سے بہت زیادہ مسلمان علم کے موید ہوے ہیں“۔ انتہی کلامہ

مولف عفی عنہ

زیادہ تر نہیں بلکہ مذہب عیسائی بعض ملکوں میں در حقیقت اسلام کے سامنے سے ہٹتا جاتا ہے۔ اور مسلمان قوموں کو معتقد بنانے کی کوششیں ظاہرا بالکل ناکامیاب ہوتی ہیں۔ اور صرف یہی نہیں کہ ہم اپنا وہاں قدم نہیں جما سکتے ہیں بلکہ ہم اپنے آپکو بچانے میں بھی ناکامیاب ہوتے ہیں مذہب اسلام اسوقت مراکو سے جاوا تک اور زنگبار سے چین تک پھیلا ہوا ہے۔ اور وسط افریقہ میں بیحد تیزی سے پھیلتا جاتا ہے وہ سلسلہوار بحر روم سے خط استوا تک پھیلا ہوا ہے۔ اور بڑی تیزی سے جنوب کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ ہندوستان میں یورپین شائستگی جو ہندو مذہب کو دور کر رہی ہے وہ اسلام کے لئے ایک رستہ تیار کر رہی ہے۔ ساڑھے پچیس کروڑ میں سے پانچ کروڑ آدمی ہندوستان میں اسوقت مسلمان ہیں اور افریقہ میں آدھے سے زیادہ۔ مذہب عیسوی اپنی گرفت میں خوب مضبوط نہیں ہے۔ اور ہندوستان اور افریقہ میں اسلام کے سامنے سے ہٹتا جاتا ہے اور جمیکا میں حبشی جو کہ صرف نام کے عیسائی ہیں اوبی ایزم[۱] کو قبول کرتے جاتے ہیں۔ اور یہہ کہا جا سکتا ہے کہ افریقہ کی ایک قوم جو کہ ایکدفعہ اسلام قبول کر لیتی ہے پھر کبھی بت پرستی اختیار نہیں کرتی اور نہ عیسائی مذہب کو قبول کرتی ہے"

کپتان بٹلر نے آگے اس امر کی آزمایش کے طور پر کہ اسلام کے اصولوں میں ایسی کیا بات ہے کہ جو اسکو نئے معتقد بنانے اور ان کو

[۱] بھوت پریت اور خیالی چیزوں کی پرستش کو اوبی ایزم کہتے ہیں۔ مؤلف عفی عنہ

اُسپر قائم رکھنے کی عجیب طاقت دیتی ہے یہہ بیان کیا کہ "یہہ اقرار
کرنا چاہئے کہ اگرچہ اِسلام اعلیٰ درجہ کی مہذب قوموں کے بالکل ناموافق
ہے۔ مگر وہ وحشی قوموں کے مہذب بنانے اور ترقی دینے کی بہت
زیادہ قابلیت رکھتا ہے۔ وہ ترقی کی جانب ایک قدم ہے۔ لیکن
بہت زیادہ اونچا قدم نہیں ہے۔ مذہب عیسائی بہت ہی زیادہ
روحانی اور بہت ہی زیادہ عالیشان ہے۔ اسلام نے تہذیب پھیلانے
میں مذہب عیسائی سے بہت زیادہ کوشش کی ہے۔ میں اقرار کرتا
ہوں کہ مَیں مشنریوں کے بیانات سے کسی قدر بدگمان ہوں۔ لیکن
انگریزی عہدہ داروں یا اور سیاحوں کے جو پادری نہیں ہیں مثل
ٹن ٹوپ هیلسی۔ گیلٹن۔ پال گریو۔ طامسن۔ ریڈ کے عملی نتائج کے
بیانات کو ملاحظہ کرو جبکہ اُسکو یعنی اِسلام کو ایک حبشی قوم نے قبول
کیا ہے۔ بت پرستی۔ جنات پرستی۔ مخلوق پرستی یعنی جاندار اور غیر
جاندار چیزوں کی پرستش۔ مردم خواری۔ انسانی قربانی۔ اطفال کشی
جادوگری فوراً دور ہو جاتی ہیں۔ باشندے کپڑے پہننے لگتے ہیں۔
نجاست کی جگہہ صفائی ہو جاتی ہے اور وہ ذاتی شرف اور سلف رسپکٹ
حاصل کر لیتے ہیں۔ مہمان نوازی ایک مذہبی فرض ہو جاتا ہے۔ اور شرابخواری
بہت کم رہ جاتی ہے۔ اور جُوا متروک ہو جاتا ہے۔ بیحیائی کے ناچ اور
عورت مرد کے ناجائز میل جول بند ہو جاتے ہیں۔ عورتوں کی پاکدامنی
نیک خصلت خیال کیجاتی ہے۔ محنت کاہلی کی جگہہ حاصل کر لیتی ہے ذاتی

اختیار کی جگہہ قانون دخل کر لیتا ہے۔ انتظام اور پرہیزگاری پھیل جاتی ہے
خاندانی خصوصیتیں اور جانوروں اور غلاموں پر بیرحمی کا امتناع ہوتا ہے۔ انسانیت
اور مہربانی اور یگانگی کا خیال سکھلایا جاتا ہے۔ کثرت ازواج اور
بندہ گری ٹھیک طور سے ترتیب دیجاتی ہے۔ اور انکی برائیاں
کم کیجاتی ہیں۔ کل دنیا میں اسلام سب سے زیادہ قومی گروہ شراب نہ
پینے والوں کا ہے اور بمقابلہ اُسکے یورپ کی ترقی سے گویا شراب
خواری اور گنہگاری کا پھیلاؤ اور اُس جگہہ کی قوم کا تنزل مراد ہے۔ حالانکہ
اسلام کسی کم درجہ کی تہذیب نہیں پھیلاتا۔ جس میں پڑھنے اور لکھنے کا علم
عمدہ لباس پہنا۔ ذاتی صفائی۔ راست گوئی اور سلف ریسپکٹ (شرف ذاتی)
شامل ہیں۔ اُسکے برائی سے روکنے اور تہذیب پھیلانیکے اثر بے حد
عجیب ہیں،، انتہی قولہ

کینن ٹیلر اگرچہ بالطبع عیسائی مذہب کو سب سے زیادہ سچا اور
عمدہ مذہب خیال کرتے ہیں تاہم اُنہوں نے اسلام کی نسبت جو نہایت
عجیب وغریب اعترافات کئے ہیں ہم اُنکے لئے اُن کے نہایت دلی
شکرگزار ہیں۔

کینن ٹیلر نے اپنے اِس مضمون کے مشتہر ہونے کے بعد لنڈن
ٹائمس کے اڈیٹر کو جو ایک چٹھی لکھی تھی اُس میں یہہ لکھا تھا کہ ,, میرا
وہ پہلا فقرہ جسپر بہت اعتراض ہوئے ہیں یہہ ہے کہ ,, ایشیا اور
افریقہ میں مذہب اِسلام بطور ایک واعظ مذہب کے بہ نسبت

عیسائی مذہب کے زیادہ وہ کامیاب ہے اور ہماری کوششیں مسلمانوں کو
عیسائی بنانے میں بے سود ثابت ہوئی ہیں" میں اولاً اپنی بحث ہندوستان
سے شروع کروں گا جہاں کے باشندوں کی نسبت تقریباً صحیح اطلاع
ہمارے سامنے موجود ہے۔ اٹھارہ سو اکھتر و اکاسی [۱۸۷۱] [۸۱] کے درمیان
یعنی دس [۱۰] برس میں ہندوستان کے مسلمانوں کی آبادی میں جو
زیادتی ہوئی ہے وہ قریب بانوے [۹۲] لاکھ چالیس [۴۰] ہزار کے ہے۔ یعنی قریب
پچیس [۲۵] فیصدی کے حساب سے۔ اس قدرتی زیادتی کو جو معمولاً پیدائش کی
زیادتی اور موت کی کمی سے ہوئی ہے اگر ہم محسوب نہ کریں تو وہ نو مسلم جو ہندو
اور عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کرتے ہیں انکی تعداد قریب
چھ [۶] لاکھ سالانہ کے ہے۔ مسلمانوں کے ہاں تنخواہ دار واعظ نہیں ہیں اور
نہ کوئی اُن میں بڑی جماعت اس قسم کی ہے۔ جو اپنے مذہب کے پھیلانے
میں کمربستہ ہو۔ پس یہ بڑی تعداد نو مسلموں کی کچھ تو پُرجوش مسلمانوں کی
بالانفراد کوششوں اور کچھ مذہب اسلام کی حقیقی کششوں کا نتیجہ ہے
برخلاف اسکے عیسائیوں کو باوجود اُس تمام رعب و داب کے جو اُن کو
ایک ہم مذہب گورنمنٹ کے ہونے سے حاصل ہے۔ اور باوجود اُس رقم
کثیر اخراجات کے جو مشنری سوسائیٹیوں پر صرف ہوتی ہے کل تعداد
اُن نئے عیسائیوں کی بڑی کھینچا تانی سے دسواں حصہ نو مسلموں کی تعداد کا ہے"
اس سے آگے کپتان بٹلر نے اپنے اس بیان کی تفصیل کی ہے
جو غیر ضروری سمجھکر چھوڑ دی گئی ہے۔

مسٹر جوزف طامسن لکھتے ہیں ''چونکہ مینے مشرقی اور متوسط اور مغربی افریقہ میں مختلف طور کے حالات دیکھے بھالے ہیں جہاں کہ مینے مذہب عیسوی اور مذہب اسلام کو حبشیوں کے ساتھ ملا ہوا دیکھا ہے اس سلیے میں اپنے خیالات کے سُننے جانیکا استحقاق رکھتا ہوں آپ کے بعض کارسپانڈنٹوں سے یہہ بیان کیا ہے کہ ''مشرقی افریقہ اور وادی نیل میں تم مذہب اسلام کو اُسکی سچی رنگتوں میں بردہ فروشی اور ذلت اور جبر کے تمام طریقوں کے ساتھ ملا ہوا دیکھتے ہو'' اِس سے زیادہ بے بنیاد بیان خیال میں نہیں آسکتا۔ میں بلاتامل یہہ بات کہتا ہوں (اور میں مشرقی اور وسط افریقہ کے حالات کے ایک زیادہ تر وسیع تجربہ کی روسے بہ نسبت اُسکے جیسا کہ آپ کے کسی کارسپانڈنٹ کو حاصل ہے گفتگو کرتا ہوں) کہ اگر بردہ فروشی ترقی پر ہے تو اُسکا سبب یہہ ہے کہ مذہب اسلام ان ملکوں میں جاری نہیں کیا گیا ہے۔ اور اسکی سب سے زیادہ قوی وجہ یہہ ہے کہ مذہب اسلام کے شایع ہونے سے یہہ مراد ہوتی کہ بردہ فروشی کا انسداد لازم آتا۔ حبشیوں کو مذہب اسلام کا وعظ اسی وجہ سے نہیں کیا جاتا ہے کہ مسقط کے عرب اپنے غلاموں کے پکڑنیکے مقامات کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اسکے برخلاف عمل کرنیسے وہاں کے باشندوں کو مثل مسلمان بھائیوں کے سمجھنا پڑتا جہاں کہ اُن کو غلاموں کے پکڑنے کی امید تھی۔ اسی طریقہ میں آپ یقین کرلیں کہ ہمارے بہت سے عیسائی تاجر اپنی تجارت کے مقامات میں اپنے مذہب کے

مشنریوں سے داخل ہونے کی نسبت نہایت سخت مزاحمت کرتے
اگر یہہ بات ثابت نہوتی کہ دیسی باشندوں میں مذہب عیسوی کا اعتقاد
جُنین" شراب سے صرف کثیر کے ساتھ کچھ تناقض نہیں رکھتا ہی۔ لیکن
بعض اوقات کسی قوم کے مذہب کی نسبت مغالطہ کا ہونا جبکہ وہ بخوبی سمجھ
میں نہ آئے آسان ہے۔ علاوہ اسکے بڑے فخر کے ساتھ یہہ اشارہ کیا گیا ہو
کہ محمدؐ کا مذہب براعظم افریقہ کے مشرقی حصہ میں نہیں پھیلتا ہے"
یہہ بالکل صحیح ہے۔ مینے ابھی ایک قوی وجہ بیان کی ہے۔ اور ایک
دوسری اہم وجہ بھی موجود ہے۔ اسلام مثل مذہب عیسوی کے ایک
غیر قوم کے ذریعہ سے دیسی باشندوں میں پھیلایا جاتا ہے۔ اور یہہ
ایک ایسی قوم ہے جو ہر طرح پر اُن سے برتر ہے اور جو اُنکو وحشی آدمی قرار
دیتی ہے۔ مسقط کے عرب اور حبشی کے درمیان ایک وسیع کھاڑی ہے،
اور وہ اُسکے عبور کرنیکے واسطے کوشش نہیں کرتا ہے۔ اور حبشی اُس
قوم سے اس طرح پر علیحدہ ہونے کی وجہ سے اُسکے مذہب یا اُسکے طریقوں
کے سیکھنے کے واسطے کوشش نہیں کرتا ہے۔ لیکن جس حالت میں کہ
میں بلا تامل اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ مشرقی وسط افریقہ میں بردہ فروشی
اسوجہ سے ترقی پر ہے کہ وہاں مذہب اسلام جاری نہیں ہے تو میں اسی
طرح دعوی کے ساتھ یہہ بات کہتا ہوں کہ اس مذہب نے جسکو لوگ اسقدر
برا بھلا کہتے ہیں وہاں ایک بڑا فائدہ پہنچایا ہے۔ یعنی اُسنے شراب کی
تجارت کو پھیلنے نہیں دیا ہے۔ زنجبار میں سلطان اِس تجارت کو نہیں

روک سکتے ہیں۔ کیونکہ عیسائی قوموں نے تجارت کے باب میں کسی قید
کے قائم کرنے کی نسبت اعتراض کیا تھا۔ مگر خوش قسمتی سے سلطان ممدوح
کو اپنے خاص ملک میں ابتک اپنے مذہب کے قواعد کے جاری کرنے میں
زیادہ تر اختیار رہا ہے۔ اور اس طرح پر اُنہوں نے اُن کالے آدمیوں کی بداخلاقی
کے روکنے میں جو بہ آسانی بہک جاتے ہیں بڑی مدد دی ہے۔ مگر چونکہ
اب جرمنی کی "شائستگی کے رہنما" اس ملک میں وارد ہونے لگے ہیں اسلئے
اس بات کا دیکھنا باقی ہے کہ یہ حالت کب تک قائم رہیگی۔ اب مغربی افریقہ
اور وسط سوڈان کی طرف جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہم وہاں بالکل اسکے
برخلاف حالت دیکھتے ہیں۔ یعنی یہاں اسلام بطور ایک زندہ جاندار قوت
کے جاری ہے۔ اور اپنے ابتدائی زمانہ کے جوش اور سعدی سے بھرا ہوا،
اور نیز وہ اُس قسم کی عجیب کامیابی کے ساتھ جو اُسکے ابتدائی زمانہ میں پائی جاتی
تھی اور شخصوں کو اپنا معتقد بناتا ہے۔ یہاں اُسکا وعظ برابر صحرالیون کے
بازاروں میں اور وادیٔ نائیگر کی ذلیل مردم خوار قوموں میں کیا جاتا ہے
جس ناواجب طریقہ میں مذہب عیسوی کے حامی بردہ فروشی کی بُرائیوں کو
مذہب اسلام کے ذمہ لگانیکے واسطے کوشش کرتے ہیں اُسیکے ساتھ
وہ بذریعہ قوت اور زور کے اُس کامیابی کی نسبت جو اسلام کو مغربی وسط
افریقہ میں حاصل ہوئی ہے اصلی واقعات کو چھپاتے ہیں!!! چونکہ وہ
کسی خوبی کو بجز اسکے جو انکو مذہبی ذریعوں سے معلوم ہو اور کسی خوبی کو نہیں
پہچان سکتے ہیں اسلئے وہ افریقہ کے باشندوں کے حق میں اُسکی ترقی کو بطور ایک ہولناک

مصیبت اور آفت کے قرار دینا چاہتے ہیں - وہ بیان کرتے ہیں (جیسا کہ بچپن
سے اُنہیں سکھلایا گیا ہے) کہ مذہب اسلام صرف آگ اور تلوار کے
ذریعوں سے شایع ہو سکتا ہے - وہ نہایت خوشی سے اُس غریب خوف زدہ
حبشی کی تصویر کھینچتے ہیں جو سر بزانو کھڑا ہوتا ہے اور اُسکے پیچھے اُس کے
جھونپڑے میں آگ لگی ہوتی ہے - اور اُسکی عورتوں اور بچوں کو جنکی گردنوں
میں پھانسی لگی ہوتی ہے خونخوار آدمی غلام بنانیکے لئے کھینچتے پھرتے ہیں
اور ایک شیطان صورت مسلمان برہنہ شمشیر لئے ہوئے اُسکے سر پر کھڑا ہوتا
ہے - اور یہہ بات کہتا ہے کہ وہ "موت قبول کرے یا قرآن" یہہ ایک
پرانا خیال اسبات کا ہے کہ مذہب اسلام کس طرح پر جاری کیا جاتا ہے
اور میں خیال کرتا ہوں کہ یہہ ایک ایسا خیال ہے جو پچھلی نسلوں سے چلا آتا
ہے - خوش قسمتی سے مجھکو بطور خود اور مختلف طریقہ میں حالات کے مشاہدہ
کرنے کا ایک موقع حاصل ہوا ہے - متوسط سودان اور مغربی سوڈان[1]
میں مذہب اسلام کی سب سے بڑی فتوحات صلح جو اور سادہ ذریعوں سے
حاصل ہوئی ہے - یعنی زمانہ گزشتہ میں فلانی گلہ بانوں کے ذریعہ سے
اور زمانہ حال میں مستعد اور اولوالعزم ہنایا بیوپ کے تاجر کے ذریعہ سے
بارہویں صدی کے قریب سے گلہ بان اپنے مذہب کو جھیل چیغ سے
بحر اٹلانٹک تک پھیلانے میں مصروف رہے اور اسکا نتیجہ یہہ ہوا ہے
کہ پچھلی صدی کے خاتمہ پر تمام ملک میں چھوٹی چھوٹی مسلمانی جماعتیں قایم
ہو گئیں - وہ بت پرستی کی اطاعت ترک کرنے اور خدا کی وحدانیت کا اعلان

کرنیکے واسطے صرف ایک رہنما کے محتاج تھے چنانچہ اس صدی کے شروع
میں خود لیور رہنما پیدا ہوا۔ اور ایک نہایت قلیل عرصہ میں مذہب اسلام ملک کے
ایک وسیع حصہ میں بطور حکمران مذہب کے جاری ہوگیا۔ اور اُسنے وحشی قوموں
میں ایسا جوش پیدا کیا جس سے نہایت حیرت انگیز نتیجے پیدا ہوئے ہیں پچھلے
برسوں میں مذہب اسلام کی اشاعت کا خاص ذریعہ جیسا کہ میں سابق میں
بیان کرچکا ہوں قوم حنا یا ہنوب کا تاجر رہا ہے۔ یہ حبشی تاجر اپنے کام کے
تقدس کی بدولت ہر ایک قوم میں اپنے خاص گھر سے سیکڑوں میل کی فاصلہ
کے اندر گھس جاتا ہے۔ اور وہ وحشی بت پرست کے ساتھ اُسیطرح ملتا ہے
جیسے کہ خاص اپنی نسل کے آدمی کے ساتھ۔ اور وہ اُسی مکان میں سوتا ہے
اور وہیں کھانا کھاتا ہے۔ وہ ہر ایک مقام پر اپنا مذہب ساتھ لیجاتا ہے۔ اور
اُسکی خاص خوبیاں خارج از قیاس اور پُر فضیلت مسائل کے باعث سے
تاریک نہیں ہوتی ہیں۔ وہ اُسی قدر مسائل جانتا ہے جنکو اُسکا بت پرست
بھائی سمجھ سکتا ہے یا اُنکی پیروی کرسکتا ہے۔ یہ تاجر ایک مہینہ یا چھ مہینے
یا سال بھر وہاں رہتا ہے۔ اور اس عرصہ میں لوگ اُس کے عمدہ کپڑوں
کی نہایت تعریف کرتے ہیں۔ اور اوسکی تقلید کرنا شروع کرتے ہیں
وہ کوئی بات ایسی نہیں دیکھتے ہیں جسکے حاصل کرنے کی اُنکو توقع نہو سکے
اور اُسکے مذہب میں کوئی بات ایسی نہیں ہوتی ہے جسکو وہ نہ سمجھ سکتے ہوں
اس طریقہ میں شایستگی اور اسلام کے بیج جابجا بیشمار وحشی قوموں میں پڑ گئے
ہیں۔ یہانتک کہ ملک میں سیکڑوں کارخانوں کی آواز برابر گونجتی ہے۔ اور

صبح اور دوپہر اور شام کو کلمۂ اسلام بلند ہوتا ہے - اور جو زانو سابق میں
پتھروں کے روبرو جھکتے تھے وہ اب خدا کے روبرو جھکتے ہیں - اور وہ
ہونٹ جو ایک بھائی کے گوشت کے مزہ سے خوش ہوتے تھے اب اوسکی
عظمت اور رحم کے تسلیم کرنے میں مصروف ہیں -

اگر اسلام ہمیشہ اس قسم کے پُرامن ذریعوں سے جاری نہیں کیا گیا ہو
تو اسمیں تعجب کی بات کیا ہے؟ کیا ہمکو قریب اٹھارہ[۱۸] صدیوں کے اس
بات کے سیکھنے کیواسطے درکار نہیں ہوئی ہیں؟ کہ ہم کو اور شخصوں کو زبردستی
اپنا مذہب قبول کرانے کا کوئی استحقاق حاصل نہیں ہے - پس کیا تعجب
ہے اگر سرگرم حبشی مذہب کے جاری کرنے والے بعض اوقات اپنے
غیر معتقد اور پُرضد بھائیوں میں اپنے مذہب کی برکتیں زبردستی جاری
کرنا چاہیں" انتہیٰ قولہٗ

اب ہم قران مجید کی اخلاقی اور تمدنی تعلیمات کا ذکر کریں گے
اور دکھاینگے کہ اوسکی تعلیم بمقابلہ انجیل کی تعلیم کے انسان کی حالت کو
ترقی دینے میں کسقدر زیادہ کامیاب ہوئی ہے - اور چونکہ اِن دونوں
مقدس کتابوں کے باہمی تفوق کے دکھانیکے لئے ضرور ہے کہ اُن
دو مختلف قوموں کی حالت کو بیان کیا جاوے جنمیں ابتداءً انکا وعظ کیا گیا
اسلئے ہم بنی اسرائیل اور عرب جاہلیت کا یکے بعد دیگرے ذکر کرینگے
گوکہ اس پچھلی قوم کی حالت کسیقدر پہلے بھی بیان کیجا چکی ہے -

پس واضح ہو کہ جس قوم میں جناب ابن مریمؑ کو وعظ کرنے کا

موقع ملاده ایک ذی علم اور تربیت یافتہ قوم تھی اور اسمیں بڑے بڑے
عالم اور فلاسفر موجود تھے۔ مثلاً پولوس مقدس جنکو افلاطون کے
فلسفہ میں بڑا عبور تھا وغیرہ وغیرہ۔ وہ توحید ذات وصفات باری اور
قیامت اور جزا وسزاے اُخروی کے قائل اور معتقد تھے۔ اور شریعت
موسوی کو شریعت الٰہیہ مانتے تھے گو کہ اُنکی اخلاقی حالت بہت خراب
ہوگئی تھی۔ اور اُنھوں نے شریعت میں بہت سی بدعتیں داخل کردی تھیں
اور اُن کے افعال واعتقادات نہایت درجہ بگڑ گئے تھے۔ یہانتک کہ اُنکے
علما کی ایسی مثل ہوگئی تھی جیسے اندھو نکو اندھا رہنما ہو۔ اُن میں ریاکاری۔
مکاری اور غرور اس درجہ کو پہنچگیا تھا کہ جن لوگونکو گنہگار سمجھتے اُن کے ساتھ
کھانا کھانا معیوب جانتے تھے۔ اور اس سے غافل تھے کہ "مستحقِ کرامت
گناہگار انند" وہ لوگوں کے دکھانیکو رستوں میں اور عبادت گاہوں
میں تُرھی بجا کر خیرات دیتے تھے تاکہ لوگ اُنکی تعریف کریں۔ اسی طرح
عبادت گاہوں اور رستوں کے سرے پر کھڑے ہوکر عبادت کرتے
تھے تاکہ لوگ اُنکو بزرگ جانیں۔ سب کام ریاکاری سے کرتے تھے
اپنی پوشاک بڑی بزرگانہ طور کی بناتے تھے۔ اپنے گلوبندوں میں اپنی
تعریف لکھواتے تھے۔ مجلسوں میں صدر نشینی اختیار کرتے تھے۔ رستہ میں
لوگوں سے سلام کے منتظر رہتے تھے۔ اور یہہ بات چاہتے تھے کہ لوگ
اُنکو "ربّی ربّی" کہکر پکاریں۔

ظاہر کی صفائی اور نہانے دھونے میں جسکا حکم باطنی صفائی

کا خیال[۱] پیدا کرنیکے لیے تھا حد سے زیادہ مصروف رہتے تھے۔ مگر باطنی صفائی اور دلی پاکیزگی جو شریعت کا اصل مدعا تھا اُس سے بالکلیہ ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ (افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ کے بھی اکثر مقدسین اسی قسم کے اوصاف سے موصوف ہیں الاماشاءاللہ) اُنہوں نے اپنی بد استعمالی سے شریعت کو قابل اعتراض بنا دیا تھا اور ایسے قسی القلب اور بیمروت ہو گئے تھے کہ ایک ذرا سے قصور مثلاً ہنڈیا میں زیادہ نمک ڈالدینے پر بدمزہ ہو کر بیوی کو گھر سے نکال دیتے تھے۔ نکاح و طلاق کو ایک ذریعہ عیاشی بنا لیا تھا یعنی جو عورت پسند آئی اُس سے نکاح کر لیتے اور جب دوسری اُس سے اچھی دیکھتے تو پہلی کو چھوڑ دیتے اور اوسکو پکڑ لیتے تھے۔ اور اس طرح پر نکاح کی علت غائی یعنی باہمی غمگساری اور تسکین اور محبت و اخلاص اور امور خانہ داری میں تعاون اور پیدائش و افزائش نسل جو عورت اور مرد کے جوڑا پیدا کرنیوالے کا اصل مقصود ہے اسکو کھو دیا تھا۔ ہر بات پر بلا ضرورت بلکہ دغا دہی کے ارادہ سے قسمیں کھاتے اور اس طرح پر خدا کے نام مقدس کی بے تعظیمی کرتے تھے۔ غرضکہ ایک ایسا زمانہ آگیا تھا کہ کوئی ایسا شخص پیدا ہو جو لوگوں

---

[۱] اسلام میں غسل و طہارت اور عبادت خصوصاً فرض عبادت کے وقت وضو کرنے اور عیسائیوں میں عیسائی بننے کے وقت پانی سے اصطباغ لینے کا حکم اسی اصول پر مبنی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ متعصب عیسائی اسلام پر اعتراض کرنیکی غرض سے اسکو اوہام اور طفلانہ آداب و رسوم مذہبی تعبیر کرتے ہیں اور اپنی آنکھ کے شہتیر کو تو بھول جاتے ہیں اور دوسروں کی آنکھ میں سے تنکا نکالنا چاہتے ہیں وان ھذا لشئ عجاب۔ مؤلف عفی عنہ

کو باطنی و روحانی پاکیزگی دینی سکھاوے اور اُن کے اُن اخلاق و عادات رذیلہ کی اصلاح کرے۔ پس اگرچہ حضرت روح اللہ اُن میں آئے اور اپنے اخیر دم تک مکارم اخلاق کی تعلیم میں جو غالب مقصود آپکی بعثت کا تھا آپ نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مگر اُس قوم پر اُسکا کچھ اثر نہوا اور اُنھوں نے اپنی بدطینتی و بدبختی سے اُسکی قدر نہ جانی۔ اور جس سبب اور بانہ و بیرحمانہ طریقہ سے آپ سے پیش آئے وہ ہر کسی کو معلوم ہے۔ مگر عبد اللہ کا بیٹا اور آمنہ کا جایا (دل و جانم فداے نامش باد) جس قوم میں مبعوث ہوا اونٹ کی طرح اُسکی کوئی بھی کل سیدھی نہ تھی۔ وہ سخت جاہل اور بے علم تھے۔ خداے حق و قیوم کی جگہ بے حس و بے جان بتوں اور مخلوق و محسوس بلکہ موہوم اور خیالی چیزوں کو پوجتے تھے۔ قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے۔ کسی شریعت اور قانون کے پابند نہ تھے۔ بلکہ صرف اپنی ہی آزادانہ مرضی کے موافق کاربند ہوتے تھے۔ مکارم اخلاق اور حسن معاشرت کا تو سایہ تک اُنپر نہ پڑا تھا۔ یہانتک کہ بدکاری اور زناکاری جیسے فعل قبیح سے نادم نہوتے تھے۔ اور اپنے ان افعال ذمیمہ کو ہر طرح کی غیر مہذب نظم میں مشتہر کرتے اور اُسپر فخر کرتے تھے۔ قصیدوں کی تشبیب کے اشعار میں دولتمند اور امیروں کی لڑکیوں اور بہنوں اور عورتوں کا حال نام لے لیکر بیان کرتے۔ اور ہر طرح کے عیبوں کو علانیہ اُن کی طرف منسوب کرتے تھے اور مرد ہی نہیں بلکہ عورتوں کا بھی یہی حال تھا۔ اُن میں اکثر ایسی تھیں کہ فاحشہ ہونے کی نشانی کے طور پر اپنے گھر کے آگے ایک اونچی جھنڈی

گاڑے رکھتیں اور "ذوات الاعلام" یعنی جھنڈیوں والیاں کہلاتی تھیں۔ لونڈیوں کو جو "قینات" کہلاتی تھیں اس غرض سے ناچنا اور گانا بجانا سکھاتے تھے کہ حرامکاری کے ذریعہ سے اپنے آقاؤں کے لئے مال و دولت کمائیں اور وہ حرامکاری کی مجاز ہی نہ تھیں بلکہ اس فعل قبیح کے لئے مجبور کیجاتی تھیں۔ قمار بازی سب لوگوں کا بلا استثنا ایک نہایت مرغوب کھیل تھا۔ اور قمار بازی کے مشہور مقامات میں دور دراز مسافت سے لوگ آنکر جوا کھیلتے تھے۔ شراب کے بدرجہ غایت مشتاق تھے اور نشہ میں آکر بدمستیاں کرنے اور خون خرابوں تک نوبت پہنچا دینے کے عادی تھے۔ انسان کا خون پانی سے زیادہ بیقدر تھا۔ اور بغیر تاسف کے ہر روز ہوا کرتا تھا! سرقہ رہزنی اور غارتگری یہہ تو گویا روزمرہ کی باتیں تھیں۔ خون خواہی اور انتقام کی انکو ایسی چاٹ تھی کہ کسی ایک شخص کے ظلماً قتل کئے جانیکی وجہ سے قبیلے کے قبیلے سالہا سال تک کٹا مرا کرتے تھے! قساوت اور کینہ پروری اس درجہ کو پہنچگئی تھی کہ مرد تو مرد عورتیں اپنے مقتول دشمنوں کا خون مزہ سے لیکر پیتیں! اور اُن کا دل و جگر نکالکر دانتوں سے چباتیں! اور ناک کان اور اعضائے تناسل کو کاٹ کر اور تاگے میں پرو کر کمال بے شرمی سے زیور کی طرح گلے اور ہاتھوں میں پہنتیں اور اُسپر فخر کرتی تھیں ریوڑ کے ریوڑ جوروؤں کے رکھتے تھے جنمیں بلا تکلف باپ کی منکوحہ عورتیں بھی بطور میراث شامل ہوتی تھیں! طلاق کی خانہ برانداز رسم بھی اُنمیں بڑے زور سے جاری تھی۔ مگر اتنی بات میں یہہ بنی اسرائیل سے بڑھے

ہوسے تھے کہ اکثر طلاق دیکر بھی عورت کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ یعنی
طلاق کے بعد عورت تو رسم مروجہ کے موافق ایک مدت معینہ تک
نکاح ثانی کی مجاز نہ تھی۔ مگر مرد اُسکو پھر اپنی زوجیت میں لے لینے کا مختار تھا
اور انقضاے مدت سے پہلے عورت کو پھر زوجیت میں لے لیتا اور پھر
طلاق دے دیتا تھا! اور اس بار بار کی طلاق اور رجعت سے کبھی تو یہہ غرض
ہوتی تھی کہ عورت کسی دوسرے مرد سے ازدواج نہ کرسکے جو شوہر سابق
کی ذلت کا باعث ہو۔ اور کبھی یہہ کہ بیچاری تنگ و مجبور ہو کر مہر میں سے
کچھ چھوڑ دے۔ غرضکہ عورتوں کو کسی قسم کی آزادی اور حقوق حاصل نہ تھے
اور وہ فی الواقع نہایت خراب اور ذلیل حالت میں تھیں۔ یتیم لڑکوں اور لڑکیوں
کی حالت بھی نہایت قابل رحم تھی اُنکے ولی اُنکا مال کھا لیتے یا اچھے کی جگہہ
بُرا بدل دیتے یا اُن کے بالغ ہونے سے پہلے ہی بیجا طور پر خرچ کروالتے
تھے۔ یتیم لڑکیوں کا یہہ حال تھا کہ اگر خوبصورت ہوتیں تو بلوغ سے پہلے
ہی اُن سے نکاح کر لیتے اور اِس حیلہ سے اُن کے مال پر بھی متصرف ہو جاتے
تھے۔ اور اگر بدصورت ہوتیں تو اُنکو شادی کرنے سے اس غرض سے
روکے رہتے تھے کہ وہ کنواری ہی چل بسیں! اور اُنکا مال اُنکو وراثت
میں ملجاے! سب سے زیادہ پُر وحشت اور ہولناک رسم جسکے تصور سے
رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اُنمیں یہہ جاری تھی کہ معصوم بچوں کو بتوں پر بھینٹ
چڑھاتے تھے۔ اور غریب بے زبان لڑکیوں پر یہہ آفت تھی کہ سُسرا
کہلانے کی شرم یا افلاس کے ڈر سے کبھی تو پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دیتے

یا زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اور کبھی پہاڑ پر سے لڑھکا کر اور کبھی پانی میں ڈبو کر مار ڈالتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ذبح کر ڈالتے تھے اور کمبخت سنگدل باپ کے بیرحم ہاتھوں کو اپنے لخت جگر کے حلقوم نازک پر چھری پھیرنے میں کچھ بھی رکاوٹ نہوتی تھی اور وہ ننھی سی جان بنہایت محبت بھری آنکھوں سے بے درد باپ کا مونہہ تکتی اور معصوم اور تتلاتی زبان سے "یا ابتِ یا ابتِ" کہتی ہوئی زندگی سے گزر جاتی تھی!!! لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ نہایت بدسلوکی سے پیش آتے تھے۔ اُن سے سخت سے سخت محنتیں کرواتے اور بُرے سے بُرا کھانا اور ناقص سے ناقص کپڑا اُن کو دیتے تھے۔ اور اُن کے نزدیک اُنکی حقیقت بھیڑ بکری سے زیادہ نہ تھی اور اسکا کچھ خیال نہ تھا کہ وہ بھی ہمارے ہمجنس خدا کے بندے ہیں۔ اُن کے آزاد کر دینے پر بھی اُنکی ملکیت کا استحقاق اپنے لئے باقی سمجھتے تھے۔ اور اس استحقاق کے فروخت کر دینے کے بھی مجاز تھے۔ اور مشتری اُن پر اپنی ملکیت قائم کرتا تھا اور اس طرح سے وہ بدبخت ہمیشہ کی آزادی سے بالکل محروم تھے۔ پس خدا نے اپنی مجسم رحمت کو جسکا نامِ پاک توریت میں مُحمّد مُصطفےٰ اور انجیل میں احمد مجتبےٰ ٭ ہے نہ صرف اس قوم بلکہ تمام دنیا کی قوموں کی ہدایت و اصلاح حال کے لئے بھیجا اور جیسا کہ اس پُرانے اور عظیم الشان پیغمبر (موسیٰ) کو خدا نے فرمایا تھا کہ وہ تجھ میں سے تیرے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے تجھسا نبی قایم

٭ دیکھو کتاب خطبات احمدیہ کا خطبۃ البشارات ۱۲ مؤلف عفی عنہ

کرونگا اور اپنا کلام اُسکے مونہہ میں دونگا۔ اور جو کچھہ میں اُس سے کہونگا وہ اُنکو کہدیگا+ (دیکھو توریت کتاب پنجم آیت ۱۵-۱۸) اپنا کلام پاک اُسکے مونہہ میں ڈالا۔ اور اُسنے اپنے منصب عالی کے عظیم ترین و مشکل ترین کام کو ایسے کامل و اکمل طور پر انجام دیا جسکی کوئی نظیر اور مثال تاریخ عالم میں نہیں پائی جاتی۔ اُسنے اپنے پرتاثیر و معجزانہ وعظ سے ایک قابل حیرت قلیل عرصہ میں ملک کے ملک کو خداشناس و خداپرست بنادیا۔ مخلوق و محسوس چیزوں کی پرستش کو چھڑایا اور ایک غیر محسوس، وحدہ قدرت وحدہ صداقت ہستی کی عبادت کا بیج دلوں میں بویا۔ اور نجات کا مدار صرف اسی پر ایمان لانے اور یقین رکھنے کو بتایا۔ اور نہ صرف اُسی ملک کو مادہ پرستی کی ناپاکی و نجاست سے پاک و صاف کیا بلکہ جہانتک اُسکے وعظ کی آواز پہنچی اوسکی تاثیر سے مختلف مذاہب کے لوگوں میں یہہ پاک و منور خیال پیدا ہوگیا کہ مخلوق پرستی نہایت ناپاک خصلت اور سخت مہلک روحانی مرض ہے۔ اُسنے قیامت اور جزا و سزا سے لوگوں کو آگاہ کیا اور یہہ فرماکر "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" انسان کا اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار و جوابدہ ہونا بتایا۔ اور جن اعمال و افعال پر جزا و سزا مقرر ہے وہ ایک ایک کرکے اُنکو بتاے اور اُن کے اکتساب و اجتناب کے نتیجوں کو اِن دو مختصر مگر نہایت پُرحکمت جملوں میں سمجھادیا۔ "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا" یعنی بےشبہہ وہ شخص مراد کو پہنچگیا جسنے اپنے نفس کو بُرے خیالوں اور بدجذبوں یعنی

+ یعنی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (سورہ والنجم) ۱۲ مؤلف

اخلاقی اور شرعی گناہوں سے پاک وصاف کیا۔ اور بیشک وہ ٹوٹے ہیں
پڑا جسنے اُسکو بُری خواہشوں اور خراب وزشت اعمالوں کے گڑھے میں ڈالکر
میلا کچیلا کر دیا۔ اور اُس فلاح و مُراد کی حقیقت وماہیت یہہ کہکر اُن کو بتائی
قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا
اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ" یعنی خدا تعالیٰ نے فرمایا
ہے کہ طیار کی ہے مینے اپنے نیک بندوں کے لیئے وہ چیز
جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سُنی اور نہ کسی انسان کے دلمیں
اُسکا خیال گزرا ہے۔ اور نیز یہہ فرماکر "فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا اُخْفِیَ لَهُمْ
مِنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَاءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ" یعنی کوئی نہیں جانتا کہ کیا
اُنکے لیئے آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے اُسکے بدلے جو وہ کرتے
تھے۔ اور چونکہ انسان خواہ کیسا ہی تربیت یافتہ کیوں نہو طبعًا بجز اُن چیزوں
کے کہ جنکا ادراک اُسنے بذریعہ اپنے حواس خمسۂ ظاہری کے کیا ہو کسی چیز کو
نہیں سمجھ سکتا اور نہ اُسکا خیال اُسکے دل میں آسکتا ہے۔ خصوصًا کسی
راحت یا کلفت کا خیال جو کیفیات کے مقولہ سے ہیں اور جنکا بیان
کیا جانا ناممکن ہے۔ اسلئے مجبورًا اُسنے اپنے سے پہلے آنے والوں
کے طریقہ پر اُس مراد و نامرادی کو جسکا دوسرا نام بہشت و دوزخ ہے
ایسے عمدہ و بے نظیر اور دل پر اثر کرنے والی تشبیہوں اور تمثیلوں کے پیرایہ
میں بیان کیا جو تربیت یافتہ و ناتربیت یافتہ لوگوں کے (خواہ وہ گرم
ملک کے رہنے والے ہوں خواہ سرد ملک کے) فہم و مذاق کے

یکساں موافق ہے۔ اُسنے قوانین سیاست و اصول اخلاق کا ایک ایسا کامل و گراں قدر مجموعہ لوگوں کے ہاتھوں میں دیا کہ ویسا کامل تر مجموعہ پہلے کوئی نہ تھا چنانچہ ادکھاٹ صاحب مورخ لکھتے ہیں کہ "دو اصول شرع اسلام میں سے ہر ایک اصل کو دیکھئے تو فی نفسہ ایسی عمدہ اور موثر ہے کہ شارع اسلام کے شرف و فضیلت کو قیامت تک کافی ہے۔ اور اُن سب اصول کے مجموعہ سے ایک ایسا انتظام سیاست قائم ہو گیا ہے۔ جسکی قوت و متانت کے سامنے اور سب انتظامات سیاست ہیچ ہیں۔ ایک شخص کی حین حیات اور وہ بھی ایسا شخص جو ایک جاہل۔ وحشی تنگ مایہ و کم ظرف قوم کے قابو میں تھا وہ شرع اُن ممالک میں شایع ہو گئی جو سلطنتِ قاہرہ روم کبیر سے کہیں عظیم و وسیع تھیں۔ جب تک اس شرع میں اسکی اصل کیفیت باقی رہی اُسوقت تک کوئی چیز اُسکا مقابلہ نہ کر سکی"

اِس مجموعہ کی کمال خوبی اور من اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ عام اہل تصنیف کی کتابوں کے طرز و اسلوب پر جو ہر ایک مضمون کو ایک ترتیب کے ساتھ بیان کیا کرتے ہیں نہیں ہے۔ بلکہ جسطرح اُسکے اعلیٰ و پاک مضامین کا القا بذریعہ وحی وقتاً فوقتاً حسب ضرورت اور موقع کے ہوتا رہا اسیطرح جمع کر دیے گئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُسکے مواعظ و احکام کسی ایک سورہ یا اُن سورتوں کے کسی حصہ میں مجتمع نہیں ہیں۔ بلکہ ایسی وضع اور صورت میں ہیں کہ اگر اُسکا کوئی ایک صفحہ بلا قصد و بلا تعین مقام کھولکر پڑھا جائے تو پڑھنے اور سننے والوں کو اُسکے ہر مقام اور ہر مضمون

سے اخلاق وحسن معاشرت کے اعلیٰ اصولوں میں سے کوئی نہ کوئی اصول ضرور پڑھنے اور سننے میں آتا ہے۔ چنانچہ ہمارے اِس قول کی تصدیق مسٹر چیمبر کی راے سے ہوتی ہے جو اُسنے اپنی انسائیکلوپیڈیا میں لکھی ہے کہ "مذہب اسلام کا وہ حصہ بھی جس سے اُسکے بانی کی طبیعت صاف صاف معلوم ہوتی ہے نہایت کامل اور غایت درجہ کا موثر ہے۔ اِس سے ہماری مراد اوسکی اخلاقی نصیحتیں ہیں۔ یہہ نصیحتیں کسی ایک یا دو یا تین سورتوں میں مجتمع نہیں ہیں بلکہ اسلام کی عالیشان عمارت (قرآن مجید) میں سلسلۃ الذہب کی مانند ملی جلی ہیں۔ ناانصافی۔ جھوٹ۔ غرور۔ انتقام غیبت۔ استہزا۔ طمع۔ فضول خرچی۔ حرامکاری۔ خیانت اور بدگمانی کی سخت مذمت کی گئی ہے اور اُنکو قبیح اور بے دینی بتایا ہے۔ اور بمقابلہ اُنکے خیر اندیشی۔ فیض رسانی۔ پاکدامنی۔ حیا۔ بردباری۔ صبر۔ تحمل۔ کفایت شعاری۔ سچائی۔ راستبازی۔ عالی ہمتی۔ صلح پسندی۔ حق دوستی اور سب پر بالا توکل بر خدا اور انقیاد امر الٰہی کو سچی ایمانداری کی اصل و بنیاد اور مومن صادق کا اصلی نشان قرار دیا ہے" اِس مقدس مجموعے کے بانی کا کمال علم وحکمت اس سے ظاہر ہے کہ اُسنے انسان کو اخلاق کے ایک سب سے بڑے اور جامع اصول سے اِن دو جملوں میں مطلع کر دیا کہ "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوٰی"+ یعنی اعمال کی خوبی یا بُرائی صرف عمل کرنے والے کی نیت کی خوبی یا بُرائی پر موقوف ہے اور جن مکارم اخلاق کو اُس سے پہلے آنے والوں نے لمبی لمبی تقریروں

+ صحیح بخاری

اور عبارتوں میں بیان کیا تھا اُسنے اُنکو ان دو لفظوں میں بیان کر دیا کہ "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ" یعنی اپنے میں وہ صفات و عادات پیدا کرنے کی کوشش کرو جو خدا کی صفات و عادات ہیں" مثلاً عفو و رحم - حلم و حیا جود و عطا - وغیرہ وغیرہ -

اُسنے ہر ایک طرح کی بدکاری اور حرامکاری سے لوگوں کو روکا اور اُسکی جگہہ عفت و پاکدامنی اور حیا اُنکو سکھائی اور یہہ کہکر کہ "اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ" حیا کو جزو ایمان بتایا - اور حرامکاری ہی سے نہیں روکا بلکہ حرام نظر کو بھی سخت گناہ اور شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر اور لعنت کا کام کہا -

اُسنے لونڈیوں کو حرامکاری پر مجبور کرنے کی سخت ممانعت کی اور حکم دیا کہ اگر وہ عفت سے رہنا چاہیں تو حرامکاری کے لیئے اُن پر جبر نہ کرو -

اُسنے جوے اور شراب کا جن کی بُرائیاں بدیہی ہیں سخت امتناع کیا خصوصاً شراب کا جو درحقیقت تمام اخلاقی بُرائیوں اور فتنہ و فساد اور اسراف و فضول خرچی اور کئی قسم کی سخت بیماریوں کی جڑ اور بنیاد ہے - اور یہہ وہ پاک احکام ہیں جو نہ توریت میں پائے جاتے ہیں نہ انجیل میں - چنانچہ سر ولیم میور جو ایک دیندار عیسائی ہیں - اور جبتک کہ بالکل ناقابل انکار بات نہو اسلام کے حق میں گواہی نہیں دیسکتے اپنی کتاب لائف آف محمد میں ارقام فرماتے ہیں کہ "مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اُسمیں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا" مسٹر گاڈفرے ھیگنس لکھتے ہیں کہ مورخون نے بیان

گیا ہے کہ محمدؐ کے زمانہ کے پیشتر اہل عرب میخواری اور قمار بازی کے
نہایت عادی تھے۔ مگر اُن کے دو حکموں کی وجہ سے شراب و قمار بازی
کا رواج قطعاً موقوف ہو گیا۔ گو کہ اُنکو ذریعہ شہوت رانی اپنے رفقا کا الزام
لگایا گیا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ تقویٰ اور پرہیزگاری برائے نام ہی نہیں
معلوم ہوتی بلکہ مے نوشی اور قمار بازی ایسے کبیرہ جرم قرار دیئے گئے ہیں
جو معافی کے لایق نہیں۔ اور جنکی بیخ کنی ایک دم سے کردی گئی۔ اُن
کے پیرووں کی کل شہوات نفسانی اور تعصب اور عادات کی بندش کردیگئی
ہے۔ ضرور ہے کہ سبکو ترک کریں ورنہ اُن کے تابع نہیں ہو سکتے" وہ
لکھتے ہیں کہ "گبن درست کہتا ہے کہ "جس عیش و عشرت سے دل
للچائے اُسکی تکلیف دہندہ قیدوں کو بلاشبہ رندوں اور منافقوں نے
اُٹھا دیا ہے۔ مگر اُس واضح قانون پر جسنے کہ اُسکو بنایا یقیناً انصاف کی رو
سے اس بات کی تہمت نہیں ہو سکتی کہ اُسنے اپنے مریدوں کو اُنکی شہوات
نفسانی کی اجازت دینے سے فریب دیا" فی الحقیقت میرے نزدیک
فرنگستان کی کیا ہی خوش قسمتی ہوتی۔ اگر بموجب حکم الٰہی دین عیسوی میں
بھی اُنکی ممانعت ہو جاتی" پھر تھوڑا سا آگے چلکر لکھتے ہیں کہ "میری رائے
ناقص اور خیالات محدود کے بموجب اگر شراب اور قمار بازی وغیرہ کی
ممانعت انجیلوں میں پائی جاتی تو انسان کی خوشی کچھ کم نہو جاتی اور اگر حضرت
عیسیٰؑ اپنے علم غیب سے جو بزعم لوگوں کے اُنکو حاصل تھا اور جسکا محمدؐ
کو دعویٰ نہ تھا منشی چیزوں کی ممانعت کر دیتے بجز اُن صورتوں کے کہ

جنمیں وہ دوا کے طور پر ضروری ہوں تو اُس سے کچھ بُرائی زیادہ نہو جاتی"
اُسنے خون ناحق کی سخت ممانعت فرمائی اور اُسکی سزا رسم جاہلیت کے
برخلاف قاتل ہی کا قتل کیا جانا قرار دیا اور اس نامنصفانہ دستور کو کہ قاتل کو
چھوڑ کر کسی دوسرے شخص کو اور غلام کے بدلے آزاد کو اور عورت کے عوض
مرد کو اور ایک مرد کی جگہہ دو مردوں کو مارتے تھے مٹا دیا اور حکم دیا کہ "اگر کسی
آزاد شخص نے آزاد کو مارا ہے تو وہ آزاد ہی مارا جائیگا اور اگر غلام نے غلام
کو قتل کیا ہے تو وہ غلام ہی قتل کیا جائیگا - اور اگر کسی عورت نے عورت
کو مارا ہے تو وہ عورت ہی ماری جائیگی" اور چونکہ زمانہ جاہلیت میں بے انتہا
خون ہوتے تھے اور بدلا لینے کے لیے بڑی بڑی خونریز لڑائیاں ہوتیں
اور سالہا سال تک قائم رہتی تھیں جنکی وجہ سے قومیں اور قبیلے متفرق اور
ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے اور کوئی امید اتحاد مذہبی و اتفاق قومی اور
ملکی کی اُن سے نہیں ہو سکتی تھی اُن جھگڑوں کے مٹانے کی غرض سے
وہ معاہدے جو قصاص سے بری ہونے کی بابت قرار پائے تھے
جائز رہنے دیے جس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ تمام ملک میں اس سرے سے اُس
سرے تک امن و امان اور صلح و آشتی کی برکتیں پھیل گئیں - اور انتقام
و خونخواہی کی چاٹ طبیعتوں سے ایسی محو و معدوم ہو گئی کہ جانی دشمن بھائیوں
سے زیادہ دوست بنگئے اور عداوت و کینہ جوئی کے عوض محبت و ہمدردی
اور تفرق و علیحدگی کی جگہہ اتفاق قومی و اتحاد ملکی قائم ہو گیا جو انسان کے دلپر
ایک ایسے ربانی اور معجزانہ تصرف کی مثال ہے کہ جسکا حاصل ہونا بڑی ہر

بڑی سلطنتوں کی سالہا سال کی ملکی تدبیروں اور کوششوں اور کروڑوں روپیہ کے صرف سے بھی تقریباً ناممکن بلکہ محال ہوتا ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے آنحضرت کو مخاطب کرکے فرمایا۔ "اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ" (سورۂ انفال) یعنی خدا نے اُن کے دلوں میں الفت ڈالدی اگر تو تمام دنیا کے مال و دولت کو خرچ کر ڈالتا تو بھی اُن کے دلونکو نہ ملا سکتا ولیکن خدا نے اُن میں ملاپ کردیا" اور مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا "اُذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا" (سورۂ آل عمران) یعنی یاد کرو خدا کے فضل کو جو تمپر ہوا جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے۔ پس الفت ڈالدی تمہارے دلوں میں پھر اُسکی نعمت (اسلام) سے گو رات کو دشمن سوے تھے مگر جب اُٹھے تو گویا بھائی بھائی تھے" چنانچہ گبن لکھتا ہے کہ "اُسنے (آنحضرت نے) مسلمانوں میں نیکی اور محبت کی ایک روح پھونک دی۔ آپسمیں بھلائی کرنے کی ہدایت کی۔ اور اپنے احکام اور نصیحتوں سے انتقام کی خواہش اور بیوہ عورتوں اور یتیموں پر ظلم و ستم ہونیکو روک دیا۔ قومیں جو کہ اعتقاد میں مخالف تھیں فرماں برداری میں متفق ہوگئیں۔ خانگی جھگڑوں میں جو بہادری بیہودہ طور سے صرف ہوتی تھی نہایت مستعدی سے غیر ملک کے دشمن کے مقابلہ پر مائل ہوگئی"

اُسنے سرقہ اور رہزنی اور غارتگری کی قباحتوں اور نقصانوں سے

لوگوں کو آگاہ کیا اور اُسکے عوض حلال اور جائز ذریعوں سے روزی حاصل
کرنیکے فوائد اُنکو سمجھائے اور اسکا ایسا اثر ہوا اور ان جرائم کی بُرائی یہانتک
اُن کے دلوں میں بیٹھ گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ایک
روز بطور بشارت عام کے فرمایا "مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا
بِهٖ قَلْبُهٗ دَخَلَ الْجَنَّةَ" یعنی جس شخص نے دلی یقین کے ساتھ یہہ
کہا کہ خدا کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے وہ بہشت میں جا داخل ہوا
تو آپکے خادم اَبُوْذَرْ نے زنا اور سرقہ کو نہایت سخت اور ناقابل عفو گناہ
سمجھکر تعجب کے طور پر عرض کیا کہ "وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ" یعنی خواہ زنا اور چوری کا بھی مرتکب ہوا ہو - ؟ تو آپ نے
فرمایا "وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ" یعنی خواہ زنا اور چوری بھی کی ہو" اور
جب وہ تین ۳ دفعہ پوچھتا ہی چلا گیا تو آخیر میں آپ نے فرمایا "وَاِنْ
زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ عَلٰى رَغْمِ اَنْفِ اَبِىْ ذَرٍّ" یعنی اگرچہ زنا بھی کیا ہو اور
اور سرقہ کا بھی مرتکب ہوا ہو - دل سے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ" کہنے والا
ضرور داخل بہشت ہوگا - خواہ ابوذر راضی ہو یا نہو" اِس حدیث شریف
کا مُدعا یہہ نہ سمجھنا چاہیے کہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پر یقین کر لینے کے
بعد کسی نیک کام کے کرنے یا بُرے کاموں سے بچنے کی ضرورت
نہیں ہے - بلکہ یہہ مطلب ہے کہ شرک کے سوا کوئی گناہ خواہ وہ زنا یا سرقہ
ہی کیوں نہو ناقابل معافی نہیں ہے اور خدا کے فضل سے اُمید ہے
کہ ہر ایک لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر دل سے یقین رکھنے والا ضرور نجات پائیگا

جیسا کہ خود خُدا نے فرمایا ہے " اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ " یعنی بیشک خدا نہیں معاف کرتا (اس گناہ کو) کہ اُسکے ساتھ (کسی مخلوق کو) شریک کیا جاوے اور معاف کردیتا ہے اُسکے سوا (تمام گناہونکو) جسکے چاہتا ہے۔

اُسنے ایک ایسے زمانہ میں کہ مجوسیوں نے قوانین نکاح کو بالاے طاق رکھا ہوا تھا اور قرابت کے پاس و لحاظ کو خواہ وہ کیسی ہی قریب کیوں نہو بالکل نظر انداز کردیا تھا یہانتک کہ اُن کے نزدیک بیٹے کو اُسکی ماں ایسی ہی مباح تھی جیسے باپ کو اوسکی بیٹی یا بھائی کو اوسکی بہن اور یہودیوں میں ازدواج کی کوئی حد مقرر نہ تھی بلکہ انبیاے بنی اسرائیل خصوصاً حضرت داؤد اور حضرت سُلیمان کی نظیر پر جو بقول مسٹر ھیگنس "خدا کی دلی مرضی کے مطابق چلتے تھے اور جنکو خدا نے خاص اپنی شریعت کے احکام کی تعمیل کے لیے بنایا تھا" اور جو فی الحقیقت الہی ہی تھے - یہہ رسم گویا ایک مسنون طریقہ تھا - اور جسکی ممانعت بقول صاحب موصوف "حضرت مسیح نے بھی اُن بیس انجیلوں میں سے جنکو اُنکے معتقدوں کے گروہ میں سے کسی نہ کسی نے اُن کے احکام کے قلمبند کرنیکے لئے لکھا تھا کسی ایک میں بھی نہیں فرمائی" اور اپنی خاموشی سے گویا ثابت کردیا کہ آپکے نزدیک رسم مذکور بالکل جائز اور ناقابل ترمیم تھی اور اِن رسوم کے باہم خلط ملط ہوجانیکا یہہ نتیجہ ہوا تھا کہ عرب جاہلیت بلا تعین حد جورویں رکھتے تھے اور اُن کی اخلاقی حالت یہانتک

بگڑ گئی تھی کہ میراث کے مال کی طرح باپ کی منکوحہ عورتوں پر تصرف کر لینے کو اپنا حق سمجھتے اور اُنپر جبرًا متصرف ہو جاتے تھے - اور تمام عورتیں بغیر کسی امتیاز کے مردوں کی وحشیانہ خواہشوں کے پورا کرنیکا آلہ سمجھی جاتی تھیں - بلکہ بعض قبائل یمن میں جو کسیقدر یہودی اور کسی قدر صابئی یعنی ستارہ پرست تھے ایک عورت کے کئی کئی خصم ہوتے تھے اور قدیم زمانہ کے ہندوؤں کی طرح یہہ رسم بھی بے تکلف جاری تھی کہ جب عورت اپنی معمولی حالت کے بعد غسل سے فارغ ہوتی تو کمبخت بے حیا شوہر اُسکو کہتا کہ فلاں شخص کو بُلا بھیج اور حمل کے آثار ظاہر ہونے تک بڑی احتیاط کے ساتھ جورو سے کنارہ کش رہتا اور اس سے یہہ غرض ہوتی کہ بچہ نجیب اور شریف شخص کے تخم سے ہو اور اِسکو نکاح استبضاع کہتے تھے اور اس سے بڑھکر یہہ رسم تھی کہ چند آدمی جو شمار میں دس سے کم ہوتے اکٹھے ہو کر ایک عورت کے پاس جاتے اور اُس سے ہم بستر ہوتے تھے - اور جب وہ بچہ جنتی تو اُن سب کو بلا بھیجتی اور وہ سب کے سب بلا عذر حاضر ہوتے - اور وہ بچہ کو جس کے سر تھوپ دیتی - اُسکو بلا عذر منظور کرنا اور اُسکی پرورش کا ذمہ دار ہونا پڑتا - اور وہ بچہ ولد حلال سمجھا جاتا - اور اِن سب پر طرّہ یہہ دستور تھا کہ جن عورتوں کے گھروں کے آگے فاحشہ ہونے کی نشانی کے طور پر جھنڈے گڑے رہتے تھے بہت سے آدمی اکٹھے ہو کر اُن میں سے کسی ایک کے پاس جاتے اور نوبت بہ نوبت اُس سے ہمبستر ہوتے اور جب

وہ بچہ جنتی تو اُنکو اور کسی ایک قیافہ شناس شخص کو بلا بھیجتی اور وہ اُنہیں سے اُسکو جسکا بچہ کہہ دیتا بغیر کسی طرح کی شرم و حیا اور حقارت و بے عزتی کے خیال کے وہ اُسیکا فرزند کہلاتا۔ اور پیروان حضرت مسیحؑ نے (اگر اُنکو آپکا پیرو کہا جا سکے) ایک ایسا دستور اختیار کر رکھا تھا جو عقل و فطرت دونوں کے برخلاف ہے یعنی رہبانیت و تجرد محض اور مرد و عورت دونوں کو برابر یہی ہدایت تھی اور دونوں کے لئے اِسیکو نیکی سمجھا جاتا تھا۔ نہایت خوبی اور کمال دانشمندی سے اصولِ اخلاق کو ملحوظ رکھکر ایک "ایسا عمدہ طریقہ لوگوں کو سکھایا جو بلحاظ اپنی اصلیت کے نہایت کامل اور عقل کامل کے بالکل مطابق اور انسان کی تندرستی و بہبودی اور حُسنِ معاشرت کی ترقی کا نہایت عمدہ ذریعہ اور زن و مرد کی حالت زوجیت کے حق میں اور دونوں کے لئے اُسکی تلخیوں کے دور کرنے میں نہایت ہی مفید ہے" یعنی تجرد و رہبانیت کے برخلاف تاہّل و تزوّج کی تاکید رغبت دلائی اور مزاوجت کے لئے نکاح کا ہونا ضروری قرار دیا۔ اور تمام اقوامِ ایشیا علی الخصوص یہودیوں میں جو یہ رسم جاری تھی کہ شوہر زوجہ کے عوض میں اُسکے باپ کو ایک معین رقم ادا کرتا تھا اور جو ایک قسم کا خرید و فروخت کا سا معاملہ تھا۔ اسکی ممانعت کی۔ اور نکاح کو ایک معاہدہ قرار دیا جو خود مرد اور عورت کے اختیار و رضامندی سے وقوع میں آئے اور مہر کو صرف زوجہ کا حق ٹھہرایا۔ اور اُن عورتوں کی تشریح کی جنکے ساتھ عقل و اخلاق کی رو سے نکاح کر لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ اور چونکہ عورت نکاح کے

نتائج کے لئے محل ہے اسلئے اُسکو توایک سے نکاح کرلینے کے بعد
اور اُسکے فسخ ہونیکے قبل دوسرے سے نکاح کرلینے کی ممانعت کی تاکہ
صحتِ نسب اور قاعدہُ میراث میں جو باہم لازم وملزوم ہیں اور جن پر
تمدن کے متعلق اکثر معاملات موقوف ہیں خرابی اور خلل واقع نہو۔ مگر
مرد کو جس کی حالت عورت کی حالت کے برخلاف ہے اور جس کے
ساتھ اور اقسام کے ایسے تمدنی امور متعلق ہیں جو عموماً عورات سے متعلق
نہیں ہیں خاص حالتوں میں مثلاً جبکہ عورت اپنے فطری فرائض
مزاوجت کے ادا کرنے میں قاصر یا اوسکی اصلی غرض (پیدائش اولاد)
کے ناقابل ہو ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ مگر ایک حدِ خاص
تک نکاح کرلینے کی اجازت دی۔ لیکن بے اعتدالی سے باز رکھنے کے
لئے جو ہمیشہ بدتر اور بعض دفعہ خطرناک ہوتی ہے عدالت کی ایک ایسی شرط
لگادی کہ جسکی کامل رعایت کے بغیر کوئی سچا دیندار اُس اجازت سے
فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ چنانچہ صحابۂ کرام بلکہ خود بانیٔ اسلام علیہ وآلہ الصلواۃ
والسلام کی سیرتِ مبارک پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس شرط
کا ایفا کس قدر مشکل اور اسکی پابندی کسقدر ضروری ہے۔ اور جب ہم عرب
جاہلیت کی کثرت ازواج اور اُس طرزِ سلوک کا خیال کرتے ہیں۔ جو وہ اپنی
عورتوں کے ساتھ کرتے تھے۔ اور پھر اُس حالت پر غور کرتے ہیں کہ جو اسلام
کی بدولت اُنکی ہوگئی تو ہمارا دل ایک فخر آمیز تعجب سے بھر جاتا ہے
اور یقین ہوتا ہے کہ انسان کے دل پر اس قسم کا تصرف کہ جس نے اُنکی

حالت کو بالکلیہ منقلب کردیا بیشبہہ ربّانی تصرّف تھا۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت علیٔ مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی یہہ کیفیت تھی کہ اپنی دو ازواج میں سے ایک زوجہ کی نوبت کے دن دوسری زوجہ کے حجرہ میں وضو تک نہیں کرتے تھے۔ اور معاذ بن جبل جو انصار میں سے ایک صحابی ہیں اُن کی دو بیویوں نے جو مرض طاعون میں دفعتاً قضا کی تو عدالت کے خیال سے اُنکو یہہ جرأت نہوئی کہ قرعہ ڈالنے کے بغیر ایک کو پہلے اور ایک کو پیچھے دفن کریں۔ اور یہی طریقہ اور صحابہ کرام کا بھی تھا۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شرط کی یہانتک رعایت فرماتے تھے کہ شدّت مرض میں بھی جس سے آخرکار جان بر نہو سکے ازواج مطہرات میں سے جس زوجہ کے گھر میں رہنے کی باری ہوتی بعض صحابہ کرام کے سہارے سے وہاں تشریف لیجاتے تھے اور اسپر بھی جناب باری میں بکمال عجز و نیاز یہہ عرض کرتے رہتے تھے کہ "اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِکُ وَلَا اَمْلِکُ" یعنی خداوندا یہہ میری تقسیم ہے جسمیں میں اختیار رکھتا ہوں۔ پھر تو مجھکو اُس امر میں ملامت نکر جو تیرے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں +

اگر یہہ بیرحمانہ اور خلاف فطرت طریقہ اختیار کیا جاتا کہ عورت کے کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے ناقابل معاشرت یا ناقابل اولاد ہونے کی

+ دیکھو تفسیر مجمع البیان۔ سورۂ نساء۔ تحت آیہ کریمہ وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا
مؤلف

حالت میں اُس سے قطع تعلق کے بغیر دوسری عورت جائز نہوتی یا
خاص حالتوں میں عورت کو استحقاقِ فسخِ نکاح حاصل نہوتا تو مرد و عورت
دونوں کے حق میں نہایت قبیح اور بدترین برائیوں کا باعث اور ایسے
نتائج کا منتج ہوتا جو تمدن و حسن معاشرت اور اخلاق تینوں کے لئے سمِ قاتل
ہیں ۔ پس ان تمام دقایق کو ملحوظ رکھکر فطری ضرورتوں کی حالت میں مرد کو
عدالت کی نہایت ضروری اور لازمی شرط کے ساتھ حسب موقع و ضرورت
ایک حد تک نکاح کر لینے اور عورت کو عدالت کے توسط سے اُسکے فسخ کرا لینے
کی اجازت دینا نہایت ہی مناسب بلکہ ضروری تھا ۔ جن لوگوں نے انسان
کی فطرت اور اُسکے مدنی الطبع ہونیکے لوازم اور ضروریات پر غور کیا ہے
وہ سمجھ سکتے ہیں کہ تمدن کے متعلق اور معاملات کی طرح ازدواج بھی ایک
ضروری اور فطری معاملہ ہے ۔ اور یہہ کہ اُسکے لئے کسی ایسے قانون کا ہونا
ضروری ہے جو فطرت کے مطابق اور تمدن و حسن معاشرت کے موافق ہو
اور اگر فطرت کے برخلاف یا ایسے نتائج کا منتج ہو جس سے تمدن و حسن معاشرت
کو ضرر یا نقصان پہنچے تو سمجھا جائیگا کہ اُسکا واضع فطرتِ انسانی سے
ناواقف تھا ۔ اور وہ قانون اسکا مستحق نہو گا کہ تمام انسانوں کی حالت
کے (خواہ وہ گرم ملک کے رہنے والے ہوں یا سرد ملک کے) مناسب
سمجھا جائے ۔ پس ہم فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ جو قانون اِس معاملہ
میں بانی اسلام علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو بتایا ہے
وہ فطرت انسانی کے بالکلیہ مطابق اور اپنی ٹھیک ٹھیک پابندی کیحالت

میں تمدن وحسن معاشرت کا مؤید اور کافۂ انام کی حالت کے یکساں
مناسب وموافق ہے۔ اور یہی دلیل اُسکے اُس حکیم علیم کی طرف سے
ہونے کی ہے جو زن ومرد کا خالق اور اُن کے مصالح اور ضروریات
زندگی کا جاننے والا ہے۔ یعنی اُس نے مرد کے لئے ایک ہی
عورت کی اجازت دی ہے جو فطرت کا مقتضا ہے۔ لیکن بعض
فطری ضرورتوں کی حالت میں ایک خاص اور لازمی شرط کے
ساتھ جس کی بجاآوری نہایت مشکل بلکہ قریب بہ محال ہے اس قانون
سے عدول کرنے کی بھی اجازت دی ہے جو درحقیقت عدول نہیں ہے۔
بلکہ قانون فطرت کے ایک دوسرے قاعدہ پر عمل کرنا ہے۔

بعض نامور عیسائی فاضلوں نے جو اس معاملہ میں اپنی رائیں لکھی
ہیں اُن کا اس موقع پر نقل کیا جانا خالی از فائدہ نہوگا۔

مسٹر ڈیون پورٹ صاحب مانٹسکیو کی راے یوں نقل
کرتے ہیں کہ "گرم ملک میں عورتیں آٹھ ۸ نو ۹ یا دس ۱۰ برس کی عمر میں
نکاح کرنے کے لائق ہوجاتی ہیں۔ پس اُن ملکوں میں بچپن اور نکاح کے
لائق جوانی گویا ساتھ ہی ساتھ ہوتی ہے۔ بیس ۲۰ برس کی عمر میں وہ بڑھیا
ہوجاتی ہیں۔ پس اسلئے یہہ ایک قدرتی بات ہے کہ اُن ملکوں میں
جبکہ کوئی قانون مانع نہو انسان ایک جورو کو طلاق دیکر دوسری جورو کرلے
اور تعدد ازواج کا قاعدہ جاری کیا جاے"

مسٹر ھیگنس صاحب لکھتے ہیں کہ "علم قواے انسانی اور

علم طبعیات کے ماہرین نے بعض وجوہات ایسی دریافت کی ہیں
جو تعدد ازواج کے واسطے بطور ایک عذر کے متصور ہو سکتی ہیں۔
اور گو ہم شمالی ملکوں کے سرد خون والے مینڈک کے سے مزاج کے
جانداروں سے متعلق نہیں ہو سکتے ہیں مگر بنی اسمٰعیل سے جو گرم ریگستان
کے رہنے والے ہیں متعلق ہو سکتے ہیں" علاوہ اس کے وہ
بیان کرتے ہیں کہ "مسٹر ڈبلیو اوسلی صاحب کے مجموعہ
متضمن حالاتِ ایشیا صفحہ ۱۰۸ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ "ایشیا
کے گرم ملکوں کی تاثیر سے دونوں گروہ یعنی مرد و عورت میں ایک
ایسا اختلاف ہوتا ہے جو یورپ کی آب و ہوا میں نہیں ہے جہاں
دونوں برابر برابر اور بتدریج عالم ضعیفی کو پہنچتے ہیں۔ مگر ایشیا
میں صرف مرد ہی کو یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ ضعیفی میں بھی
قوی اور طاقت بدستور رہتا ہے۔" اگر یہ بات سچ ہے تو بانی مذہب
اسلام کے لئے اس بات کی کہ اُنہوں نے متعدد جوروؤں کی
اجازت دی ایک بڑی وجہ تھی۔ اور یہ ایک کافی سبب اس بات
کا ہے کہ حضرت مسیح نے اس مضمون کی نسبت اپنی کوئی رائے
ظاہر نہیں کی۔ بلکہ اُس کو ملکوں کی گورنمنٹوں کے آئین پر چھوڑ دیا۔ کیونکہ
جو بات ایشیا کے واسطے مناسب ہو گی وہ یورپ کے واسطے نامناسب
ہو گی"

یہ رائیں جیسا کہ ظاہر ہے صرف امور طبعی کے لحاظ سے

دیگئی ہیں مگر قرآن مجید سنے یہہ اجازت صرف اِن اموری ہی کے
لحاظ سے نہیں دی۔ بلکہ اُن فطرتی مقاصد و اغراض کے لحاظ سے
دی ہے جنکو ہم سنے مشروحًا بیان کردیا ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ
کی خاموشی سے یہہ نتیجہ نکالنا کہ آپ نے اس معاملہ کو ملکوں کی
گورنمنٹوں کے آئین پر اس خیال سے چھوڑ دیا کہ "وجوبات ایشیا کیواسطے
مناسب ہونگی وہ یورپ کے واسطے نامناسب ہونگی" بلادلیل اور بعید
از قیاس ہے اور صحیح نتیجہ وہی ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔
یعنی آپ کے نزدیک رسم تعداد ازواج کا ناقابل اعتراض و ناقابل ترمیم
ہونا۔ چنانچہ نہایت مشہور و معروف عالم جان ملٹن جو تعدد ازواج کا
ایک مشہور حامی ہے بیبل میں سے بہت سی آیتیں نقل کرنیکے
بعد لکھتا ہے کہ "علاوہ اسکے خدا نے ایک تمثیلی صورت (صحیفہ
حزقیل) میں مسماۃ اَن اہولا اور اہولیبا سے اپنا نکاح کرنا ظاہر کیا
ہے۔ اور یہہ ایک ایسا طرز بیان ہے کہ اسکو خداوند تعالیٰ بالتخصیص
اس طوالت کے ساتھ ایک تمثیل میں کبھی ہرگز اختیار نکرتا اور نہ درحقیقت
ایسی بات کا مرتکب ہوتا اگر وہ رسم جس کی دلالت اُس سے ہوتی ہے
فی نفسہ معیوب یا مذموم ہوتی۔ پس جس رسم کا امتناع انجیل میں بھی
کسیکو نہیں ہے وہ کیونکر معیوب یا مذموم خیال کیجاسکتی ہے۔
کیونکہ انجیل میں اُن ملکی آئینوں میں سے کوئی بھی منسوخ نہیں کیا گیا ہو
جو انجیل سے پیشتر جاری تھے" جان ملٹن یہہ بھی کہتے ہیں

کہ "میں عبرانیوں کے خط کے تیرہویں باب کی چوتھی آیت سے
جواز تعدّد ازدواج پر اس طور سے استدلال کرتا ہوں کہ یہ رسم یا تو نکاح جائز
ہے - یا فجور ہے - یا زنا ہے - پس اُس مقدس رسول (پولوس)
نے کوئی چوتھی صورت تسلیم نہیں کی - پس میں یقین کرتا ہوں کہ
اُن بہت سے بزرگوں کی تعظیم و توقیر کے لحاظ سے جو کثیر الازدواج تھے
ہر ایک شخص اُسکو فجور یا زنا خیال کرنے سے باز رہیگا - کیونکہ خدا حرامکاروں
اور زانیوں کو سزا دیگا - حالانکہ اُن بزرگوں پر خدا کی خاص نظر تھی جیسا
کہ خود اُسنے فرمایا - پس اگر متعدد نکاحوں کا کرنا ٹھیک ٹھیک نکاح
ہو تو وہ جائز ہے - اِسی حواری کا قول ہے کہ "سب میں نکاح کرنا بھلا
ہے اور بستر ناپاک نہیں" انتہی قولہ

مندرجہ ذیل رائیں بھی جو بعض غیر متعصب اور عالی حوصلہ عیسائی
مصنفوں نے اسلام کی تائید میں لکھی ہیں ملاحظہ طلب ہیں -

مسٹر طامس کارلائل مرحوم جو اس زمانہ کی دنیا میں ایک
نہایت مشہور شخص تھے اپنی کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ
کے لکچر دوم میں لکھتے ہیں کہ "اسلام کے میل الی الشہوات کی نسبت
بہت کچھ تقریریں اور تحریریں ہوئی ہیں اور یہ اعتراضات انصاف کی
حد سے بڑھکر ہیں - وہ اجازتیں جو ہم کو قبیح معلوم ہوتی ہیں اور
جنکی پروا نگی نبی عربی نے دی وہ خاص اُنکی ایجاد نہ تھیں اُنہوں نے
ان باتوں کو عرب میں قدیم سے مروّج اور غیر معیوب پایا - مگر اُنہوں نے

جو کچھ کیا وہ یہہ کیا کہ اُنکو رنگ دیا نہ صرف ایک ہی طرف سے بلکہ کئی پہلو سے"

مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب ایم۔ اے سلمہ اللہ تعالیٰ اگرچہ بالطبع عیسائیت کو اسلام پر ترجیح دیتے ہیں مگر تاہم جو کچھ اُنہوں نے اسلام کی تائید میں لکھا ہے وہ ہماری نہایت شکر گزاری کا مستحق ہے وہ لکھتے ہیں کہ "اسلام کی نسبت جو بات نہایت بار بار کہی جاتی ہے وہ یہہ ہے کہ اُسکے اس قدر کامیاب ہونے کی وجہ یہہ ہے کہ وہ ایک بڑی حد تک شہوات نفسانی کے پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر اس سے زیادہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ جس کے معنی گویا یہہ ہیں کہ ایک مذہب اپنی بداخلاقیوں کی وجہ سے بھی دائمی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ میں یہہ نہیں کہتا کہ اسلام اپنی اخلاقی حالت میں کامل عیسائیت کے برابر ہے۔ کیونکہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے عربوں کے لئے نئے خصائل و عادات تجویز نہیں کئے اور یہہ اُنکی دانائی تھی کیونکہ عربوں کے خصائل و عادات کو یکایک بدل دینا یا محو کر ڈالنا ممکن نہ تھا۔ سولن (ایک مشہور ترین یونانی مقنن اور حکیم تھا) نے اپنے قوانین کی نسبت کہا ہے کہ "گو میرے قوانین ایسے نہیں ہیں جو بہترین کہے جا سکیں مگر البتہ وہ اتھینز کے لوگوں کی حالت کے لحاظ سے اُنکے لئے بہترین قوانین ہیں" اور اُسکا یہہ جواب عموماً صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔

موسیٰؑ نے عادات و رسوم ملکی مثل اختیارات سردار قوم

قتل عام۔ خونی دشمنیاں۔ تعدد ازدواج اور غلامی کو جیسا پایا ویسا ہی
رکھا اور بجائے بالکل موقوف کرنیکے صرف اُن کی نہایت شدید برائیوں
کی اصلاح کردی اور اسطرح پر بلا ارادہ کسی رسم کو تو پہلے سے زیادہ مستقل اور
کسی کو ایسا کر دیا جو آخر کار مٹ جاوے۔

اسی طرح مذہب عیسوی نے اپنے زمانہ کے کل قومی یا پولٹیکل رسوم
و دستورات کو ملیا میٹ نہیں کیا۔ مسیح نے صرف اسپر قناعت کی
کہ اپنے پیرووں کے دلوں میں نیک اصولوں کا بیج بو دے تاکہ جب
وقت آئے وہ قبیح رسوم و دستورات خود بخود مٹ جائیں۔ اُس نے
یہہ ارادہ کرکے کہ میں بیج بوؤں اور لوگ اُسکا پھل کھائیں۔ اور میں
محنت کروں اور لوگ اُس سے فائدہ اُٹھائیں۔ زمین میں رائی کا
بیج ڈالدیا جو کسی دن ایسا عظیم الشان درخت ہو جاوے جس کی شاخیں
دنیا پر چھا جائیں اور سب قوموں کے لئے برکت ہوں۔ ایک نہایت
عالیشان ضبط اور نفس کشی کے ساتھ یہہ خیال کرکے کہ میرا مذہب آیندہ
زمانہ میں نہایت ترقی پائیگا مسیح نے اُس وقت خاص کا خیال چھوڑ دیا
اور سلطنت روم کی سخت برائیوں مثل فتوحات ممالک غیر ظلم یعنی تھی ایٹر†
اور غلامی کو جو اُسکی روح پر صدمہ پہنچاتی ہونگی بُرا بھلا نہ کہا۔ بلکہ ایسے

† یہہ تماشا خانے بیضوی شکل کے ہوتے تھے اور اسواسطے ایمفی تھی ایٹر یعنی بیضوی تماشا خانے کہلاتے تھے
اُنکا عظم و شان اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ ساٹھ ہزار آدمی ان میں بیٹھ سکتے تھے۔ یہہ رومیوں کی سلطنت
جمہوری کے اخیر زمانہ کی ایجاد تھے۔ سب سے پہلا تماشا دو سو ساٹھ ۲۶۰ برس قبل مسیح علیہ السلام کے

الفاظ کہے جن کے معنی غلطی سے یہہ لگائے گئے کہ ہر حالت میں دوسرون کی اطاعت واجب ہے۔ اور یہہ کہ لوگون کو قوانین ملک سے اطاعت کے سوا اور کچھ سروکار نہونا چاہیئے۔ محمد بانی مذہب ہونے کے علاوہ ایک مقنن اور مدبر بھی تھے۔ پس کیا وجہ ہے کہ جو عذرات ہم سولن کے لئے جائز قرار دیتے ہیں اور جو تعریف کہ ہم شریعت موسوی کے محدود احکام کی کرتے ہیں اسلام کے لئے اُن سے انکار کیا جاوے۔ ذاتوں کی تفریق کے بعد تعدد ازواج فی الواقع سب سے زیادہ خرابی پیدا کرنے والی رسم ہے جو ایک ایسی قوم میں جاری رہ سکتی ہے جو اپنی ترقی کے ابتدائی درجوں کو طے کر چکی ہو۔ اس سے محبت شہوات نفسانی کی ذلیل صفت میں منتقل ہو جاتی ہے اور اس طرح سے مرد و عورت میں تمام روحانی تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ یہہ سوسائٹی کی بنیاد کو خراب کر دیتی ہے۔ کیونکہ خاندان ہی تمام

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

شہر روم کبیر مین ہوا تھا۔ اِن میں بڑی بیرحمی کے ساتھ وحشی اور درندے جانور باہم لڑائے جاتے تھے اور رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچگئی تھی کہ انعام حاصل کرنے کی غرض سے لوگ باہم ہتھیاروں سے لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ یہہ لوگ گلیڈی ایٹر کہلاتے تھے اور اُنکے ساتھ وہ تمام خونخوار درندے بھی شامل کئے جاتے تھے جو تماشے کی رونق بڑھانیکے لئے افریقہ اور ایشیا کے جنگلوں سے پکڑے آتے تھے۔ سب تماشوں سے پیچھے گلیڈی ایٹروں کی لڑائی شروع ہوتی تھی جو لڑائی سے پہلے سب کے سب ہم آواز ہو کر قیصر کو یوں سلام

پولیٹکل اور سوشیل نیکوئیوں کی اصل ہے ۔ اگر محمدؐ اس بد رسم پر جھاڑو
پھیر دیتے تو وہ اُس بار احسان کو جو اُنکی طرف سے تمام ایشیائی دنیا
پر ہے دو گنے سے بھی زیادہ کر دیتے ۔ لیکن میں نہیں خیال کر سکتا کہ
اگر بالفرض اُنکو اوسکی پوری پوری بُرائیاں معلوم بھی ہو جاتیں تب بھی
وہ ایسا کر سکتے ۔ تعدد ازواج ایک ایسی رسم ہے جو ایسے ایسے عمیق
اسباب سے پیدا ہوتی ہے کہ کوئی مصلح قوم خواہ کیسا ہی بڑا کیوں
نہو اُسکو اپنی زبان کے الفاظ یا قلم کی حرکت سے دور نہیں کر سکتا
بت پرستی کے دور کرنے میں جیسا کہ مینے پچھلے لکچر میں کہا ہے محمد
خاص عربستان میں ایک تاریخی نظیر وحدانیت الٰہی کے اعتقاد کی رکھتے
تھے اور ایک موجودہ مذہبی خیال بھی اُنکی تائید کے لئے موجود تھا
جسکی امداد سے فائدہ اُٹھانے میں اُنھوں نے کوتاہی نہیں کی ۔ لیکن
رسم تعدد ازواج کے منع کرنے میں اس قسم کی کوئی بیرونی امداد

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

کرتے تھے "مرحبا قیصر مرنے والے تجکو سلام کرتے ہیں " اور جب کوئی اپنے حریف کو
زخمی کرتا تو تماشائیوں کی طرف دیکھکر کہتا "اسکے کاری زخم لگا" اور اُسکے مار ڈالنے یا چھوڑ دینے
کی اجازت چاہتا ۔ چنانچہ تماشائی اپنا انگوٹھا اوپر کو اُٹھاتے تو چھوڑ دینے کا اور نیچے کو کرتے تو
مار ڈالنے کا اشارہ سمجھا جاتا تھا ۔ اور بیچارہ مغلوب اگر اپنی گردن ضرب اخیر کے لئے پیش کرنے
میں تامل کرتا تو لعن وطعن کا نعرہ بلند ہوتا اور لوگ پکار کر کہتے "لوہا حاصل کرو" یعنی لوہے کے
ہتھیار کے سامنے جاؤ ۔ اور شہنشاہ سے لیکر ایک ادنی شخص تک کو بھی یہ خیال نہ آتا تھا
کہ یہ ہم کیا حرکت کرتے ہیں ۔

مؤلف عفی عنہ

وہ نہیں پا سکتے تھے۔ کیونکہ عرب کے عالی خیال لوگوں میں بھی مطلق
کوئی خیال ایک عورت سے شادی کرنے کی تائید میں نہ تھا اور خود
عورتیں اپنی اس حالت پر ایسی ہی قانع تھیں جیسے کہ خداوند۔ پس مثل ایک
ٹھیٹ عرب کے محمدؐ نے تعدد ازواج کی رسم کو بطور ملک کی ایک
موجودہ رسم کے قائم رکھا مگر مصلح اور مقنن ہونے کی حیثیت سے بہت سے
قاعدے اُسکی برائیوں کے گھٹانے کے لئے بنا دیئے۔ لیکن اس بنا پر
یہہ کہنا کہ اسلام رسم تعدد ازواج کا جواب دہ ہے اُسیقدر خلاف انصاف
ہے جسقدر یہہ کہنا کہ مذہب عیسوی غلامی کا جواب دہ ہے۔ انجیل میں
بیشک کوئی صریح ممانعت غلامی کی نہیں ہے بلکہ اسکے برخلاف
اسمیں غلامی کو بطور ایک موجودہ رسم کے قبول کیا گیا ہے۔ اور پولوس
نے مالکوں کے ساتھ نوکروں کے فرائض (جنکو اُسنے غلاموں کے
سخت نام سے مخاطب کیا ہے) ایسی ہی صراحت سے بیان کیا ہے
جیسا کہ مالکوں کے فرائض کو اُن کے ساتھ۔ مگر اس بنا پر کوئی عیسائی یہ
قبول نہیں کریگا کہ اُسکے مذہب نے غلامی کو جائز رکھا ہے یا اُس کے
لئے ذمہ دار ہے۔ کیونکہ اُسکو یہہ ثابت کرنا کچھ مشکل نہوگا کہ جس درجہ کی
انسانیت کی تعلیم انجیل میں ہر مقام پر دیگئی ہے وہ غلامی کو ایک عرصہ دراز
تک قائم رکھنے کے ساتھ مطابقت نہیں کھاتی اور بذاتہ اول تو فرداً فرداً
عیسائیوں اور پھر عیسائی قوموں کی حالت کی اُسے اس امر کے لئے
کافی ہے کہ غلامی کی موقوفی کو جیسا کہ آخر کار اُسنے اب کیا ہے حاصل کریں

پس غلامی عیسائیت کے صرف ساتھ ساتھ چلی آئی ہے۔ مگر اوسمیں
مل نہیں گئی جیسے دریاے آذہ کا گدلا پانی دریاے رھون کے
صاف و شفاف پانی سے دونوں دریاؤں کے باہم ملجانے کے
بعد بھی دور تک ممیز چلا جاتا ہے۔ شاید یہہ بات تعجب انگیز معلوم ہوتی
ہے کہ عیسائیت اور غلامی ایک روز کے لئے بھی کس طرح اکٹھی رہیں
لیکن ہم کو تو حقایق سے بحث ہے اور یہہ امر محقق ہے کہ غلامی
بیشک عیسائیت کے ساتھ ساتھ رہی ہے بلکہ اُسنے عیسائیت
کی رو سے جایز ہونیکا دعویٰ اس اُنیسوین ۱۹ صدی تک بھی کیا ہے۔

بحیثیت ایک اخلاقی اور قانونی مجموعے کے اسلام کا مقابلہ بہ نسبت
عیسائیت کے جیسا کہ میں نے اسوقت کیا ہے یہودیت کے ساتھ
کیا جانا زیادہ تر قرین انصاف ہے کیونکہ تہذیب و شائستگی۔ خصائل و
عادات اور قومیت کے لحاظ سے محمدؐ کے زمانہ کے عرب بہ نسبت
اُن قوموں کے جن پر عیسائیت اپنا اصل قبضہ کرنے والی تھی بنی اسرائیل
سے زیادہ تر مشابہ تھے۔ چنانچہ شریعت موسوی نے تعدد ازواج کو
روکنا تو کیا اُسپر کوئی حد بھی نہیں لگائی۔ ائمہ دین اور جج اور بادشاہ تمام
اس رسم کے پابند تھے اور جو لوگ اُن میں زیادہ عالی رتبہ اور زیادہ تر
روحانی خیالات رکھتے تھے وہ بھی اس رسم کے باب میں اُن لوگوں
سے کچھ کم نہ تھے۔ وہ شخص جسکا خدا کا سا دل تھا حضرت داؤد کیطرف
اشارہ ہے اور وہ بادشاہ جسکی دانائی اور شان و شکوہ کے گیت

ابتک بہت سے مشرقی ملکوں میں گائے جاتے ہیں (یعنی حضرت سلیمانؑ) اس رسم کے ایسے پیرو تھے کہ اُن سے وہ مسلمان سردار بھی جنہوں نے قرآن کے قوانین کو توڑ ڈالا اور اپنی وحشیانہ خواہشیں پوری کرنے اور شان و شکوہ ظاہر کرنے کی ہوس میں روایات کے معنوں میں یہانتک تاویلیں اور کھینچ تان کی کہ وہ اپنی حد سے باہر ہوگئیں۔ مشکل سبقت لیجا سکتے ہیں۔ محمدؐ مشرقی سوسایٹی کی کُل رسموں کو نہیں بدل سکتے تھے۔ البتہ جو کچھ اُن سے ہوسکا وہ اُنہوں نے کیا۔ کم سے کم اُنہوں نے اتنا تو ضرور کیا کہ اس غیر محدود رسم کو محدود بنا دیا۔ اور نیز طلاق کے باب میں جو سخت بے پروائی تھی اسکی بھی اصلاح کی" (انتہی اقولہ)

ایزک ٹیلر صاحب نے افریقہ میں مذہب اسلام کی نسبت بحث کرتے ہوئے قصبہ وولو ہمپٹن کی چرچ کانگریس کے روبرو اپنی راے حسب ذیل بیان کی کہ "دو بڑی عملی مشکلیں افریقہ کو اعتقاد پر لانیکے لئے ہیں یعنی تعدد ازدواج اور خانگی غلامی محمدؐ نے انکی ممانعت نہیں کی جیسا کہ موسیٰؑ نے بھی نہیں کی تھی۔ یہ ناممکن ہوتا لیکن اُسنے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) اُنکی برائیوں کو ہلکا کردینے کی کوشش کی۔ غلامی مذہب اسلام کا کوئی جزو نہیں ہے۔ وہ بطور ایک اضطراری برائی کے محمدؐ نے جائز رکھی تھی جیسا کہ موسیٰؑ اور سینٹ پال نے کیا تھا۔ تعدد ازدواج ایک بڑا دقیق مسئلہ ہے موسیٰؑ نے اُسکو نہیں روکا اور داؤد جس کا خدا کا سا حال تھا اُسکو عمل

میں لایا - اور انجیل میں صاف طور سے ممنوع نہیں ہے اگرچہ
اُسکے اصلی منشا کے برخلاف ہے - محمدؐ نے تعدد ازواج کی
بیحد اجازت کو محدود کر دیا - صرف ایک عورت سے شادی کرنا شاذونادر
نہیں ہے - بلکہ سب سے زیادہ تہذیب یافتہ مسلمان ملکوں میں
یہہ ایک عام قاعدہ ہے - ہمکو یہہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ رسم تعدد
ازواج مع اپنی تمام برائیوں کے اُسکے ہموزن فوائد بھی رکھتی ہے -
اُسنے دختر کشی کی رسم کو بالکل موقوف کر دیا ہے - اور ہر ایک عورت
کا ایک قانونی ولی اُسی کے سبب سے ہوتا ہے - تعدد ازواج کے
سبب مسلمانوں کے ملک پیشہ ور عورتوں سے جو کہ مذہب سے خارج کر دیگئی
ہیں بالکل بری ہیں - اور یہہ تمام عیسائی ملکوں کی زیادہ تر رسوائی کا باعث
ہیں بہ نسبت تعدد ازواج کے جو کہ اسلام کے لیئے ہے - اور ٹھیک
طور سے باقاعدہ بنائی ہوئی رسم تعدد ازواج مسلمانوں کے ملکوں کی
عورتوں کو بہت کم ذلیل کرنے والی اور مردوں کے لیئے بہت کم
نقصان پہنچانے والی ہے بہ نسبت اُس ناجائز رسم تعدد شوہروں
کے جو عیسائیوں کے تمام شہروں کا وبال ہے اور جو اسلام میں
بالکل نہیں پائی جاتی - ہم کو خبردار ہونا چاہیئے کہ شاید ایک برائی کو بوقت
دور کرنے میں ہم اُسکی جگہہ ایک اُس سے زیادہ بڑی برائی کو قائم
کر دیں - انگریزجنکو ایک عورت کے لیئے کئی خصم ہونے پسندیدہ
معلوم ہوتے ہیں مسلمانوں پر جو کہ جوروؤں کے تعدد کو پسند

کرتے ہیں طعن کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ پروہ ہکو قبل اسکے کہ کسیکی آنکھ کے تنکے کا خیال کریں اپنی آنکھ کا شہتیر نکالنا چاہتے" (ماخوذ از اخبار سینٹ جمیس گزٹ لندن مطبوعہ ۸- اکتوبر ۱۸۸۷ء)

اب ہم طلاق کی نسبت بحث کرینگے اور دکھائینگے کہ تمام دنیا کے مذاہب میں صرف مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسنے اس مسئلہ میں سب سے زیادہ حسن معاشرت کی اصلاح اور حفاظت پر نظر رکھی ہے عیسٰے علیہ السلام کے ظہور سے کچھ پہلے فقہاے یہود میں دو مذہب ہو گئے تھے۔ شمائی اور اوسکے مقلدوں کی یہہ راے تھی کہ صرف بدچلنی یا علانیہ بدکاری پر طلاق دیجاوے۔ مگر ھلل اور اُسکے پیروؤں کا یہہ اجتہاد تھا کہ ادنی خطا پر بھی عورت کو طلاق دیدینی چاہیے۔ ربی عقبہ بھی اسی راے کا موید تھا۔ انجیل مقدس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کے ظہور کے زمانہ میں یہودی زیادہ تر اس پچھلی ہی راے پر عمل کرتے تھے + اور طلاق دینا بغیر کسی قید اور شرط اور حالت کے مرد کے اختیار میں تھا کہ وہ جب چاہے طلاق نامہ لکھکر جورو کے حوالے کردے۔ اور ایسا کرنیسے وہ کسی گناہ کا گنہگار نہیں سمجھا جاتا تھا۔ عیسے علیہ السلام نے اُنکی اس رندی و بے قیدی کے روکنے کے لئے جو حد سے زیادہ بڑھگئی تھی اُن سے فرمایا "زنا کے سوا کسی سبب سے طلاق دینا زنا کروانا ہے اور جو کوئی مطلقہ عورت سے نکاح

+ دیکھو انجیل متی باب ۱۹ مولف عفی عنہ

کرتا ہے وہ بھی زنا کرتا ہے" لیکن اسکے ساتھ یہہ بھی فرمایا" وہ دونوں (مرد و عورت) ایک تن ہیں۔ پس جسے خدا نے ملایا ہے اُسے انسان جدا نہ کرے" جس سے صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ آپکا اصل منشا اس معاملہ میں کیا تھا۔ چنانچہ مشہور و معروف مورخ گبن لکھتا ہے کہ آپ نے اس معاملہ میں جو کلمات فرمائے ہیں وہ ایسے مبہم و متشابہ ہیں کہ مقنن اپنی عقل کے موافق جیسی کچھ چاہے اُن میں تاویل کر سکتا ہے۔ سلیڈن اپنے رسالہ مسمیٰ بہ ازدواج میں لکھتا ہے* کہ "حضرت مسیح نے یہہ گول گول جواب اسلئے دیا تھا کہ علمائے یہود کے دونوں فرقوں کے لوگوں کو جنکا نام شماعی اور ھلل تھا زیچ نہو کہ ہمارے احکام کے برخلاف اس شخص نے یہہ حکم کیوں دیا" بہرحال اُس جواب سے جو آپ کے علمائے یہود کو دیا تھا آپکا منشا خواہ کچھ ہی ہو مگر اتنی بات صریح ثابت ہے کہ نفس طلاق کی ضرورت آپ کے نزدیک بھی ایک مسلّم امر تھا۔

انجیل کے جس لفظ کا ترجمہ زنا کیا گیا ہے وہ ایک عام لفظ ہے اور سب قسم کی برائیوں پر حاوی ہے۔ اور اُسکا ٹھیک ترجمہ افعال ذمیمہ ہو سکتا ہے۔ اور اس سے معقولیت کے ساتھ یہہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ حضرت مسیح علمائے یہود میں سے شماعی اور اُسکے مقلدوں کی رائے کو صحیح سمجھتے تھے۔ اور ھلل اور اُسکے پیروؤں کا اجتہاد

* دیکھو کتاب تنقید الکلام کا حاشیہ دوئم متعلقہ باب چہارم۔ مؤلف

آپ سے کے نزدیک نادرست اور کتاب اقدس کے مُدعا کے برخلاف
تھا۔ چنانچہ ہماری اس راے کی تائید فاضل محقق جان ملٹن کی راے سے
ہوتی ہے۔ وہ اپنی کتاب مسائل مذہب عیسوی میں لکھتے ہیں کہ "نکاح
کی جو تعریف کی گئی ہے اُسکی رو سے نکاح نہایت مرتبہ کا ایک اتحاد ہے
مگر ناقابل انفکاک یا ناقابل تفریق نہیں ہے۔ بعض لوگ اُسکے ناقابل
تفریق ہونیکے نسبت متی کی انجیل باب ۱۹ ورس ۵ سے استدلال
کرتے ہیں جسمیں لکھا ہے کہ "وہ دونوں ایک تن ہو جاوینگے" اگر
ان الفاظ پر مناسب طور سے غور کیا جاوے تو اسکے یہہ معنی نہیں ہیں کہ
نکاح قطعاً قابل تفریق نہیں بلکہ اُن سے صرف یہہ بات ثابت ہوتی ہے
کہ خفیف خفیف باتوں پر نکاح کو منقطع کرنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ جو کچھ نکاح
کے ناقابل انفکاک ہونے کی نسبت کہا گیا ہے وہ خاص عقد نکاح
اور اُسکے تمام مقاصد و لوازمات کی پوری پوری تعمیل ہونے پر منحصر ہے
خواہ وہ الفاظ بطور ایک حکم کے یا بطور ایک قدرتی نتیجہ کے خیال کئے
جائیں۔ اور اسی وجہ سے متی کی انجیل میں اُن لفظوں کے ساتھ یہہ لفظ
بیان کئے گئے ہیں "مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑیگا اور اپنی جورو سے
ملیگا × × × اور وہ دونوں ایک تن ہونگے" یعنی بشرطیکہ نکاح
کی اصلی نوعیت کے مطابق (جسکا بیان کتاب پیدایش باب ۲ ورس ۱۹
لغایت ۲۰ میں ہے) عورت خاوند کیواسطے ایک مددگار ہو یا یہہ کہ
جانبین کے باہم خیر خواہی و محبت اور آرام و وفاداری میں کچھ فرق نہ آئے

کیونکہ عرف عام کے بموجب یہی اصلی وضع نکاح کی ہے۔ لیکن اگر اصل
منشا نکاح کا منقطع ہو جاوے تو اس سے لازم آتا ہے کہ نکاح بھی منقطع ہو گیا۔

دوسری آیت میں جو بیان ہوا ہے اور جسپر بڑا زور دیا گیا ہے
یعنی "جو کچھ خدا نے ملایا ہے اُسے آدمی جدا نہ کرے" لحاظ کے
قابل ہے۔ مگر نکاح کے عقد ہی سے یہہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خدا
نے کس چیز کو ملایا ہے؟ خدا نے صرف اُس چیز کو ملایا ہے جو ملاپ
کے قابل ہے اور جو مناسب ہے۔ بہتر ہے اور محترم ہے۔ اُسنے
انسان کی قدرتی طبیعت کے خلاف اور نامناسب حالت کے ملاپ کا
حکم نہیں دیا جسمیں بیعزتی اور تکلیف اور عداوت و مصیبت بھری ہوئی ہو۔
خدا تعالی کچھ اس قسم کے ملاپ نہیں کرتا ہے جو درحقیقت ملاپ نہ ہوں۔
بلکہ جبر یا ناعاقبت اندیشی یا غلطی یا بدسلیقگی کے اثر سے ہوئے ہوں۔
پس ایسی ناگوار خانہ داری کی برائی سے اپنے تئیں نجات دینا کس وجہ سے
ناجائز ہے؟ علاوہ اسکے ہمارا مسئلہ ان شخصوں کو جُدا نہیں کرتا جنکو خدا تعالی
نے اپنے مقدس آئین کے بموجب ملایا ہے۔ بلکہ صرف اُن شخصونکو علیحدہ
کرتا ہے جنکو خود خدا نے اپنے ایسے ہی مقدس آئین کی رو سے جُدا کر دیا
ہے۔ اور یہہ ایک ایسا حکم ہے جسکا اثر ہمپر اب ایسا ہونا چاہیئے جیسا کہ
سابق میں اوسکی امت پر ہوتا تھا۔ مذہب عیسوی کے کمال کو جسکی ترقی
بعض لوگ نکاح کے ناقابل انفکاک ہونے کی ایک دلیل بیان کرتے
ہیں اوسکی نسبت ہم کہتے ہیں کہ اُس ترقی کو جبر اور قوانین تعزیری کے ذریعہ

سے ہم میں زبردستی اسکا رواج نہیں دینا چاہیئے۔ بلکہ اگر ہو تو اسکو ترغیب
اور عیسائی پند و نصایح کے ذریعہ سے جاری کرنا چاہیئے۔ کسی شخص کی نسبت
صرف اُس حالت میں یہہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اُسنے اُس نکاح کو قطع کیا
جو شرعاً منعقد ہوا تھا جبکہ وہ احکام الٰہی میں اُس بات کو زیادہ کرسکے جو
خاص اس حکم میں شامل نہو مذہب کے حیلہ سے اُس شخص سے جدا ہوجاے
جو اُسکے منشا کے موافق ہو کیونکہ یہہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ
نے اپنے منصفانہ اور پاک و مقدس قانون میں صرف مختلف وجہوں پر
طلاق کی اجازت ہی نہیں دی ہے بلکہ بعض صورتوں میں اُسکو جائز
قرار دیا ہے اور بعض صورتوں میں اوسکی ہدایت کی ہے۔ اور بحالت خلاف
ورزی سخت سزائیں قرار دی ہیں (دیکھو کتاب خروج باب ۲۱ ورس ۴ و ۱۰
و ۱۱- اور کتاب استثنا باب ۲۱ ورس ۱۴- اور باب ۲۴ ورس ۱- اور کتاب عزرا
باب ۱۰ ورس ۳- اور کتاب نحمیا باب ۲۳ ورس ۲۰)

توریت کتاب استثنا باب ۲۴ ورس ۱ میں لکھا ہے کہ دو جبکہ
کوئی شخص ایک بیوی کرلے اور اس سے نکاح ہوجاے اور ایسا اتفاق
ہو کہ وہ اُسکو پسند نہو کیونکہ اوسمیں کچھ ناپاکی ہے تو اُسکو چاہیئے کہ ایک
طلاقنامہ لکھکر اُسکے ہاتھ میں دیدے اور اوسکو اپنے گھر سے نکال دے
پس اگر فرض کیا جاے کہ جو سبب طلاق بتایا گیا ہے وہ سچا ہے اور
مصنوعی نہیں۔ تو اس مقام میں خداوند تعالیٰ نے ایک بیوی ابتدا ہی
میں اس غرض سے دی کہ وہ اوسکی مدد اور تسلی و خوشی کا باعث ہو جیسا کہ

خود آئین نکاح سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو اگر بعد کو جیسا کہ اکثر اتفاق ہوتا ہے
وہ بیوی رنج و رسوائی اور تباہی و اذیت اور مصیبت کی باعث ہو تو ہم کو
کیونکر یہہ خیال کرنا چاہیئے کہ خدا ہم سے ایسی عورت کے طلاق دینے
سے ناخوش ہوگا۔ میں دل کی سختی کو اُس شخص سے منسوب کرتا ہوں جو
اُس عورت کو اپنے پاس رہنے دے۔ نہ اُس شخص سے جو اُسکو ایسی
صورتوں میں گھر سے نکال دے۔ اور صرف میں ہی نہیں بلکہ خود حضرت
سلیمانؑ یا شاید خود خدا کی روح نے حضرت سلیمانؑ کے مونہہ سے
یہی بات کہی ہے۔ چنانچہ توریت کتاب امثال سلیمانؑ باب ۳۰ ورس
۲۱ و ۲۳ میں لکھا ہے کہ "تین چیزوں سے دنیا کو بے چینی حاصل ہوتی ہے
بلکہ چار چیزیں ہیں جنکو وہ برداشت نہیں کر سکتی ہے × × × ×
اور ایک مکروہ عورت سے جبکہ نکاح ہو جاوے" اِسکے برخلاف
کتاب واعظ باب ۹ ورس ۹ میں بیان ہوا ہے کہ "تو اُس عورت
کے ساتھ ہنسی خوشی سے بسر کر جسکو اُسنے (خدا نے) تجھے دیا ہے
اور جسکو تو اپنی فانی زندگی کے تمام زمانہ میں پیار کرتا ہے" پس جو عورت
اُسنے تجکو دی ہے وہ عورت ہے جسکو تو پیار کرتا ہے نہ کہ وہ جس سے
تو نفرت کرتا ہے اور کتاب ملاخی باب ۲ ورس ۱۶ میں بیان ہوا ہے کہ "جو شخص
نفرت کرتا ہے (یا اسوجہ سے کہ وہ نفرت کرتی ہی) اُسکو چاہیئے کہ اُسکو چھوڑ دے"
چنانچہ یونیوس سے پہلے سب نے اِس فقرہ کا ایسا ہی ترجمہ کیا ہے* پس معلوم ہوتا ہے کہ

* صحیفہ ملاخی باب ۲ کی آیتوں کے ترجمے اس طرح پر ہو سکتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اِس حکم کو حضرت موسیٰ کی معرفت اِس غرض سے صادر نہیں فرمایا اور نہ اس نبی کی معرفت اُسپر اُسکو اِس غرض سے دوہرایا کہ شوہر کو اپنی سنگدلی کے برتاؤ کا موقع ملے۔ بلکہ اِس غرض سے صادر کیا ہے کہ جہاں ضرورت ہو اِس بدنصیب عورت کو اسکے اثر سے بچائے۔ کیونکہ اِسمیں کوئی سنگدلی نہیں ہے کہ اِس عورت کو عزت سے اور بلا تکلف رخصت کردے جسکا خود ہی یہہ قصور ہے کہ وہ محبوب نہیں رہا ہوئی۔ ایسی عورت جو نہ صرف یہی ہے کہ محبوب نہیں ہوئی بلکہ وہ معلق چھوڑ دی گئی ہو اور اُس سے نفرت اور عداوت کیجاتی ہو۔ غرضکہ جس عورت کا یہہ حال ہو اُسکو ایک نہایت تکلیف وہ قانون کا اتباع کرکے اسکے شوہر کے نہایت بھاری غلامی کے جوے میں رکھنا (کیونکہ نکاح بے محبت ایسا ہی ہوتا ہے) جسکو نہ تو اُسکے ساتھ الفت ہو اور نہ دوستی۔ یہی درحقیقت ایسی سختی ہے جسمیں ہر ایک قسم کی طلاق سے زیادہ بیرحمی ہے۔ اسی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے طلاق کی اجازت دیدی جسکا اگر مناسب طور سے عمل درآمد کیا جاوے تو وہ نہایت منصفانہ اور رحیمانہ ہے۔ بلکہ اُسنے اُسکے فائدوں کو اُن شخصوں تک بھی وسعت دی ہے جنکی نسبت وہ

ضمیمہ حاشیہ: ترجمہ عربی ۱۸۱۱ء میں ہے "وامراة تشنابك لا تترك لكن ان ابغضها فسرحها" اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۷۱ء میں ہے "وزوجة غلامتك لا تزلها اذا ابغضت فاطلق" اور ایسا ہی رومن کاتھلک بیبل میں ہے۔ اور انگریزی ترجمہ پراٹسٹنٹ کے حاشیہ پر بھی یہی عبارت ہے جس سے ملٹن نے استدلال کیا ہے۔ خطبات احمدیہ ۱۲

یہہ جانتا تھا کہ یہہ اپنی سنگدلی کی وجہ سے اسکا بیجا عملدرآمد کرینگے اور
اُسنے بدکار آدمیوں کی سنگدلی گوارا کرنا اس سے بہتر تصور فرمایا کہ نیک آدمیوں
کی تکلیف رفع کرنے سے باز رہے۔ یا جس رسم کا ایک ربّانی برکت سے
ایک بدترین مصائب ہوجانیکا اندیشہ تھا خود اُسیکو درہم وبرہم کردے
خود حضرت عیسیٰؑ نے نویں آیت میں زنا کی وجہ سے طلاق
کی اجازت دی ہے۔ اور یہہ بات نہوتی اگر خدا تعالیٰ کو یہہ بات منظور
ہوتی کہ جن شخصوں کو خدا نے ایک مرتبہ عقد نکاح میں باندہ دیا ہے
وہ ہرگز آیندہ جدا ہوں۔ مگر مشرقی زبانوں کے محاورہ کے بموجب
اُس لفظ سے جسکا ترجمہ زنا کیا گیا ہے۔ صرف زنا ہی مُراد نہیں ہوتا بلکہ
یا تو اُس سے وہ چیز مراد ہے جسکو "ناپاک چیز" کہا گیا ہے یا کسی ایسے
امر کا نقصان مراد ہے جس امر کا ایک بیوی کی ذات میں ہونا واجبًا
ضروری ہے جو کتاب استثنا کے چوبیسویں باب کی پہلی آیت میں
مذکور ہے۔ جیسا کہ سیلڈن نے سب سے پہلے یوگزا دہبریا میں
ایسے محاورہ کو بہت سے علماے یہود کی شہادت سے ثابت کیا
ہے۔ اور یا اس سے وہ شے مراد ہے جو محبّت۔ وفاداری۔ باہمی
اعانت یا معاشرت یعنی اصلی آئین نکاح کے مقصد کے خلاف ہوکہ
ہرگز اُس سے موافقت نہو سکے جیسا کہ سیلڈن نے ثابت کیا ہے
اور مینے بھی ایک دوسرے رسالہ میں ثابت کیا ہے۔ کیونکہ جسوقت
فریسیوں نے یہہ سوال کیا تھا کہ "آیا ایک بیوی کو ہر ایک وجہ سے

طلاق دینا جائز ہے یا نہیں" تو یہہ جواب دینا لغو ہوتا کہ سواے زنا کے
اور کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہہ بات تو بخوبی مشہور و معروف
تھی کہ زنا کی حالت میں وہ جائز ہی نہیں تھی۔ بلکہ ایک زانیہ کو نکال دینا ضروری
تھا۔ اور وہ بھی طلاق کے ذریعہ سے نہیں بلکہ قتل کر دینے۔ پس اس مقام
پر اُس لفظ سے بہ نسبت محض زنا کے زیادہ تر وسیع معنی سمجھنے چاہئیں
جیسا کہ کتاب اقدس کے اکثر مقامات سے خصوصاً قاضیوں کی کتاب
باب ۱۹ - آیت ۲ سے ظاہر ہے جہاں لکھا ہے کہ " اوسکی بیوی زنا کر کے
چلی گئی" یہاں زنا کے عرفی معنی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایسی حالت میں اسکو
جراٴت نہوتی کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی جاے۔ بلکہ یہہ مراد ہے کہ وہ اپنے
شوہر سے متمردانہ (نشوز) برتاو کر کے چلی گئی۔ اور نہ ایسی صورت میں
(یعنی جبکہ بجز زنا کے طلاق جائز نہ تھی) پولوس مقدس کسی کافر دیا عورت کے
جدا ہو جانیکے سبب سے طلاق کی اجازت دیتے* اگر یہہ بھی ایک قسم کا زنا
نہوتا۔ اس بحث سے یہہ امر کچھہ متعلق نہیں ہے کہ یہہ مسئلہ کافر مرد یا عورت
کے متعلق ہے کیونکہ جو شخص خاندان کو ترک کر دے وہ کافر سے بدتر ہے
(پولوس کا پہلا خط تموتی کے نام باب ۵ آیت ۸) اور نہ نکاح کے اصلی
منشا کے حق میں کوئی بات اس سے زیادہ تر ضروری اور پسندیدہ ہو سکتی
ہے کہ جو عقد محبت اور تمام عمر کی باہمی اعانت کی توقع اور نیک ارادوں
سے کیا گیا ہو وہ کینہ اور سنگین عداوت اور طرفین کی جانب سے ناپسندیدہ برتاو

* پولوس مقدس کے خط موسومہ قرنتیان کے ساتویں باب کی پندرہویں آیت پر اشارہ ہے

کے سبب سے قطع کر دیا جاوے - پس خدا تعالیٰ نے انسان کے لئے جبکہ
وہ بہشت میں معصومیت کی حالت میں تھا دنیا میں گناہ کے آنے سے
پہلے یہہ حکم دیا کہ نکاح ناقابل انفکاک ہونا چاہیئے - گناہ کے بعد حالات
تغیر کے موافق اور نیز اس نظر سے کہ معصوم آدمی بدکار آدمیوں کے ہاتھ
سے ہمیشہ کے ضرر سے محفوظ رہیں اُسنے نکاح کے انفکاک کی اجازت
دی اور یہہ اجازت قانون قدرت اور موسوی شریعت کا ایک جزو ہے
اور حضرت عیسیٰؑ نے بھی اسکی ممانعت نہیں کی - پس ہر ایک معاہدہ سے
جبکہ ابتداءً عمل میں آوے اُسکا دوامی اور ناقابل انفکاک ہونا مقصود ہوتا ہے
گو وہ کسی فریق کی بدعہدی کے سبب سے کیسی ہی جلدی کیوں نہ ٹوٹ جاوے
اور نہ ابتک کوئی معقول وجہ اسبات کی بیان کی گئی ہے کہ نکاح کی نوعیت
اِس باب میں اور تمام معاہدوں سے مختلف ہونی چاہیئے - خصوصاً اُس
حالت میں جبکہ پولوس مقدس نے یہہ بات بیان کی ہے کہ "کوئی بھائی
یا بہن ایسی باتوں میں مقید نہیں ہے" یہہ نہ صرف چھوڑ دینے کی نسبت
بلکہ ایسی تمام صورتوں میں جو ایک نالایق قید پیدا کرنے میں ہوتی ہے
جیسا کہ قرنتیوں کے پہلے خط میں لکھا ہے (باب ساتواں آیت
پندرہویں) کہ "کوئی بھائی یا بہن ایسی باتوں میں مقید نہیں کہ خدا نے
ملاپ کے لئے بلایا ہے" پس خدا تعالیٰ نے ہمکو اس غرض سے نہیں
بلایا کہ ہم دائمی نزاع اور ترددات کے باعث سے پریشان خاطر رہیں کیونکہ
ہمارے بلانے کا مقصد امن اور آزادی ہے نہ کہ انکاح - چہ جائیکہ دائمی

نزاع اور ایک ناخوش ازدواج کی غلامانہ قید۔ جسکو رسول نے تمام چیزوں سے زیادہ ایک آزاد آدمی اور عیسائی کے ناقابل بتایا ہے۔ یہہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ حضرت مسیح نے موسوی شریعت سے کوئی ایسا حکم خارج کر دیا جس سے مظلوم اور مصیبت زدہ شخصوں پر رحم کرنیکا موقع ملتا تھا اور نہ اس موقع پر آپکو یہہ منظور تھا کہ آپکا یہہ قول حکم عدالت سمجھا جاے۔ یا اس معاملہ کی نسبت کوئی نیا اور سخت حکم دیا جاے۔ بلکہ قانون کے بیجا عمل درآمدوں کے بیان کرنیکے بعد اُنہوں نے حسب معمول ایک زیادہ تر کامل دستور معاشرت کا بتایا۔ اور اس موقع پر مثل اور تمام موقعوں کے منصب قضا کا دعوی نہیں کیا۔ اور امر حق کو محض نصیحت کے طور پر بیان فرمایا۔ نہ کہ جبر یہ احکام۔ سو پس انجیل کی نصیحتوں کو ملکی آئین قرار دینا اور احکام تعزیری کے ذریعہ سے اُسکو نافذ کرنا ایک سخت غلطی ہے۔ انتہی قولہٗ

لیکن اس روشنی کے برخلاف جو جان ملٹن نے اپنی محققانہ راے سے بیبل کی آیتوں پر ڈالی ہے۔ اور جو صریحًا قرآن مجید کی روشنی سے اخذ کی گئی ہے (کیونکہ اسلام نے بارہ سو برس پیشتر بتا دیا تھا کہ طلاق نہ بطور معجون مفرح کے استعمال کرنیکو ہے بلکہ صرف ایک مرض لاعلاج کا علاج ہے) عیسائیوں کے تمام قدیم وجدید فرقہ مذکورہ بالا آیات انجیل کا مدعا یہہ سمجھے ہیں کہ طلاق صرف زنا کی حالتمیں ہو سکتی ہے یا کسی حالت میں بھی نہیں ہو سکتی۔ گو اُسکے بُطلان کے لیے صرف یہی امر کافی ہے کہ عیسائی ملکوں میں صدہا قوانین طلاق ہر زمانہ میں جاری ہوگئے ہیں

لیکن اگر یہ سمجھ صحیح ہو اور آیات کا مدعا وہی ہو جو وہ سمجھے ہیں تو ظاہر ا یہ
ایک ایسا سخت حکم ہے جسکی برداشت انسانوں سے تقریبًا ناممکن ہے
جیسا کہ حواریوں نے حضرت مسیحؑ سے کہا کہ "اگر جورو سے مرد کا یہ طور
ہے تو جورو کرنا خوب نہیں" اور حسن معاشرت کے لئے نہایت ہی
مضر اور زن و مرد دونوں کے لئے بہت سی حیرانیوں اور خوفناک حالتوں
میں پڑنے کا موجب ہے اور جو رنج دہ امور زن و شوہر میں واقع ہو جاتے
ہیں جس سے تمام حُسنِ معاشرت اور اغراضِ تزوج برباد ہو جاتے ہیں اُسکا
کچھ بھی تدارک اسمیں نہیں ہے۔ اور شریعتِ موسوی میں اگر افراط کا عیب ہے
تو اسمیں تفریط کا نقصان ہے۔ اور دونوں کی دونوں اس افراط و تفریط کی
وجہ سے مخالف فطرت ہونیکے اعتراض سے نہیں بچ سکتیں مگر الحمد اللہ
کہ شریعتِ محمدیہ ایسی نہیں ہے۔ اور تمام دنیا کی شریعتوں میں صرف
یہی ایک شریعت ہے جو اس پُر پیچ مسئلہ میں بھی صراط مستقیم اور اپنے
معمول کے موافق افراط تفریط کے عیب و نقصان سے بچی ہوئی ہے
اس شریعت نے جس خوبی اور اعتدال سے اس مسئلہ کو قرار دیا ہے اور
جس عمدگی اور معقولیت سے فطرت انسانی کے مطابق تمدن اور حسن معاشرت
کی حفاظت کو ملحوظ رکھا ہے وہ اس امر کا یقین دلانیکو کافی ہے کہ وہ بیشبہ
اُسی کی طرف سے ہے جسنے فطرتِ انسانی کو بنایا ہے۔ اِس شریعت
مقدسہ نے طلاق کے ناگوار و ناپسندیدہ فعل کو صرف اُس حالتمیں مباح
قرار دیا ہے جبکہ زن و شوہر میں نااتفاقی اور رنجش کا مرض ایسے درجہ کو پہنچ جاے کہ

جولاعلاج ہو۔ یا یوں کہو کہ طلاق و تفریق کے سوا اُسکا کوئی علاج نہو۔ اور
چونکہ اسکا اندازہ صرف زن و شوہر ہی کرسکتے ہیں کہ وہ مرض اس حد کو
پہنچگیا ہے یا نہیں۔ اسلئے اس شریعت نے اسکی تعیین و تشخیص انہیں
کی رائے اور طبیعت اور اخلاق پر چھوڑ دی ہے۔ اور اُس جھگڑے کے
تصفیہ کے لیے نہ کوئی جوری تجویز کی ہے اور نہ کوئی جج بلکہ صرف
اُنہیں کی کانشنس کو جوری اور جج قرار دیا ہے۔ اور ایک نہایت معقول
اور حکیمانہ قانون کے منضبط کر دینے سے اُن ضرورتوں کا کامل تدارک
فرمادیا ہے جو زن و مرد میں اُسوقت تک ضرور پیش آئینگی جب تک
کہ انسان لباس انسانیت سے ملبوس رہیگا۔ مگر باینہمہ اُسنے طلاق
کو نہایت قبیح اور مکروہ فعل بتایا ہے۔ جیسا کہ احادیث مندرجہ ذیل سے
جو صحیح طور پر ہم تک پہنچی ہیں ظاہر ہوتا ہے۔ اُس نے فرمایا۔
"تَزَوَّجُوا وَلَا تُطَلِّقُوا فَاِنَّ الطَّلَاقَ تَهْتَزُّ مِنْهُ الْعَرْشُ"
(تفسیر مجمع البیان) یعنی نکاح کرو اور ہرگز طلاق ندو کیونکہ طلاق سے عرش
الٰہی کانپ اُٹھتا ہے۔ اور فرمایا کہ "مَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى وَجْهِ
الْاَرْضِ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى وَجْهِ
الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ" (مشکوۃ) یعنی نہیں پیدا کی
خدا نے کوئی چیز زمین کے پردہ پر جو اُسکو غلام آزاد کرنیسے زیادہ پیاری
ہو۔ اور نہیں پیدا کی اللہ نے کوئی شے روے زمین پر جو اُسکو طلاق سے
زیادہ ناپسند ہو۔ اور پھر ایک دفعہ یوں فرمایا "اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ

الطَّلَاقُ" (مشکوٰۃ) یعنی مباح چیزوں میں خدا کو سب سے زیادہ ناپسند چیز طلاق ہے۔ اور ایکبار فرمایا "مَا خَلَقَ اللّٰہُ شَیْئًا عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الطَّلَاقِ (مشکوٰۃ) یعنی نہیں پیدا کی خدا نے کوئی شے زمین کے پردہ پر جو اسکو طلاق سے زیادہ نفرت دلانے والی ہو۔ اور چونکہ شریعتِ اسلامیہ نے شریعت موسوی کے برخلاف (جسمیں اختیار طلاق صرف مرد تک محدود تھا اور عورت محض بے بس تھی) کمال انصاف سے عورت کو بھی ضروری اور لاعلاج حالتوں میں طلب طلاق کا استحقاق عطا کیا ہے۔ اس لئے اُنکی ہدایت کیواسطے فرمایا "اَیُّمَا امْرَاَۃٍ سَاَلَتْ زَوْجَھَا طَلَاقًا فِیْ غَیْرِ مَا بَاْسٍ فَحَرَامٌ عَلَیْھَا رَائِحَۃُ الْجَنَّۃِ" (مشکوٰۃ) یعنی جو عورت اپنے خاوند سے بلا ضرورت شدید اور بغیر حالت سختی کے طلاق چاہے اُسپر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ یعنی جنت میں نہ جائے گی۔ اور چونکہ نفاق سخت گناہ اور ایمان کے برخلاف ہے پس ایسی عورتوں کو جو اپنے خصموں سے کھچی رہیں اور خُلع کے ذریعہ سے علیحدگی کی خواہشمند ہوں تہدیدًا منافقہ بتایا چنانچہ فرمایا کہ "المنتزعات والمختلعات ھُنَّ الْمُنَافِقَاتُ" (مشکوٰۃ) یعنی خصموں سے کھچی رہنے والیاں اور خلع چاہنے والیاں ہی منافقہ ہیں۔ اور ایکدفعہ جو آپ نے ایک عورت کا نکاح ایک شخص سے کردیا اور پھر اُسنے اپنے خاوند کی بعض ناپسند باتوں کی آپکے پاس شکایت کی تو اوسکی تنبیہ کے لئے فرمایا کہ "لَعَلَّکِ تُرِیْدِیْنَ

اَنْ تَخْتَلِعِیْ فَتَکُوْنِیْ عِنْدَ اللّٰہِ اَنْتَنَ مِنْ جِیْفَۃِ حِمَارٍ" یعنی شاید تو یہہ چاہتی ہے کہ خلع کرا لے (پس تجکو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسا کرنے سے) خدا کے نزدیک تو گدھے کے مردار سے بھی زیادہ بدبو والی ہوجائیگی (مکارم الاخلاق طبرسی)

اور ایکدفعہ جو آنحضرت کو یہہ خبر دیگئی کہ ایک شخص نے اپنی جورو کو خلاف حکم قرآنی ایک ہی دفعہ تین ۳ طلاقیں دیدی ہیں تو آپ غیظ میں آکر کھڑے ہوگئے اور فرمایا "اَیُلْعَبُ بِکِتَابِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَاَنَا بَیْنَ اَظْہُرِکُمْ حَتّٰی قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا اَقْتُلُہٗ" (مشکوٰۃ) یعنی۔ کیا خدائے بزرگ کی کتاب (قرآن مجید) کو کھلونا بنایا ہے ایسی حالت میں بھی کہ میں تم میں موجود ہوں۔ جسکو سنکر ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ اے خدا کے رسول کیا میں اسکو قتل نہ کرڈالوں۔ یعنی وہ آپکے ناراض ہونے سے یہ سمجھا کہ اُس شخص نے قتل کئے جانیکے لایق کام کیا ہے۔ پس شارع اسلام علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کونسا شارع ہے جس نے اِس معاملہ میں اپنے پیرووں کی روحانی تربیت اور اُن کے حسنِ اخلاق اور دلی نیکی کے ترقی دینے کے لئے ایسے اعلیٰ درجہ کے مواعظ ونصایح فرمائے ہوں۔ اور جسکے نزدیک طلاق کا مفہوم ذہنی اور اُس کا عمل دونوں اسقدر قبیح وناپسندیدہ ہوں اور جس نے تمدن اور حسن معاشرت کی حفاظت کے لئے افراط وتفریط سے بچکر ٹھیک ٹھیک

عقل و فطرت کے مطابق اس مسئلہ کو قرار دیا ہو۔

اُسنے اُس ظلم و زیادتی کے روکنے کے لئے جو عرب جاہلیت بار بار طلاق دینے اور پھر زوجیت میں لے لینے سے اپنی عورتوں پر کرتے تھے فرمایا کہ "الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ" (سورہ بقرہ) یعنی وہ طلاق کہ جس میں عورت کو پھر زوجیت میں لے لینا جائز ہے دو بار تک ہے۔ اسکے بعد یا صلح و صفائی کے ساتھ معروف طور پر جورو کو گھر الینا ہے یا عزت و حرمت سے رخصت کر دینا۔ اُسنے مہر میں سے کچھ چھوڑا لینے یا واپس لے لینے کی سخت ممانعت کی اور فرمایا کہ "لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ" (سورہ ایضاً) یعنی حلال نہیں ہے تمکو کہ لے لو اُنمیں سے جو کچھ تمنے اپنی عورتوں کو دیا ہے کچھ بھی۔ مگر جبکہ دونوں کو خوف ہو کہ نہیں قایم رکھ سکیں گے خدا کی حدوں کو۔ پس اگر تمکو اندیشہ ہو۔ کہ دونوں نہیں قایم رکھینگے خدا کی حدوں کو۔ تو اسمیں دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ عورت اپنے مرد کو کچھ دیکر اپنے تئیں چھوڑا لے۔ یہہ ہیں حدیں جو خدا نے باندھی ہیں۔ اِن سے تجاوز مت کرو۔ اور جو لوگ خدا کی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں پس وہی لوگ ہیں جو ظالم ہیں۔ اور فرمایا کہ "وَإِنْ أَرَدْتُمُ

اِسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّكَانَ زَوۡجٍ وَّاٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰٮهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡـًٔـا ؕ اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ۝ وَكَيۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ وَقَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ وَّاَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ۝

(سورۂ نسار) یعنی اگر تم چاہو بدل لینا ایک جورو کا ایک جورو کی جگہہ (یعنی ایک کو طلاق دیکر دوسری سے نکاح کرنا) اور تمنے اُن میں سے ایک کو بہت سا مال دیا ہو تو مت لو اُسمیں سے کچھ بھی۔ کیا تم اُسکو لیتے ہو بہتان لگاکر اور علانیہ گناہ کرکے؟ اور کیونکر تم اُسکو لوگے۔ حالانکہ بیشک تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدعا کو پہنچ چکا ہے۔ اور عورتوں نے تم سے مضبوط عہد لے لیا ہے اور تاکہ ایام عدت کے اندر اور اُسکے بعد بھی۔ مرد رسم جاہلیت کے موافق مطلقہ عورتوں کو تکلیف نہ دیسکیں۔ بتاکید فرمایا۔ کہ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ۖ وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوۡٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۚ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَآ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ يَعِظُكُمۡ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۝ (سورہ بقرہ) یعنی جبکہ تم عورتوں کو طلاق دیچکو اور وہ اپنی میعاد پوری کرچکیں تو ٹھہرالو اُنکو معروف طور پر محبت و رغبت کے ساتھ یا رخصت کردو اچھے طور پر۔ اور مت روکو اُنکو تکلیف دینے کے لئے تاکہ اُنپر زیادتی کرو۔ اور جو

کوئی ایسا کرتا ہے وہ بیشک اپنے پر آپ ظلم کرتا ہے - اور مت ٹھہراؤ
خدا کے احکام کو ہنسی ٹھٹھا - اور دھیان میں لاؤ خدا کے فضل کو جو تم پر ہوا
اور اُسکو بھی جو اُتارا ہی خدا نے تم پر کتاب (قرآن مجید) اور شریعت تمہاری
نصیحت کے لئے - اور ڈرتے رہو خدا سے اور جان لو کہ بیشک خدا
ہر چیز کا جاننے والا ہے - اور طلاق کے بعد جو عورتوں کو نہایت
بیرحمانہ طور پر نکاح کر لینے سے روکے رکھتے تھے اُسکی بھی ممانعت
فرمائی چنانچہ فرمایا "وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْ
هُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ط ذٰلِكَ
یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِكُمْ اَزْكٰى
لَكُمْ وَاَطْهَرُ ط وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (سورہ بقرہ) یعنی جب
تمنے عورتوں کو طلاق دیدی اور انھوں نے اپنی میعاد پوری کر دی
تو اُن کو اپنے خاوندوں سے نکاح کر لینے سے مت روکو جبکہ وہ
پسندیدہ اور مروج طور پر باہم راضی ہو جائیں - یہہ نصیحت اُسکو کیجاتی ہے
جو تم میں سے خدا پر اور اخیر دن پر ایمان لاتا ہے - یہہ بات تمہارے
لئے زیادہ اچھی اور زیادہ پاکیزہ ہے اور خدا جانتا ہے (اِسکے فائدہ کو)
اور تم نہیں جانتے - اور اِس امید سے کہ شاید زمانۂ مفارقت میں محبت
والفت کی ایسی تحریک ہو کہ جس سے خیال طلاق دل سے جاتا رہے
حکم دیا کہ ایسی حالت میں طلاق نہ دیجائے جبکہ معمولاً عورت کو مرد سے
کنارہ کش رہنا پڑتا ہے - اور نہ دفعتاً تین طلاقیں دیجائیں بلکہ سوچ سوچ کر

اور سمجھ کر مناسب فاصلہ سے (جو ہر ایک میں تقریباً پچیس روز کا فاصلہ ہو جاتا ہے) طلاق دیجاوے۔ اور اس عرصہ میں عورت و مرد ایک ہی گھر میں رہیں چنانچہ فرمایا "اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا (سورہ طلاق) یعنی جب تم عورتونکو طلاق دینا چاہو تو اُنکی عدت کے وقت یعنی طہر کی حالت میں طلاق دو اور عدت کے دن گنتے رہو اور ڈرتے رہو خدا سے جو تمہارا مالک ہے۔ اور نہ نکالو عورتونکو اُنکے گھرون سے اور وہ بھی نہ نکلیں مگر اُس حالتمیں کہ صریح بیحیائی کی مرتکب ہوں۔ یہہ حدیں ہیں جو خدا نے باندھی ہیں اور جو شخص خدا کی حدوں سے تجاوز کرتا ہے تو بیشک اپنا بُرا آپ کرتا ہے۔ تو اے طلاق دینے والے نہیں جانتا شاید خدا اسکے (یعنی پہلی یا دوسری طلاق) کے بعد کوئی بات پیدا کر دے (جو مصالحت و محبت کی باعث ہو) خلاصہ یہہ کہ اُس نے اجازت دی کہ پہلی طلاق کے بعد اگر باہم صلح ہو جاوے اور رنجش مٹ جاوے اور محبت تازہ ہو جاوے تو بدستور جورو خصم رہیں۔ اسی طرح دوسری طلاق کے بعد بھی۔ اور اگر پھر بھی صلح و صفائی نہو تو بناچاری تیسری طلاق دیجاوے تاکہ پوری تفریق ہو جاوے اور روزمرہ کی دانتا کلکل لعن وطعن اور جوتی بیزار سے طرفین کو نجات ملے۔ چنانچہ ما نسئو رسیدلا

جس سے زیادہ بقول ہمارے محترم دوست مولوی سید امیر علی صاحب - ایم اے - سی - آئی - ای کسی مورخ یورپ نے قوانین اسلام کی تحقیق نہیں کی ہے اپنی تاریخ عرب میں لکھتا ہے کہ وہ طلاق کی اجازت دیگئی مگر ایسی قیود لگادی گئیں جنسے اُس طلاق کا فسخ ہونا جائز ہوگیا جو جلدی میں بے سمجھے بوجھے دیدیا گیا ہو - طلاق کی تکمیل اور لایق تنسیخ نہ ہونا اس پر موقوف تھا کہ ایک ایک مہینے کے فاصلہ سے تین مرتبہ صیغہ طلاق پڑھا جاوے یا اعلان طلاق کیا جاوے "

اور چونکہ مخاطبین اول قرآن ایک ایسی قوم تھی جسکی مثل حمیت و غیرت میں دنیا کے پردہ پر شاید ہی کوئی دوسری قوم ہو - اُسنے طلاق بائین یعنی تیسری طلاق کے حتی الامکان وقوع میں نہ آنیکے لئے ایک ایسی سخت شرط لگادی جس سے فائدہ اُٹھانا کسی غیرت دار شخص کی طبیعت کے نہایت ہی برخلاف ہے - یعنی فرمایا "فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ط فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ط وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ" (سورہ بقرہ) یعنی - پھر اگر عورت کو طلاق دیدی (یعنی تیسری طلاق) تو اُسکے بعد اُسکو حلال نہیں ہے - جبتک کہ نکاح کرے اُسکے سوا دوسرے شوہر سے پھر اگر وہ (یعنی شوہر ثانی) اُسکو طلاق دیدے تو دونوں (یعنی پہلے میاں بیوی) پر کچھ گناہ نہیں ہے پھر کر نکاح کر لینے میں

+ دیکھو سیل صاحب کی راے مندرجہ دیباچہ ترجمہ قرآن مجید - مؤلف

اگر جانیں کہ دونوں قائم رکھیں گے حدیں اللہ کی۔ اور یہہ اللہ کی حدیں ہیں
جو بیان کرتا ہے اُن کو اُس قوم کے لیے جو جانتے ہیں یا اُس بغیرتی
اور بے حمیتی کو جو ایسا کرنے میں اُنپر عائد ہوگی) اور اس غرض سے
کہ مبادا کوئی بے غیرت اور بیحیا مرد یا عورت اس بے غیرتی و بیعزتی کی
پروا نکرکے پھر باہم ملجانیکے لئے کسی ایک شخص کو عارضی طور پر شوہر
بنائیں فرمایا لَعَنَ اللّٰہُ المُحِلِّلَ وَالمُحَلَّلَ لَہٗ" (مشکوٰۃ) یعنی خدا لعنت
کرتا ہے حلال کر دینے والے پر اور اُسپر جسکے لئے حلال کی جاوے۔
مگر تعجب ہے کہ میور صاحب نے ناسمجھی یا تعصب سے اس شرط کی اُلٹی
تعبیر کی ہے۔ اور طعن کیا ہے کہ ایسی شرط کیوں مقرر کر دی۔ اور چونکہ
عرب جاہلیت میں طلاق کا ایک یہہ طریقہ بھی تھا کہ شوہر کے خفا ہوکر جورو
کو یہہ کہدینے سے کہ "تیری پیٹھ پر مجھپر اُس شخص کی ماں کی پیٹھ کی مانند حرام ہے"
طلاق باین ہوجاتی تھی۔ اسکی روک اور اصلاح کے لئے حکم دیا کہ اس
صورتمیں اگر مرد عورت کو پھر زوجیت میں لینا چاہے تو لے لے۔ مگر اسکے
کفارہ میں ایک غلام آزاد کرے۔ اور اگر یہہ ممکن نہو تو متواتر ساٹھ روزے
رکھے اور اسکی بھی طاقت نہو تو ساٹھہ محتاجوں کو کھانا کھلاوے۔ پس
کیسے نادان یا نامنصف ہیں وہ لوگ جو یہہ سمجھتے یا کہتے ہیں کہ اسلام
نے عموماً طلاق کی اجازت دینے سے تمدن اور حسن معاشرت کے حق
میں ایک بہت بڑا نقصان روا رکھا ہے۔ اسلام نے جو کچھ کیا ہے
وہ یہہ کیا ہے کہ حتی الامکان طلاق اور اوسکی قباحتوں کو روکا یا مٹایا ہے

نہ یہ کہ اُسکو ابتداءً جاری کیا ہے۔ یا اُسکی از سرِ نو اجازت دی ہے اور اُسکو مستحکم کیا ہے۔ جیسا کہ سر ولیم میور صاحب نے بیان کیا ہے۔ اور اگر اُسکے نالایق پیروؤں نے اُسکے عمدہ احکام کو قابل نفرت طریقہ پر استعمال کیا ہے (جسکو میں قبول کرتا ہوں) تو اوسکی نفرین کے مستحق وہی ہیں نہ اسلام۔ اُسنے اس وحشیانہ رسم کی کہ بیٹا باپ کے مرنیکے بعد میراث کے مال کی طرح اوسکی عورتوں پر جبراً قابض ہوجاتا اور اُسنے نکاح کرلیتا تھا سخت ممانعت کی اور اُسکو نہایت قبیح اور بیحیائی کا فعل بتایا چنانچہ فرمایا "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْھًا" یعنی اے مسلمانوں تمکو جائز نہیں ہے کہ ورثہ میں باپ کی عورتونکو زبردستی جورو بنا لو۔ اور فرمایا "لَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَّسَآءَ سَبِیْلًا" یعنی مت نکاح کرو اُن عورتوں سے جنسے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو۔ مگر جو ہوا سو گزر گیا۔ بیشک وہ بیحیائی ہے اور ایک ناپسندیدہ اور بُری راہ۔ چنانچہ اسکا اعتراف سر ولیم میور صاحب کو بھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ "آپ نے عورتوں کو ایک سخت اور ناگوار قباحت سے چھوڑایا جو یہ تھی کہ بیٹا باپ کی جوروؤنکا وارث ہوا کرتا تھا"

اُسنے مردونکو اپنی عورتوں کے ساتھ محبت رکھنے اور مہربانی اور نیکوئی سے پیش آنے اور عزت کرنے اور اُنکی طبیعت کی سختی اور بدمزاجی کو تحمل سے برداشت کرنے کی ہدایت فرمائی چنانچہ فرمایا "مَنِ احْتَمَلَ عَنْ امْرَأَتِهٖ

وَلَوْ كَلِمَةً وَّاحِدَةً اَعْتَقَ اللّٰهُ رَقَبَتَهٗ مِنَ النَّارِ وَاَوْجَبَ لَهُ الْجَنَّةَ وَكَتَبَ لَهٗ مِائَتَيْ اَلْفِ حَسَنَةٍ وَّمَحَا عَنْهُ مِائَتَيْ اَلْفِ سَيِّئَةٍ وَّرَفَعَ لَهٗ مِائَتَيْ اَلْفِ دَرَجَةٍ وَّكَتَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهٗ بِكُلِّ شَعْرَةٍ عَلٰى بَدَنِهٖ عِبَادَةَ سَنَةٍ" (مکارم الاخلاق طبرسی) یعنی جو شخص اپنی جورو کی ایک ناگوار بات کی بھی برداشت کرتا ہے خدا آزاد کر دیتا ہے اُسکو جہنم سے اور واجب کر دیتا ہے اُسکے لئے جنت اور لکھدیتا ہے اُسکے لئے دو لاکھ نیکیاں اور مٹا دیتا ہے اوسکی دو لاکھ برائیاں اور بلند کر دیتا ہے اُسکے دو لاکھ درجے اور لکھدیتا ہے اُسکے لئے اُسکے بدن کے بالوں کی شمار کے موافق ثواب ایک ایک برس کی عبادت کا۔

اور ایک دفعہ یوں فرمایا "اَلَا وَمَنْ صَبَرَ عَلٰى خُلُقِ امْرَءَةٍ سَيِّئَةِ الْخُلُقِ وَاحْتَسَبَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ اَعْطَاهُ اللّٰهُ ثَوَابَ الشَّاكِرِيْنَ" یعنی آگاہ ہو۔ کہ جو شخص صبر کرتا ہے بدخصلت عورت کی بری خصلت پر اور گنتا ہے اُسکو خدا کے نزدیک ثواب کا کام۔ عطا کرتا ہے اُسکو خدا ثواب شکر کرنیوالوں کا۔ اور عورتوں کو فرمایا کہ اپنے مردونکی اطاعت کریں اُن سے محبت رکھیں۔ اونکی وفادار رہوں۔ اور اُن سے خوش خلقی سے پیش آئیں۔ اور بدزبانی نہ کریں۔ چنانچہ فرمایا "اَيُّمَا امْرَءَةٍ اٰذَتْ زَوْجَهَا بِلِسَانِهَا لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهَا صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا وَّلَا حَسَنَةً مِّنْ عَمَلِهَا حَتّٰى تُرْضِيَهٗ وَاِنْ صَامَتْ نَهَارَهَا وَقَامَتْ لَيْلَهَا وَاَعْتَقَتِ الرِّقَابَ وَحَمَلَتْ عَلٰى جِيَادِ الْخَيْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكَانَتْ اَوَّلَ مَنْ تَرِدُ النَّارَ كَذٰلِكَ الرَّجُلُ

اِذَا كَانَ لَهَا ظَالِمًا" یعنی جو عورت بدزبانی سے اپنے خاوند کو
ستائے خدا قبول نہیں کرتا اوسکی کوئی بھی عبادت خواہ وہ فرض ہو یا مستحب
اور نہ کوئی نیکی اُسکے عملوں میں سے جب تک کہ وہ اُسکو راضی نہ کرلے
اگرچہ دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت میں گزارتی اور لونڈی غلاموں کو
آزاد کرتی اور خدا کی راہ میں جہاد کرنیکے لئے لوگوں کو عمدہ گھوڑوں پر سوار
کرکے بھیجتی ہو۔ پھر بھی جہنم میں اول جانے والوں میں سے ہوگی۔ ایسا
ہی مرد بھی جبکہ جور و پر ظلم کرتا ہو۔ یعنی اُسکے حقوق واجب طور پر ادا نکرتا ہو۔
اور ایک دفعہ ایک بہت بڑے مجمع عام میں لوگوں کو مخاطب کرکے
فرمایا " اَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ حَقًّا لَكُمْ
عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ وَعَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يَأْتِيْنَ
بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ فَإِنْ فَعَلْنَ فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذِنَ لَكُمْ أَنْ تَهْجُرُوْهُنَّ
فِي الْمَضَاجِعِ وَتَضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَإِنِ انْتَهَيْنَ فَلَهُنَّ رِزْقُهُنَّ
وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ - وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ
عَوَانٍ لَا يَمْلِكْنَ لِأَنْفُسِهِنَّ شَيْئًا وَإِنَّكُمْ إِنَّمَا أَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانَةِ اللّٰهِ
وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ" یعنی اے لوگو تمہاری بیویوں
پر تمہارے حق ہیں اور تمہاری بیویوں کے حق تم پر ہیں۔ تمہارا اُن پر یہہ
حق ہے کہ نہ روندنے دیں تمہارے بستروں کو کسی ایسے شخص کو جسکو
تم بُرا جانو (یعنی کسی نامحرم کو اپنے پاس نہ آنے دیں) اور ان پر یہہ بھی واجب
ہے کہ کسی صریح بیحیائی کے کام کی مرتکب نہوں۔ پھر اگر وہ کوئی ناپسندیدہ

کام کر بیٹھیں تو بیشک خدا نے تمکو اجازت دی ہے کہ اُن کے پاس سونا چھوڑ دو اور یہہ بھی کہ (تادیبًا) اُنکو خفیف سی مار مارو۔ پھر اگر وہ اپنی ناپسندیدہ حرکات سے باز آجائیں تو اُنکا تمپر یہہ حق ہے کہ کھانا اور کپڑا واجبی طور پر تم سے لیں اور تمکو چاہئے کہ اپنی عورتوں سے بہتر طور پر پیش آؤ کیونکہ وہ تمہارے بس میں ہیں اور اپنے لئے کچھہ نہیں کرسکتیں۔ اور بیشک تمنے صرف خدا کی کفالت سے اُنکو اپنے قبضہ میں لیا ہے۔ اور خدا کے احکام کے ساتھہ تمنے اُنکو اپنے پر حلال کیا ہے (سیرتِ ابن ہشام)

اور جو تسکین و محبت اور اتحاد و موانست اور یکدلی و یکجہتی جورو خصم میں ہونی چاہئے اُسکو اس نہایت دلچسپ تشبیہ میں بیان فرمایا۔ "هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ" (سورہ بقرہ) یعنی عورتیں تمہاری پوشاک ہیں اور تم اُنکی پوشاک ہو۔ یعنی جسطرح لباس انسان کے لئے باعث راحت و زینت اور موجبِ پردہ پوشی اور ناقابل جدائی ہے۔ اسی طرح عورتیں مردوں کے لئے باعث آرام اور موجب عصمت و عفت اور تسکین و راحت ہیں۔ اور سوائے اُس قدرتی فرق و امتیاز کے جو مرد و عورت کی خلقت میں ہے عورتونکو جملہ حقوق و اختیارات میں مردوں کے ہمرتبہ و مساوی قرار دیا چنانچہ فرمایا "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَة" (سورہ بقرہ) یعنی عورتوں کے (مردوں پر) ویسے ہی حقوق ہیں جیسے کہ (مردونکے) اُنپر ہیں معروف طور پر اور مردوں کو اُنپر فضیلت ہے (خلقت کے اعتبار سے)

اَب ناظرین اِس عدل وانصاف - نیک اندیشی وخیرسگالی - مراعات وحسن معاشرت - اور عزت واحسان کا جو اِسلام سنے عورتونکی نسبت حکم کیا ہے - اور اُن قوانین کا جو اُسنے اس معاملہ مین نافذ فرمائے ہیں اون قوانین سے مقابلہ کریں جو اُس نہایت قدیم اور مقدس مقنن سنے جسکا نام موسیٰ ہے اِس معاملہ میں نافذ کئے یا بطور آئین مُلکی بحال رکھے تھے اور اُن خیالات پر غور کریں جو قدمائے آئمہ کلیسا بلکہ اولیائے دین مسیحی سنے غریب فرقہ نسوان کی نسبت اُس زمانہ میں ظاہر کئے تھے جبکہ حضرت مسیح کی والدہ ثالث ثلثہ سمجھی جاتی تھیں - اور اُنکی تصویر گرجاؤں میں بطور فرائض مذہبی پوجی جاتی تھی - جنکا نمونہ ایک وہ رسالہ ہے جو ٹرٹیلین سنے قبایح نسوان میں تصنیف کیا تھا اور کرائسسٹم سنے جو ولی سمجھا جاتا ہے علمائے مسیحی کی رائے عموماً یہ بیان کی تھی کہ "عورت ایک ایسی بلا ہے جس سے گریز ممکن نہیں ہے اور ایک قدرتی شغوی اور ایک مرغوب آفت اور ایک خانگی فتنہ اور ایک مہلک سحر اور ایک رنگین بلا ہے" + اور اُن قوانین ودستورات کو ملاحظہ کریں جو دنیا کے سب سے زیادہ شایستہ عیسائی ملک اِنگلستان میں عورتوں کے باب میں جاری ہیں کہ نکاح کے بعد بہت سے معاملات میں عورت کا وجود ہی قائم نہیں رہتا گویا وہ اپنے شوہر کے وجود میں گم ہوجاتی ہے -

+ دیکھو کتاب تنقید الکلام باب چودھواں مصنفہ مولوی سید امیر علی صاحب سی - آئی - ای وغیرہ وغیرہ - مولف عفی عنہ

چنانچہ وہ اپنے نام سے کوئی معاہدہ نہیں کرسکتی اور اسکی جائداد ذاتی
جو نکاح سے پہلے حاصل کی ہو وہ بھی شوہر کی ملک ہو جاتی ہے۔
اُسکو اتنا بھی حق نہیں ہے کہ اپنے نام سے یا اپنے لئے ضروری
اشیا خرید لے یا منگوا بھیجے۔ گو مرد پر عورت کا نان و نفقہ واجب ہے
مگر جھگڑے اور نزاع کی حالت میں اوسکی تعمیل کرا لینے کا کوئی صاف ذریعہ
نہیں ہے اور نہ روٹی کپڑے کی نالش کرنے کا حق ہے۔ مگر کچھ ضمنی
صورتیں نکال لی گئی ہیں۔ عورت شوہر سے مفارقت کر کے خواہ کتنے ہی
عرصہ تک الگ رہے مگر جائداد جو اس مدت کے اندر حاصل کرے وہ
شوہر ہی کی ملک ہوگی اور اگر پہلے سے کچھ بند و بست نکر لیا ہو تو جو مال
و اسباب اُسنے ایام مفارقت میں حاصل کیا ہے اُسکے شوہر کے قرضخواہ
اُس سے لے سکتے ہیں†۔

اُسنے اپنے رحم و رافت اور انصاف و عدالت سے بھرے ہوئے
احکام و مواعظ میں یتیموں کے مال کے کھا لینے اور اُن سے بیمروتی و
بیرحمی سے پیش آنیکی سخت ممانعت فرمائی اور حکم دیا کہ اُن سے محبت و شفقت
اور عدالت و مروت سے پیش آنا چاہیے۔ چنانچہ فرمایا "اِنَّ الَّذِیْنَ
یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ
سَعِیْرًا۔ (سورۂ نساء) یعنی بیشک جو لوگ یتیموں کا مال بیجا طور پر کھا لیتے
ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف انگارے بھرتے ہیں۔ اور قریب ہے

† دیکھو تہذیب الاخلاق مطبوعہ یکم صفر سنہ ۱۲۹۱ ہجری

کہ پیٹھیں گے بھڑکتی آگ یعنی دوزخ میں - اور فرمایا کہ "وَاٰتُوا الْیَتٰمٰی
اَمْوَالَھُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ وَلَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَھُمْ اِلٰی
اَمْوَالِکُمْ اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا" (سورہ نساء) یعنی یتیموں کا مال اُن کو دیدو
اور مت بدلو بُرا العوض اچھے کے اور نہ کھا جاؤ اُنکا مال اپنے مال
میں ملا کر بیشک وہ بڑا گناہ ہے - اور فرمایا "وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰی اِذَا
بَلَغُوا النِّکَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ وَلَا
تَاْکُلُوْھَا اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّکْبَرُوْا ط وَمَنْ کَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ط وَ
مَنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْکُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ط فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ
فَاَشْھِدُوْا عَلَیْھِمْ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا" (سورہ نساء) یعنی جانچتے
رہو یتیموں کو اُن کے حدِ بلوغ کو پہنچنے تک پھر اگر اُن میں کامل سمجھ پاؤ تو
اُنکا مال اُنکو دیدو اور نہ کھا جاؤ اُن کے مال کو فضول خرچی اور جلدی کر کے
(اس ڈر سے) کہ وہ جوان ہو جاینگے (تو اُن کا مال اُنکو دینا پڑے گا)
اور جو شخص اُن کے سرپرستوں میں سے آسودہ ہو تو اُسکو (اُنکے مال سے)
بچنا چاہیے اور جو محتاج ہو تو وہ (اُسمیں سے) واجبی طور سے کھا سکتا
ہے - پھر جب تم اُنکا مال اُنکو دینے لگو تو اُنپر گواہ کر لو - اور خدا کافی ہے
حساب لینے والا - اور فرمایا "وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ
حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ" اور یتیموں کے مال کے پاس نہ پھٹکو مگر اچھی نیت
سے اُن کے جوان ہونے تک (سورہ انعام)

اور چونکہ عرب جاہلیت خردسال لڑکوں کو میراث میں سے حصہ

نہیں دیتے تھے اور عورتوں کو تو بالکل ہی محروم رکھتے تھے اور اُن کا
یہہ قول تھا کہ جو شخص ہتھیار باندھے اور دفع دشمن کے لایق ہو وہ ہی حصہ
پاسکتا ہے۔ اور یہہ صریح ظلم تھا۔ اسلئے فرمایا ”لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا
تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ - وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا“ (سورہ نسار) یعنی
مردوں کے لیئے اسمیں سے جو اُنکے ماں باپ اور قرابت مندوں نے
چھوڑا ہے حصہ ہے۔ اور عورتوں کے لیئے بھی اسمیں سے جو اُنکے
ماں باپ اور قرابت مندوں نے چھوڑا ہے حصہ ہے اُس مال میں
سے تھوڑا ہو یا بہت (خدا کا) مقرر کیا ہوا حصہ۔ اور حکم دیا کہ مال میراث
میں سے لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ دیا جاوے۔ اور
تاکہ یتیم لڑکیوں پر اُنکا کوئی ولی اُنکے ساتھ نکاح کر کے ظلم نہ کر سکے جیسا کہ ہم
اوپر بیان کر آئے ہیں حکم دیا ”وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ
فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ“ (سورہ نسار) یعنی اور اگر تمکو ڈر ہو
کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کرو گے تو بالغ عورتوں سے
نکاح کر لو۔ اور عموماً یتیموں کے حق میں فرمایا ”فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا
تَقْهَرْ“ (سورہ ضحیٰ) یعنی یتیمونکو کمزور سمجھکر ظلم و ستم سے اُن کا
مال نہ لو اور اُنکو حقیر نہ جانو۔ اور فرمایا ”لَا يَلِي أَحَدٌ مِّنكُمْ يَتِيمًا
فَيُحْسِنُ وِلَايَتَهُ وَوَضَعَ يَدَهُ عَلَىٰ رَأْسِهِ إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ
حَسَنَةً وَمَحَا عَنْهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَيِّئَةً وَرَفَعَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ دَرَجَةً“

یعنی نہیں سرپرستی کرتا تم میں سے کوئی کسی یتیم کی اچھے طور پر اور نہیں رکھتا اپنا ہاتھ اُسکے سرپر (محبت اور شفقت سے) مگر یہہ کہ لکھدیتا ہے خدا اُسکے لئے بعوض ہر بال کے ایک نیکی اور مٹا دیتا ہے ہر بال کے بدلے میں اُسکا ایک گناہ اور اونچا کردیتا ہے ہر ایک بال کے عوض میں اُسکا ایک درجہ (ثواب آخرت میں)

اور ایک دفعہ یوں فرمایا "مَنْ مَسَحَ عَلٰی رَاْسِ یَتِیْمٍ کَانَ لَهٗ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ تَمُرُّ عَلٰی یَدِہٖ نُوْرٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ" یعنی جو شخص محبت و شفقت سے بن باپ کے لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ بعوض ہر بال کے جو اُسکے ہاتھ کو چھوئے اُسکے لئے ایک روشنی ہوگی قیامت کے دن (جنت کی رہنمائی کے لئے)

اور فرمایا "اَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ کَهَاتَیْنِ فِی الْجَنَّۃِ اِذَا اتَّقَی اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَۃِ وَالْوُسْطٰی" یعنی اپنی انگشتِ شہادت اور بیچ کی اُنگلی کیطرف اشارہ کرکے فرمایا کہ مَیں اور خدا سے ڈر کر یتیم کی کفالت کرنے والا اس طرح جنت میں قریب ہونگے۔

اور ایک دفعہ فرمایا "اِنَّ الْیَتِیْمَ اِذَا بَکٰی اهْتَزَّ لَهٗ لِبُکَائِهٖ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ لِمَلٰٓئِکَتِهٖ یَا مَلٰٓئِکَتِیْ مَنْ اَبْکٰی هٰذَا الْیَتِیْمَ الَّذِیْ غَیَّبَ اَبُوْهُ فِی التُّرَابِ فَیَقُوْلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَنْتَ اَعْلَمُ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا مَلٰٓئِکَتِیْ فَاِنِّیْ اُشْهِدُکُمْ اَنَّ لِمَنْ اَسْکَتَهٗ وَاَرْضَاهُ اَنْ اُرْضِیَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ" یعنی بیشک جب یتیم روتا ہے تو اُسکے

لئے اُسکے رونے کی آواز کے سبب سے عرش الٰہی کانپنے لگتا ہے
پھر خدا اپنے فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ اے میرے فرشتو اس یتیم کو
جسکا باپ مٹی میں چھپا دیا گیا ہے کسنے رولایا۔ پھر فرشتے عرض کرتے
ہیں کہ تو ہی بہتر جاننے والا ہے۔ پھر خدا فرماتا ہے کہ اے میرے
فرشتو تمکو میں گواہ کرتا ہوں کہ جو شخص اُس یتیم بچے کو چپ کراتا اور خوش کرتا
ہے میں اسکو قیامت کے دن خوش کرونگا۔ چنانچہ عمرؓ فاروق جو اس
حدیث کے راوی ہیں جب کسی یتیم کو دیکھتے تو پیار سے اُسکے سر پر
ہاتھ پھیرتے اور اسکو کچھ دیدیتے تھے۔

اُسنے شروع ہی سے لڑکیوں کے قتل کی دردناک رسم کے مٹانے
پر توجہ فرمائی اور اسکو اپنے معجزانہ اور خوفِ خدا سے کپکپا دینے والے
وعظ سے ایسا مٹا دیا کہ ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ کسی اسلامی ملک یا
نسل میں پھر کبھی اسکا ظہور یا رواج ہو۔ چنانچہ فرمایا "وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ
بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ××× عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ" یعنی جبکہ پوچھی
جائیگی جیتی گاڑو گئی لڑکی کہ کس گناہ میں قتل کی گئی ×× جان لیگا
ہر ایک انسان جو کچھ وہ لایا ہے۔ (اچھے یا بُرے اعمال)

اور فرمایا "وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَ
اِیَّاهُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ کَانَ خِطْـًٔا کَبِیْرًا" (سورہ بنی اسرائیل) یعنی
افلاس کے ڈر سے اپنے بچوںکو قتل نہ کرو (کیونکہ) روزی تو اُن کو اور تمکو
ہم دیتے ہیں۔ بیشک اُن کا مار ڈالنا بہت بڑا گناہ ہے۔

اور فرمایا "مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَا وَهُوَ هٰكَذَا وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ (صحیح مسلم) یعنی اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو جوڑ کر فرمایا کہ جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہانتک کہ دونوں جوان ہو جائیں آئینگے ہیں اور وہ قیامت کے دن اِسطرح سے ملے جلے

اور ایک دفعہ فرمایا "خَيْرُ اَوْلَادِكُمُ الْبَنَاتُ" (مکارم الاخلاق) یعنی تمہاری بہترین اولاد لڑکیاں ہیں۔ اور ایک دفعہ فرمایا "نِعْمَ الْوَلَدُ الْبَنَاتُ الْمُخَدَّرَاتُ مَنْ كَانَتْ عِنْدَهٗ وَاحِدَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ لَهٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ وَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ اثْنَتَانِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ وَاِنْ كُنَّ ثَلٰثًا اَوْ مِثْلَهُنَّ وُضِعَ عَنْهُ الْجِهَادُ وَالصَّدَقَةُ" یعنی بہترین اولاد پردے میں بیٹھنے والی لڑکیاں ہیں جس شخص کے پاس ایک لڑکی ہو بنا دیگا خدا اُس لڑکی کو اُس شخص کے لیے ایک پردہ جہنم سے بچنے کے لئے اور جسکے پاس دو لڑکیاں ہوں اُنکے سبب سے داخل کریگا اُسکو خدا بہشت میں۔ اور اگر تین یا زیادہ ہوں معاف کیا جائیگا اُسکو خدا کی راہ میں لڑنا اور زکوٰۃ دینا۔

اور چونکہ بتوں پر بچوں کو بھینٹ چڑھانا قدیم زمانہ سے تمام ملکوں اور قوموں میں ایک عام رسم تھی اور اسکو ایک بڑا ثواب کا کام سمجھا جاتا تھا اور بمنجملہ عرب جاہلیت بھی اسکے مرتکب ہوتے تھے فرمایا۔ "زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ × × قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا اَوْلَادَهُمْ

سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ" یعنی بہت سے مشرکوں کی نظروں میں خوشنما دکھلایا اُنکے بتوں کے پوجاریوں نے بھیںٹ چڑہانا اُنکے بچونکا تاکہ ہلاکت میں ڈالیں اُنکو (یعنی مشرکونکو) اور مشتبہہ کردیں اُنپر اُنکا اصلی دین × × × بیشک ٹوٹے میں پڑے ہیں وہ لوگ جنہوں نے بھیںٹ چڑہایا اپنے بچونکو بیوقوفی اور جہالت سے۔

اب موقع ہے کہ مذکورہ بالا مواعظ واحکام اور اُن کے نتیجوں کی نسبت جو رائے مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب نے جو ایک مشہور ومعروف عیسائی مصنف ہیں لکھی ہے اُسکو یہاں نقل کیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اگر کسی مذہب کی سچائی پرکھنے کے لئے اس امر کو معیار قرار دیا جائے کہ اُسنے اُس زمانہ کی حالت کے موافق عورتوں سے کیا رعایت کی اور غربا ومساکین اور مظلوم لوگوں کے لئے کیا کیا تو محمد صلعم کا مذہب بیشک اس آزمایش کی برداشت کرسکتا ہے۔ نبی عربی صلعم نے ان دو باتوں کے لئے جو قانون بنائے وہ مشرکین بلکہ بعض حالتوں میں یہودیوں کے طریقہ سے بہت زیادہ عمدہ تھے۔ زمانہ جاہلیت کے عرب جتنی جورو ئیں چاہتے تھے کرلیتے تھے۔ مگر قرآن نے شرعی طور پر اُنکی تعداد کو صرف چار پر محدود کردیا۔ اُن میں طلاق خاوند کی صرف طبیعت کی ایک ترنگ پر منحصر تھی۔ اور طلاق دی ہوئی عورت اپنے مہر اور نیز تمام حقوق زوجیت سے محروم ہوجاتی تھی۔ مگر قرآن حکم دیتا ہے کہ مہر ہر حالت میں واپس دیا جائے۔ اور اس امر کا تیقن

حاصل کرنیکے سے لئے کہ طلاق کے عمل میں لانے یا طلاق دیکر دوبارہ زوجیت
میں لے لینے کے باب میں (جسکو کہ نبی عربی بخلاف اپنے ہموطنوں
کے ایک بہت اہم اور قابل اعتراض حرکت خیال کرتے تھے) صرف
تلون مزاجی نہیں ہوئی بلکہ کامل غور اور خوض کی گئی ہے اُس نے
یہہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو اپنی عورت کو ایک بار طلاق دیچکا ہو اُسکو دوبارہ
زوجیت میں نہیں لے سکتا تاوقتیکہ وہ اپنی اِس غافلانہ بیرحمی کا کچھ کفارہ
ایک غلام آزاد کرکے ندے ۔ زمانہ جاہلیت کے عرب خاوند یا باپ
کی ملکیت میں عورت کو کوئی حق نہیں دیتے تھے ۔ اِس بنیاد پر کہ جو شخص
ہتھیار نہیں اوٹھا سکتا وہ ملکیت کا وارث نہیں ہوسکتا ۔ مگر قرآن حکم دیتا ہے
کہ عورتونکو حق وراثت حاصل ہے مثلاً بیٹی کو بیٹے سے نصف حصہ پہنچتا ہے،
زمانہ جاہلیت کے عرب متوفی خاوند کی جورو کو اُسکے وارث کا حق سمجھتے
تھے جو اکثر عورتوں کا سوتیلا بیٹا ہوتا تھا ۔ محمد عربی نے اِس قسم
کی تمام شادیوں کو بُرا کہا جو اُن سے پہلے عام طور پر کی جاتی تھیں ۔ اُس
زمانہ کے عرب اپنی لڑکیوں کو زندہ دبا دیا کرتے تھے جیسا کہ عرب کی
اِس مثل سے ظاہر ہے کہ "عورتوں کو پہلے سے دوسری دنیا میں
بھیجدینا فائدہ مند ہے ۔ اور سب سے بہتر داماد ۔ قبر ہے"
اور جو دو شخصوں کی نئی شادی ہوتی تو اُنکو یہہ مبارکباد دیجاتی کہ "تم سدا
اتفاق سے رہو اور تمہارے بیٹے ہوں مگر بیٹی نہو" اِسی قسم کے
خیالات کا ظاہر کرنا تھا ۔ محمد عربی نے نہایت سختی کے ساتھ

اِس بیرحمانہ طریقہ کو منع فرمایا اور کہا کہ وہ لڑکی جو زندہ زمین میں دبائی گئی ہے قیامت کے روز یہہ سوال کریگی کہ میں کس گناہ میں قتل کیگئی۔ زمانہ جاہلیت کے عرب جنکو یہہ یقین تھا کہ مرنیکے بعد کسی نہ کسی قسم کی آیندہ زندگی ہوگی عورت کو اُس سے بالکل خارج سمجھتے تھے اور بہت سے لوگوں (عیسائیوں) نے یہہ خیال کیا ہے کہ محمدؐ نے بھی ایسا ہی کہا۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ جو "شخص نیک عمل کرے اور سچا ایماندار ہو خواہ مرد ہو یا عورت بہشت میں داخل ہوگا۔ ایک بڑھی عورت ایک دفعہ نبیِّ عربیؐ کے پاس آئی اور اُن سے درخواست کی کہ دعا کرو کہ میں بھی بہشت میں داخل کیجاوں۔ محمدؐ نے جواب دیا کہ کوئی بڈھی عورت بہشت میں داخل نہوگی۔ یہہ سنکر جب وہ رونے لگی تو محمدؐ مسکراے اور اُس مہربانانہ ہنسی کے طور پر جو اُنکی عادت تھی فرمایا "کوئی بڈھی عورت بہشت میں نجائیگی کیونکہ وہاں سب دوبارہ جوان ہوجائینگی"

یہہ کہا جاتا ہے کہ خاوندوں کو چاہیے کہ اپنی جوروؤں سے محبت کریں انجیل کا حکم ہے نہ کہ قرآن کا۔ مگر سنو! وہ الوداعی خطبہ محمدؐ کا جو اُنہوں نے کوہ عرفات پر جو حاجی جمع ہوئے تھے۔ اُن سے مخاطب ہوکر اپنی وفات سے ایک سال پہلے فرمایا تھا "یعنی اے لوگو تمہاری بیویوں پر تمہارے حقوق ہیں اور تمہاری بیویوں کے حقوق تمپر ہیں۔ اپنی بیویوں سے مہربانی کے ساتھ پیش آؤ کیونکہ فی الحقیقت تمنے اُنکو اپنی زوجیت میں خدا کی کفالت کے ساتھ لیا،

اور خدا کے حکم سے وہ تمہارے لئے جائز ہوئیں۔ نبیِ عربی کا ذاتی
خیال طلاق کے مروجہ دستور کی نسبت نہایت خوبی کے ساتھ
اُس مقولہ میں مندرج ہے جو روایات میں اُسے منسوب کیا گیا ہے
یعنی "مخلوقات الٰہی میں کوئی چیز غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ مجکو
پسند اور طلاق دینے سے زیادہ قابل نفرت معلوم نہیں ہوتی" اور یہہ بھی
قبول کرنا چاہئے کہ اِس معاملہ میں اُنکا نمونہ ایسا ہی عمدہ ہے جیسا کہ اُن کا
حکم۔ جو کچھ کہ محمدؐ نے عورتوں کی بہتری کے لئے کیا وہ صرف یہی
رعایتیں تھیں جو ہینے اوپر بیان کی ہیں۔ بلکہ تعدد ازواج کی نسبت سخت
قوانین کی قید لگانے اور اُس قومی اخلاق خیال کے پیدا کرنے کے علاوہ
جو اِن قوانین سے بعد میں پیدا ہوا وہ اِس زمانہ تک کے مسلمانوں کے
ملکوں کو اُن پیشہ ور عورتوں سے (جو اپنی ذلیل حالت میں رہتی اور اپنے
وجود سے اُس سوسائٹی کے ہر ایک ممبر کے لئے دائمی ملامت کا باعث
ہوتی ہیں جسمیں وہ ہوں) ایک ایسے بڑے درجہ تک پاک کرنے میں
کامیاب ہوا جیسا کہ اور کسی ملک میں کبھی نہیں ہوا۔ میں اِس امر کو فراموش
نہیں کرتا کہ محمدؐ نے نہایت سخت درجہ کی حالت میں خاوندونکو اپنی عورتوں
کو بدنی سزا دینے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ اعتدال کے
ساتھ دیجاوے۔ اور یہہ کہ اُسنے عورتوں کے لئے پردہ کا حکم یا اجازت
دی ہے۔ اور یہہ کہ اپنے لئے اُسنے تعدد ازواج کی اُس حد کو
توڑ ڈالا جو اُس نے اوروں کے لئے لگائی تھی۔ اور یہہ کہ اُس نے

جنگ سے قید میں آئی ہوئی عورتوں کو حرم بنانا جائز قرار دیا - اور میں بخوبی

قبول کرتا ہوں کہ اُسکے پیردوں نے بہ نسبت اوسکی تعلیم کے اعلی حصونکی

پیروی کے اِن ناقص حصوں کی پیروی اور اطاعت کرنے میں بہت زیادہ

مستعدی ظاہر کی ہے - مگر تاہم میں بہروسہ کے ساتھ کہتا ہوں کہ بمقابلہ

بت پرست مذاہب کے بلکہ یہودیت کے بھی محمدؐ نے عورتوں کو اونکی

پہلی حالت سے بہت زیادہ ترقی دی اور اسطرح پر اُنکے شکریہ کے

مستحق ہوئے (انتہی قولہ اسلمہ)

مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب کی یہہ راے کسیقدر حاشیہ

لکھنے کے لایق ہے - صاحب موصوف اگرچہ ایک نہایت غیر متعصب

وناطرفدار شخص ہیں مگر بعض مسائل مذہبی کے سمجھنے میں اُنکو دھوکا ہوا ہے

اور اِسی وجہ سے اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت

یہہ غلط رائیں قایم کی ہیں - اُنہوں نے اپنے پہلے اعتراض میں جس آیت

کے حکم کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہہ ہے "وَالّٰتِي تَخَافُونَ نُشُوزَ

هُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۚ فَإِنْ

أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ" (سورہ نسار) یعنی جن عورتونکی

سرکشی و تمرد تمکو خوف میں ڈالدے تو (اول) اونکو سمجھاؤ اور (اسپر بھی

نہ مانے تو) اُنکو اُن کے بستروں میں اکیلا ڈالدو اور (پھر بھی سرتابی کریں تو)

اُنکو مارو - پھر اگر تمہاری تابعدار ہوجائیں تو اُنپر اور کوئی راہ نہ ڈھونڈو - یعنی

کوئی اور حیلہ اُن کے ایذا دینے یا طلاق دینے کا نہ ڈھونڈو -

اور اسکی تفسیر مین احادیث شریفہ مین وارد ہوا ہے کہ سخت چوٹ نہ مارنی چاہیے اور مونھہ پر تو بالکل ہی نہ مارنا چاہیئے - اور ظاہر ہے کہ یہہ سب تدبیرین طلاق و افتراق سی بُری چیز کے روکنے اور وقوع مین نہ آنے کے لئے ہین - اور مارنا اور وہ بھی خفیف سا صرف اُس حالت مین جائز ہے جبکہ پہلی دو تدبیروں سے کام نہ چلے - اور ہر شخص سمجھہ سکتا ہے کہ آیا طلاق دیکر گھر سے نکالدینا اور بال بچون سے جدا کر دینا عورت کے حق مین سختی ہے؟ یا سمجھا بوجھا کر اور بشرط ضرورت خفیف سی سزا دیکر محبت و الفت سے (جسکی سخت تاکید ہے -) معروف طور پر ٹھہر الینا سختی ہے؟

دوسرا اعتراض بھی کچھہ وقعت کے لایق نہیں ہے - ممکن ہے کہ ایک امر کو اہل یورپ برا خیال کرین اور ایشیا کے رہنے والے اُسکو اچھا سمجھیں - چنانچہ پردہ کا حسن و قبح بھی اسی اختلاف خیال کا نتیجہ ہے حقیقت یہہ ہے کہ مدینہ منورہ کے بعض ناشایستہ اور بدذات لوگ مسلمان عورتوں سے جبکہ وہ اپنے کاروبار کے لئے گھر سے باہر جاتی تھیں چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے اور جب اُنکو کچھہ کہا جاتا تھا تو یہہ بدتر از گناہ عذر کر دیتے تھے کہ ہمنے تو کوئی لونڈی سمجھی تھی - پس یہہ آیت نازل ہوئی کہ " يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ " جسکا مدعا یہہ ہے کہ عورتین ایک لمبی چادر اوڑھے بغیر گھر سے باہر نہ نکلا کرین تاکہ ہر کوئی پہچان سکے کہ وہ ذی عزت اور شریف گھرانے

کی ہیں اور کوئی اُنکو تکلیف نہ دیسکے - البتہ جو پردہ آجکل ہندوستان کے مسلمانوں میں رائج ہے وہ بیشک اعتدال سے بڑھا ہوا ہے - شریعت اسلام نے ایسے پردہ کا حکم ہرگز نہیں دیا بلکہ صرف اُس بے حجابی اور آزادی کو روکا ہے جس کے قبیح نتیجے فرنگستان کی عورتوں کے لئے سخت بدنامی کا باعث ہیں اور جس کی شکایت کپتن ٹیلر صاحب نے اپنے اُس مضمون میں کی ہے جو اُنھوں نے وولورہمپٹن کی چرچ کانگرس کے روبرو پڑھا تھا اور جس کا ذکر ہم اوپر لکھ آئے ہیں -

تیسرا اعتراض جو بظاہر بہت ثقیل معلوم ہوتا ہے وہ بھی کچھ اصلیت نہیں رکھتا - اور صاحب موصوف کی بے تعصبی و حق پسندی سے ہمکو امید ہے کہ اگر اُنکو اصل حقیقت معلوم ہوجاے تو وہ فوراً اپنے اس اعتراض کو واپس لے لینے مین تامل نہ کرینگے - مخالفین اسلام کو مصحف مین سورہ نسار کو (جسکے شروع ہی میں مسلمانوں کو ایک وقت میں چار سے زیادہ نکاح کرنے کی ممانعت ہے) پہلے اور سورہ احزاب کو (جس میں آنحضرتؐ کے ازدواج کے احکام ہین) پیچھے دیکھکر یہ دھوکا ہوا ہے کہ آپ نے اپنے لئے اُس حد کو توڑ ڈالا جو اوروں کے لئے مقرر کی تھی - لیکن اصل مین یوں نہیں ہے - نزول کے اعتبار سے سورہ احزاب سورہ نسار پر مقدم ہے - چنانچہ شیخ امین الاسلام ابو علی فضل اللہ الطبرسی علیہ الرحمۃ نے یہ تحقیق کرتے ہوئے کہ مکی سورتیں کونسی ہیں اور مدنی کونسی - بڑی قوی دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ سورہ نسار مدنی

ہے - اور سورۂ احزاب کے بعد (جو نویں سال ہجری میں اُتری تھی) نازل ہوئی ہے - (دیکھو تفسیر مجمع البیان ذیل سورۂ ہل اتیٰ) اور اتقان میں علامہ سیوطی نے اسکے ثبوت میں یہ دلیلیں لکھی ہیں -

(۱) قصیدہ تقریب المامول فی ترتیب النزول تصنیف برہان الجعبری

(۲) وہ روایت جو ابن ضریس نے فضائل القرآن میں حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے -

(۳) وہ روایت جو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں - عکرمہ کی سند پر بیان کی ہے -

پس جبکہ سورۂ نسار اُتری ہی نہ تھی اور اوسکی وہ آیت جسمیں مسلمانوں کو ایک وقت میں چار سے زیادہ نکاح کرنے کی ممانعت ہے نازل ہی نہیں ہوئی تھی تو یہ کہنا کہ "آنحضرت نے اپنے لئے اُس حد کو توڑ ڈالا جو دوسروں کے لئے مقرر کی تھی صریح غلطی ہے -

خدیجہ علیہا السلام کی وفات کے بعد آنحضرت نے بعض وجوہات طبعی رحم و مروت اور شاید خواہشِ اولاد سے بھی جس سے کوئی نفس بشری خالی نہیں ہے اور جسکے لئے بڑے بڑے انبیاء بنی اسرائیل خدا سے دعائیں مانگتے رہے ہیں - آٹھویں سال ہجری تک وقتاً فوقتاً چند عورتوں سے نکاح کئے تھے جن میں سے بعض عمر کی ادھیڑ اور صاحبِ اولاد کثیر اور بعض تقریباً ضعیفہ یا بیوہ تھیں اور جسمیں کنواری صرف ایک ہی تھی اور ان کے سوا ایک حرم تھی جسکو مقوقس بادشاہ

اسکندریہ سے نے جو عیسائی تھا چھٹے سال ہجری میں آنحضرت کے نفقہ کے جواب کے ساتھ ہدیۃً بھیجا تھا اور یہہ سب نکاح و تصرف معروف طور پر موافق طریقہ انبیاء سلف عمل میں آئے تھے۔ اور بجز ایک نکاح کے جسکی تشریح یہاں غیر ضروری ہے اور جو ایک آیندہ بڑی اصلاح معاشرت کے لئے وقوع میں آیا تھا رسم ملک کے بھی برخلاف نہ تھے۔ چنانچہ خدا تعالی نے یہہ فرماکر اُنکو جائز رکھا "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ" (سورہ احزاب) یعنی اسے نبی ہمنے حلال رکھیں تیرے لئے تیری وہ بیبیاں جنکے مہر تو دیچکا ہے اور جسکا مالک ہوا ہے تیرا ہاتھ اُس مال میں سے جو خدا نے بطور "فئے" کے تجکو دیا ہے۔ مگر آیندہ کے لئے ازدواج سے یہہ فرماکر قطعاً منع فرمادیا کہ "لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَ لَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ" یعنی نہیں حلال تجکو عورتیں مطلقاً انکے یعنی ازواج موجودہ کے بعد (جو نو تھیں) اور نہ یہہ حلال ہے کہ اِنکے بدلے اور بیبیاں کرے اگرچہ اُنکا حسن تجکو تعجب ہی میں ڈالدے اور چونکہ لفظ "نساء" ایسا عام تھا کہ جس سے حکم امتناعی اُس حرم محترم سے بھی متعلق ہوتا تھا جسکا اوپر ذکر ہوا "اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ" فرماکر اُسکو مستثنےٰ کردیا

ملہ مخالفین مذہب سے جو چیز مسلمانوں کو بغیر لڑائی بھڑائی کے حاصل ہو اُسکو "فے" کہتے ہیں جیسے مقوقس کے ہدایا وغیرہ۔ مؤلف

یعنی جب کہ یہ تراداہاں ہاتھ مالک ہوچکا ہے (فئے کے ذریعہ سے) وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

اب شاید کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ سورہ نسار کی آیت کے نزول کے بعد جسطرح وہ عورتین جو چار کے سوا مسلمانوں کے نکاح میں تھیں اُنسے علحدہ کرادی گئی تھیں* آپکو بھی واجب تھا کہ چار کے سوا اورونکو علحدہ کردیتے مگر ہم بیان کرچکے ہیں کہ اور مسلمان کی طرح آنحضرت صلعم کو طلاق کی اجازت نہ تھی اور نہ بحالت طلاق کوئی مسلمان اُن ازواج مطہرات سے نکاح کرنیکا مجاز تھا اور نہ طبعًا بلحاظ ادب و احترام اپنے رسول کے (جیسا کہ تمام اہل مذاہب کا عام قاعدہ ہے) اُن سے نکاح کرسکتا تھا۔ پس ایسی حالت میں اُن میں سے کسی کو علحدہ کرکے فقر و فاقہ کی مصیبت میں ڈالدینا سراسر ظلم اور خلاف رحم و انسانیت ہوتا جو کسی طرح آنحضرت کی سیرت کریم کے لایق نہ تھا۔ پس کیا بلحاظ اُس حکم کے جو خاصتہً آپ کے حق میں نازل ہوا تھا اور کیا بلحاظ اس وجہ کے جو ہمنے بیان کی آپ ازواج موجودہ کی تعداد کو کم نہیں فرماسکتے تھے۔ پس حقیقت میں دیکھو تو آنحضرت کے احکام ازدواج اور مسلمانوں کے احکام ازدواج کی بہ نسبت زیادہ تنگی اور قید نفس کے تھے اور کسی جھوٹے مدعی رسالت سے اُمید نہیں کیجاسکتی اور نہ اسکا احتمال ہوسکتا ہے کہ اپنے حق میں ایسے احکام صادر کرے جو اُسکے معتقدوں

* حضرت نحمیاؔ اور عزرؔا نبیوں نے بھی بنی اسرائیل سے وہ اجنبی عورتیں علحدہ کرادی تھیں جن سے اُنہوں نے نکاح کرلئے تھے (دیکھو صحیفہ عزرا باب ۱۰ ورس ۱۱-۱۲-۱۹-) مؤلف

کی بہ نسبت اُسکے لئے زیادہ موجب دقت و ممانعت اور تنگی اور قید نفس کے ہوں۔ بلکہ خواہش و میلان قلبی کے بھی برخلاف ہوں۔

چوتھے الزام کو اگر الزام کہا جاوے تو اُس سے نہ حضرت موسیٰؑ ہی بچ سکتے ہیں نہ حضرت عیسیٰؑ ہی اور نہ اُنکا وہ مشہور و معروف سرگرم حواری (پولوس) جسکو عیسائی نہایت پاک و مقدس اور مؤید بروح القدس سمجھتے ہیں۔ چنانچہ خود مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب کا قول ہم اوپر بیان کر آئے ہیں (دیکھو صفحہ ۲۲۸-۲۲۹) کہ موسیٰ علیہ السلام نے عادت و رسوم ملکی مثل + + + اور غلامی کو جیسا پایا ویسا ہی رکھا" اور مسیحؑ نے اُسوقت خاص کا خیال چھوڑ دیا اور سلطنت روم قدیم کی سخت برائیوں مثل + + + اور غلامی کو جو اُس کی روح کو صدمہ پہنچاتی ہونگی بُرا بھلا نہ کہا" اور وہ صرف اسپر قناعت کی کہ اپنے پیروؤں کے دلوں میں نیک اصولوں کا بیج بو دے کہ جب وقت آوے تو وہ قبیح رسوم و دستورات خود بخود مٹ جائیں" مگر ہم فخر سے کہتے ہیں کہ گو حضرت مسیحؑ نے غلامی کو بُرا بھلا نہ کہا ہو اور باوجود ضرورت خاموشی اختیار فرما کر اپنی روح مبارک کو صدمہ پہنچایا ہو مگر ہمارے پیارے رحمۃ للعالمین نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اپنی رسالت کے شروع ہی میں بغیر اس کے کہ صناوید قریش کی رضامندی و نارضامندی کا کچھ خیال کریں بڑی شد و مد سے غلاموں کی آزادی کا وعظ فرمایا اور آخر کار اُنکو غلامی کی بدترین و ذلیل ترین حالت سے نکالکر اخوت و ہمسری کے اعلیٰ ترین درجہ پر پہنچایا۔ اور اسطرح

پر ثابت کردیا کہ اُسکا وجود باجود نہ صرف آزاد مردوں اور آزاد عورتوں ہی کے لئے موجب رافت و رحمت تھا بلکہ اُسنے کہیں بڑھکر بیچارے بے بس غلاموں اور بیکس لونڈیوں کے حق میں باعث آرام و راحت ہوا۔ اور آپنے نہ صرف موجودہ غلاموں کے آرام و آسایش اور حتی الامکان انکو آزادی کے خلعت سے پہنانے پر اکتفا کی بلکہ یہہ دو لفظ فرماکر۔ "اِمَّا مَنًّا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَاۤءً" ایک ایسے نیک اصول کا بیج بو دیا کہ جب وقت آئے تو یہہ بیرحمانہ و خلاف انسانیت رسم خود بخود مٹ جاوے۔ چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ وہ وقت آن پہنچا کہ کچھ کچھ مسلمانوں کی یہہ راے ہو چلی ہے کہ اُن سے کے خدا اور رسول کا حکم لڑائی کے قیدیوں کے باب میں صرف یہ ہے کہ اُن پر احسان رکھکر یا کچھ چھڑائی لیکر چھوڑ دیا جاوے۔ چنانچہ وہ آیت جسمیں یہ پاک الفاظ ہیں یہہ ہے "فَاِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً" (سورہ محمد آیہ ۴) یعنی اُس مجسم رحمت نے اپنی رحم و رافت سے بھری ہوئی زبان سے فرمایا کہ خدا تعالی ایہ حکم دیتا ہے کہ "پھر جب تم کافروں سے لڑو تو اُنکی گردنیں کاٹو یہانتک کہ جب اُنکو چور چور کر چکو تو مضبوط باندھ لو پھر احسان رکھکر یا کچھ چھوڑائی لیکر چھوڑ دو" اور یہہ سب کچھ اُسنے ایک ایسے زمانہ میں کیا کہ آزاد کرنا تو کیا کوئی یہہ بھی نہیں جانتا تھا کہ بیچارے غلام بھی ہم جیسے ہی خدا کے بندے ہیں اُنپر سختی اور ظلم کرنا نہیں چاہئے۔

پس اِسلام کے سوا کونسا مذہب ہے کہ جس میں غلاموں کے بیکس و

بے بس گروہ کے حق میں ایسے رحم و رافت سے بھرے ہوئے احکام
موجود ہوں۔ یہہ سچ ہے کہ حضرت مسیح سے اپنے معتقدوں کو یہہ ہدایت
کی جیسے کہ آنحضرت نے بھی فرمائی کہ اُنکو اوروں کے ساتھ اُسطرح پیش آنا
چاہئے جیسا کہ اوروں کا اپنے ساتھ پیش آنا چاہتے ہیں۔ مگر اس سے یہ
نتیجہ نکالنا کہ جناب موصوف نے یہ فرماکر درحقیقت غلامی کو موقوف کردیا
صحیح نہیں سمجھا جاسکتا۔ چنانچہ مسٹر گاڈفری ہیگنس لکھتے ہیں کہ "یہہ
بات ظاہر میں تو بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ مگر افسوس ہی کہ عمل میں ایسا
نہیں ہے" اور خود مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب کا قول ہم اوپر نقل کر آئے
ہیں کہ "شاید یہہ بات تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ عیسائیت اور غلامی
ایک روز کے لئے بھی کسطرح اکٹھی رہیں۔ لیکن ہمکو تو حقایق سے بحث ہے
اور یہہ امر محقق ہے کہ غلامی بیشک عیسائیت کے ساتھ ساتھ رہی ہے
بلکہ اُسنے عیسائیت کی رو سے جائز ہونیکا دعویٰ اس اُنیسویں صدی تک
بھی کیا ہے" اور یہہ کہ "انجیل میں بیشک کوئی صریح ممانعت غلامی
کی نہیں ہے۔ بلکہ برخلاف اسکے اسمیں غلامی کو بطور ایک موجودہ رسم کے
تسلیم کیا گیا ہے۔ اور پولوس نے مالکوں کے ساتھ نوکروں کے فرائض
کو (جنکو اُسنے غلاموں کے سخت نام سے مخاطب کیا ہے) ایسی ہی صراحت
سے بیان کیا ہے جیسے کہ مالکوں کے فرائض کو اُنکے ساتھ" پس اسلام
کی فضیلت اور مذاہب پر اس معاملہ میں بھی ویسی ہی ثابت ہے جیسے
کہ اور معاملات میں ثابت ہے اور نہایت فخر اور خوشی کا مقام ہے کہ

بعض منصف اور غیر متعصب عیسائیوں نے بھی اسکا اعتراف کیا ہے
چنانچہ یہی صاحب جنکا ذکر ابھی ہوا اپنی کتاب "محمد اینڈ محمڈن
ازم" میں لکھتے ہیں کہ "اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ غلامی کی نسبت
اسلام نے کیا کیا۔ چنانچہ اسمیں کلام نہیں ہو سکتا کہ اُسکے باب میں
بھی ترقی کی جانب قدم بڑھایا گیا۔ بلکہ عورتوں کے باب میں جو قانون
بنایا گیا اُسکی بہ نسبت غلامی کے معاملہ میں زیادہ ترقی کیگئی۔ بیشک محمد
نے غلامی کو بالکل مٹا نہیں دیا کیونکہ ملک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے
ایسا کرنا نہ تو مناسب ہی تھا اور نہ ممکن ہی تھا۔ لیکن اُنہوں نے لوگوں کو غلاموں
کے آزاد کرنے کی رغبت دلائی اور یہ اُصول قرار دیا کہ جو قیدی مسلمان ہو جائے
وہ آزاد سمجھا جاوے۔ اور اس سے بھی زیادہ تر اہم بات یہ کی کہ اُنہوں نے
حکم دیا کہ کوئی آزاد شدہ غلام اس سبب سے کہ اُسنے محنت و مشقت سے
ایک دیانتداری اور عزت کی زندگی بسر کی ہے ذلیل نہ سمجھا جاوے اور اُنکی
نسبت جو حالت غلامی میں ہوں یہ حکم دیا کہ اُن کے ساتھ مہربانی اور ملائمت
سے برتاؤ کیا جاوے۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے اخیر الوداعی خطبہ میں جو
اپنی وفات سے ایک سال پہلے بمقام منا پڑھا تھا کہا کہ "اے مسلمانو
تم غلاموں کو ویسا ہی کھانا کھلاؤ جیسا کہ تم خود کھاتے ہو اور ویسا ہی کپڑا
پہناؤ جیسا کہ خود پہنتے ہو۔ کیونکہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں اُنکو ستانا
نہیں چاہئیے۔ پس ایک غلام جو قانون اور ایسے اعلیٰ درجہ کے احکام
مذہبی کی حفاظت میں ہو وہ اُن معنوں کے لحاظ سے جو لفظ "غلام" کے

اس زمانہ میں سمجھے جاتے ہیں غلام نہیں کہا جاسکتا۔ جیسا کہ میں اوپر
بیان کرچکا ہوں۔ یہہ امر قابل لحاظ ہے کہ وہ لفظ جس کا ترجمہ غلام ہے
قرآن میں کہیں نہیں آیا۔ جو جملہ قرآن میں استعمال کیا گیا ہے وہ یہہ ہے
"وہ جو تمہارے داہنے ہاتھ کے قبضہ میں ہیں" جسکے معنی صرف
یہہ ہیں کہ جو ایک واجب طور کی لڑائی میں قید ہو کر آئے ہوں اور اس
طرح پر اپنی آزادی سے محروم ہو گئے ہوں۔ ایسے قیدی اگر مسلمان
ہو جاتے تھے تو اُنکی نسبت یہہ حکم تھا کہ آزاد کردیئے جائیں۔ لیکن اگر
اُپنے مذہب پر قائم رہتے تھے تو آپکا حکم اپنے معتقدوں کے لئے
یہہ تھا کہ پھر بھی تم اُنہیں اپنا بھائی سمجھو۔ اُنہوں نے فرمایا کہ "جو مالک اپنے
غلام سے مہربانی کرے وہ مقبول خدا ہوگا۔ اور جو اپنے اختیار کو برے
طور پر استعمال میں لاے یعنی غلام کو ستاے وہ داخل بہشت نہوگا۔
ایک مسلمان نے اُن سے سوال کیا کہ جو میرا غلام مجھے ناراض کرے
اُسے کتنی بار مجھے معاف کردینا چاہیے نبی عربی نے جواب دیا "ایک
روز میں ستر دفعہ" محمد نے ایک نیم شایستہ ریاست کے سردار کی طرح
قیدی عورتوں کو حرم بنانا جائز رکھا لیکن وہ عورت جس کے اس طرح پر
اولاد ہو جاے اُسکی نسبت یہہ حکم دیا کہ وہ اولاد سے جدا نہ کی جاسے۔
اور نہ وہ پھر بیچی جاسے۔ بلکہ مالک کے مرجانے کی حالت میں آزاد سمجھی
جاسے۔ یہہ رحیمانہ قوانین جیسے کہ امید کیجا سکتی ہے قوانین شریعت موسوی
کے موافق ہیں۔ لیکن بہت سی باتوں کے لحاظ سے اُن سے بہتر ہیں بلکہ

ایسے ہیں کہ کسی یوروپین یا امریکن بردہ فروش سلطنت سے نے اپنے مجموعہ
قوانین میں اُسوقت تک درج نہیں کئے تھے۔ جبکہ عیسائیت کی
موج سے (انسانیت وشائستگی کی موج لکھتے تو معقول ہوتا) غلامی کو بالکل
نیست ونابود کردیا۔ مثلاً ایک یہودی قوم کا آدمی جب غلام ہوجاتا
تھا اوسکی نسبت (شریعت موسوی کا) یہ حکم تھا کہ ''جب وہ اپنی غلامی
کا زمانہ پورا کرلے تو آزاد سمجھا جاوے'' لیکن وہ عورت جس سے
اُسکے مالک نے اُسکی شادی کردی ہو مع بال بچوں کے اُس سے جدا
کرلیجاوے اور غلامی میں رہیں۔ جو مسلمان مالک اپنے غلام پر بوجہ
خفا ہوا ئیسر واجب ہے کہ اُسکو فوراً آزاد کردے۔ مگر بخلاف اِس کے
اگر کوئی یہودی اپنے غلام کو یہانتک ستاوے کہ اُسکو جان سے مار ڈالے
تو اُسکے لئے صرف ایک سزا کا حکم تھا۔ لیکن اگر وہ اُس سزا کی حالت میں
ایک یا دو دن تک زندہ رہے تو بالکل چھوڑ دیا جاوے۔ جیسا کہ
انجیل کے انگریزی ترجمہ میں خوفناک سخت الفاظ میں اسی مطلب کو
یوں ادا کیا گیا ہے کہ ''وہ غلام اپنے مالک کا روپیہ ہے'' یعنی جس طرح
چاہے اُسے استعمال کرے۔ امریکہ کی اُن سلطنتوں میں جنمیں غلامی
جائز تھی۔ غلام کو کوئی حق قانونی حاصل نہ تھا۔ اگر کوئی مالک اپنی لونڈیوں
سے نیک برتاؤ کرتا تھا تو یہہ صرف اوسکی انسانیت سمجھی جاتی تھی نہ کہ
اسلام کی طرح کہ اُسکے (یعنی مالک کے) نہایت عروج کی حالت میں
بھی عدالت کو اجازت تھی کہ اُسکو غلام پر مہربانی کرنیکے لئے مجبور کرسکے

تمام انسانوں کا خدا کی نظر میں برابر ہونا ایک ایسا اصول تھا جس پر محمد نے ہر ایک مقام پر زور دیا ہے اور اس طرح پر چونکہ یہہ اصول غلامی کی نسبت ذات وغیرہ سے خیال کو بالکل مٹا دیتا تھا اسلیئے غلامی کی ذلت کو بھی رفع کر دیا۔ محمد کے نزدیک محنت کرنا ذلت کا موجب نہ تھا۔ اور ملک عرب کی رسم غلامی (جسمیں محمد کی مہربانی سے والدین اور بچوں اور عزیزوں کا ایک دوسرے سے جدا کیا جانا بالکل موقوف تھا) اگرچہ اصولاً ہمیشہ برا کہنے کے لایق ہے لیکن اسکی وجہ سے غلامی ایک زیادہ مستحکم اور زیادہ تر مستقل تعلق ہو گیا جو گھر میں دوسرے لوگوں سے خدمت لینے کے اُس طریقہ سے جو اور ملکوں میں جاری تھا کچھہ زیادہ برا نہیں کیا جا سکتا" انتہی قوله

اس لایق مصنف نے جن احکام اسلام کا ذکر کیا ہے ان میں یہہ دو باتیں اور شامل کرنی واجب تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "غلاموں سے ایسی تکلیف کے کام نہ لیئے جائیں جو انکو تھکا دیں اور اگر ایسی تکلیف کا کام انکو دیا جاوے جو انکو تھکا دے تو اُسمیں تم خود اُنکی مدد کرو" (دیکھو صحیح بخاری باب قول النبیؐ العبید اخوانکم)

اور یہہ کہ "ہرگز کوئی یہہ نہ کہے کہ "میرا غلام اور میری لونڈی" تم سب خدا کے غلام اور تمہاری سب عورتیں خدا کی لونڈیاں ہیں مگر یوں کہے کہ "میرا بچہ اور میری بچی اور میرا لڑکا اور میری لڑکی" (دیکھو صحیح مسلم کتاب الالفاظ من الادب) تا کہ ہر کسی کو معلوم ہو جاتا کہ بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غلاموں کی تکلیف کے کم یا موقوف کر دینے ہی پر بس نہیں کیا

بلکہ اُنکی نسبت لونڈی غلام کے لفظ کے استعمال کی بھی جس سے انکی حقارت نکلتی تھی بتاکید ممانعت اور نہایت شایستہ و مہذب اور شفقت آمیز الفاظ سے مخاطب کرنیکی ہدایت فرمائی۔

بہرحال ان مواعظ و احکام کا جو اثر لوگوں کے دلوں پر ہوا وہ حسن معاشرت کی بے انتہا خوبی اور عام اخلاق کی زائد از حد ترقی ثابت کرنیکو کافی ہے چنانچہ یہہ کیا کچھ کم حیرت انگیز امر ہے؟ کہ پیغمبر کی نور نظر (فاطمۃ الزہرا رض) اپنی لونڈی کے ساتھ بیٹھکر چکی پیسنے میں کبھی اپنے ہاتھ سے ہتی کو نیچے سے تھامتی تھی اور کبھی لونڈی تاکہ لونڈی کو بی بی سے زیادہ تکلیف نہو۔

اور اسلام کا وہ مشہور و معروف خلیفہ (عمر فاروق) جو مسلمان ہونیسے پہلے اپنی لونڈی کو اس گناہ پر مارتے مارتے تھک جاتا تھا کہ وہ بتوں کی غلامی چھوڑ کر سچے دل سے اپنے اور اُسکے اصلی مالک (خدا) کی غلام بنگئی تھی اپنے عین عروج کے زمانہ میں اپنی باری میں اونٹ کی مہار پکڑ کر جسپر اُسکا غلام سوار ہوتا تھا پیادہ چلنے کو فخر سمجھتا تھا۔ اور ایسی ہی اور بہت مثالیں ہیں جن سے خودبخود یہہ یقین ہوتا ہے کہ یہہ انسان کا نہیں بلکہ اُسیکا کام تھا جو کیا آزاد کیا غلام سب کا مالک اور اُن کے دلونکے پھیر دینے پر قادر ہے۔ اب ہم اس بحث کو اسی شہادت پر ختم کرتے ہیں اور اور خیرات و برکات کا بیان شروع کرتے ہیں جو جناب مقدس مصطفوی کی بدولت دنیا کے شامل حال ہوئیں۔

اسپنے ہمجنسوں اور بنی نوع سے ہمدردی اور اُنکی حاجتوں میں

اُنکی مدد کرنا جو ایک نہایت اعلیٰ صفت انسانی یا یوں کہو کہ انسانی فطرت کا مقتضا ہے اگرچہ اکثر حکما و انبیاے سلف خصوصاً مسیح علیہ السلام نے اوسکی رغبت دلائی اور تاکید کی ہے اور اُسکے کچھ کچھ طریقے بھی بتاے ہیں۔ مگر صاحبِ قرآن علیہ وآلہ صلواۃ الرحمان کے لیئے جو بات خصوصیت کی ہے وہ یہہ ہے کہ اُسنے اوسکی نہایت درجہ کی ترغیب و تحریص کے ساتھ اُسکا طریقِ عمل بھی ایسا عمدہ بتایا ہے جو بالکل ترتیب فطری و نظام طبعی کے مطابق ہے۔ چنانچہ فرمایا ”اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا“ (سورہ نساء) یعنی عبادت کرو اللہ کی اور نہ شریک کرو اُسکے ساتھ کسی چیز کو بھی۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ اور رشتہ دارون اور یتیموں اور نادار محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور بیگانے ہمسایوں اور ہمنشینوں اور (درماندہ) مسافروں اور اُن کے ساتھ جنکے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہوے ہیں (یعنی لونڈی غلام)۔ بیشک خدا دوست نہیں رکھتا مغرور اترانے والوں کو (یعنی جو لوگ کسی حقدار کو کچھ دیکر اتراتے ہیں خدا اُنکو پسند نہیں کرتا)

غور کرو کہ اگر کوئی شخص ماں باپ۔ بھائی بہن۔ بیٹا بیٹی اور ایسے ہی اور قرابت داروں کو چھوڑکر دور کے رشتہ داروں یا دوستوں یا عام لوگوں سے ہمدردی اور اُنکی حاجتوں میں اُنکی مدد کرے تو نہایت قابلِ ملامت

خیال کیا جائیگا کیونکہ اُسنے فطرت کے ایک مستحکم قاعدے کو توڑا اونکی برخلافی کا مرتکب ہوا۔ لیکن اگر اُنکے علاوہ دور کے رشتہ داروں اور دوستوں اور عام لوگوں سے بھی ہمدردی کا برتاؤ کرے تو نہایت قابل تعریف سمجھا جائیگا۔ اس وجہ سے کہ قدرت کے منشا کو اُسنے بدرجہ اتم اور اکمل اور اُسکی نہایت کامل طور پر تعمیل کی۔ پس نہایت سچی اور قابل توصیف ہمدردی وہی ہے جو ترتیب فطری و نظام طبعی کی کامل رعایت کے ساتھ عمل میں آئے۔ چنانچہ یہی بات قرآن مجید کی اس آیہ کریمہ میں ہمکو بتائی گئی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جسنے انسان میں یہہ اعلیٰ صفت (ہمدردی) پیدا کی ہے اُسی نے یہہ ترتیب بھی بتائی ہے۔ کیونکہ اُسکے فعل اور قول میں تطابق کا ہونا ضروری ہے اور وہ کبھی مختلف نہیں ہو سکتے۔

قرآن مجید کو جب ہم کھولتے ہیں تو شروع ہی میں یہہ آیتیں پاتے ہیں "الٓمٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۭ اُولٰۤئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۤ وَاُولٰۤئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ط یعنی اس کتاب کے کلام خدا ہونے میں شک نہیں ہے۔ سیدھی راہ بتانے والی ہے اُن پرہیزگاروں کو جو ایمان لاتے ہیں آنکھ سے اوجھل (اللہ) پر اور ٹھیک طور سے ادا کرتے ہیں نماز۔ اور جو کچھ مال حلال سے اُنکو دیا ہے اُسمیں سے دیتے ہیں (مستحقوں کو) اور وہ

لوگ جو ایمان لاتے ہیں اُس چیز پر جو تجھپر (اے ہمارے رسول) اُتاری
گئی ہے اور اسپر بھی جو تجھسے پہلے اُتارا گیا ہے (اور نبیوں پر) اور
آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی مہربانی
سے سیدھی راہ پر ہیں اور یہی مراد کو پہنچنے والے ہیں؎ اور اسی مطلب
کو ایک دوسری جگہہ یوں بیان فرمایا " لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ
الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ
فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ " (سورہ بقرہ ربع سیقول) یعنی۔ کچھہ ہی نیکی نہیں ہے
کہ اپنے مونہہ پورب اور پچھم کی طرف پھیرلو لیکن نیکی یہہ ہے جو کوئی ایمان
لاے خدا پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور قرآن پر اور نبیوں پر اور
دیوے مال باوجود اوسکی چاہت کے رشتہ داروں اور یتیم بچوں اور نادار
محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے (یعنی
غلاموں کے آزاد کرنے اور کرانے) میں اور درستی سے پڑھے
نماز اور دیوے زکات اور پورا کرے اپنے اقرار کو جبکہ اقرار کر چکے اور
ثابت قدم رہے سختی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت (جو دشمنانِ
دین کے دفع شر کے لئے ہو) یہی لوگ ہیں جو سچے دل سے ایمان

لئے ہیں اور یہی ہیں صاحب تقویٰ و پرہیزگاری" ماعا یہہ کہ نماز
میں مشرق یا مغرب کی طرف مونہہ کرلینا اور خدا اور قیامت اور فرشتوں
اور قرآن اور نبیوں کو مان لینا اور نماز پڑھنی اور زکات دینی اور عہد کو پورا
اور سختی اور تکلیف کو برداشت کرنا قرآن کریم کی نظر میں ایماندار اور صاحب
تقویٰ ہونیکے لئے کافی نہیں ہے۔ بلکہ مال حلال خصوصاً اُس مال میں
سے جو زیادہ محبوب اور مرغوب ہو بلا قید ملت و مذہب اپنے ہمجنسوں
اور بنی نوع کی رفاہ و فلاح کے لئے خرچ کرنا ضروری ہے کہ اسکے بغیر نہ
انسان پورا ایماندار اور متقی ہی ہو سکتا ہے اور نہ خدا کی مہربانی ہی حاصل کرسکتا
ہے جیسا کہ اُسنے خود فرمایا "لَن تَنَالُوا البِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّون"
(سورۂ آل عمران) یعنی "تم خدا کی مہربانی حاصل نہ کرسکوگے جبتک کہ
اُس مال میں سے خرچ نہ کروگے جس سے محبت رکھتے ہو" چنانچہ
ان مواعظ و احکام کی ایسی تاثیر لوگوں کے دلوں پر ہوئی کہ اکثر صحابۂ کرام باوجود
اُس ایمان و ایقان اور عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ کے جسمیں وہ
اپنی نظیر آپ ہی تھے انفاق فی سبیل اللہ کو سب اعمالِ خیر پر مقدم سمجھتے
اور اپنے محبوب ترین و مرغوب ترین مال کو بڑے شوق و رغبت سے
راہِ خدا میں خرچ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ جناب علی
مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثنا نے جو ایک دفعہ ایک کپڑا خریدا اور وہ آپکو اچھا
معلوم ہوا تو آپ نے فوراً ایک مستحق کو دیدیا۔ اور یہہ آیۂ کریمہ پڑھی۔ اور
ابو طلحہؓ نے جو انصار میں سے ایک صحابی ہیں اپنا ایک باغ جو انکو بہت

عزیز تھا فوراً اپنے قریب رشتہ داروں پر تقسیم کر دیا۔ اور زیدؓ بن حارثہ نے اپنا گھوڑا جو اُنکو بہت پسند تھا ایک شخص کو بخشدیا۔ اور ابوذرؓ نے جو ازہر صحابہ مشہور ہیں کچھ مسافر جو اُن کے ہاں آنکر ٹھہرے اور اُن میں سے ایک شخص اُن کے کہنے کے برخلاف اُن کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ جو عمدہ تھا اُسکو اس خیال سے چھوڑ آیا کہ کسیدن اُن کے کام آئیگا اور اُسکے بدلے ایک پتلی دُبلی اونٹنی ذبح کرنے کو لے آیا تو وہ ناخوش ہوئے اور کہا کہ تو نے مجھسے خیانت کی اور مجھکو اُس اونٹ کی کچھ حاجت نہیں۔ مجھکو تو اُسکی حاجت اُس دن ہوگی جبدن میں قبر میں رکھا جاؤنگا اور کہا کہ کیا تو نہیں جانتا؟ کہ مال میں تین شریک ہیں ایک تقدیر جو تجھسے پوچھنے کی محتاج نہیں۔ دوسرا وارث جو اُسکا منتظر ہے کہ تو مرے اور وہ اُسپر قابض ہو جاوے۔ تیسرا تو خود۔ پس نہیں چاہئے کہ تو تینوں میں کمزور ثابت ہو اور اپنے فائدے کے لئے اُسکو خرچ نہ کرے اور پھر یہی آیہ شریفہ پڑھی اور کہا کہ یہہ اونٹ مجھکو اپنے تمام مال سے پیارا ہے۔ پس میں چاہتا ہوں کہ اِسکو اپنے لئے آگے بھیجوں۔

آیاتِ ذیل کو پڑھو اور دیکھو کہ کسقدر جود و ایثار اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب و تحریص پر مشتمل ہیں۔ اور کس طرح پر بلا لحاظِ خویش و بیگانہ اور ملت و مذہب کے عامہ خلایق سے نیکی اور احسان کرنے کی ہدایت کرتی ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) قُل لِّعِبَادِیَ الَّذِینَ اٰمَنُوا	(۱) یعنی۔ کہدے (اے ہمارے رسول)

يُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝ (سورہ ابراہیم)

میرے اُن بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہ پڑھتے رہیں نماز اور خرچ کرتے رہیں اُس مال حلال میں سے جو ہمنے اُنکو دیا ہے پوشیدہ اور ظاہر قبل اسکے کہ آئے وہ دن کہ جسمیں نہ بیچنا کھو چنا ہے (جو نیک اعمال خریدے جاسکیں) اور نہ دوستی (جو کام آسکے)

(۲) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ط وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (سورہ بقرہ)

(۲) اے لوگو جو ایمان لائے ہو خیرات دیتے رہو اُس مال میں سے جو ہمنے تمکو دیا ہے قبل اسکے کہ آجائے وہ دن جسمیں نہ بیچنا کھو چنا ہے اور نہ دوستی اور نہ سفارش۔ اور جو ناشکرے ہیں وہی بڑا کرنے والے ہیں (اپنے حق میں)

(۳) اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ج وَاَحْسِنُوْا ج اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (ایضاً)

(۳) اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور نہ ڈالو اپنے کو ہلاکت میں اور (اپنے ہمجنسوں سے) نیکی کرو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔

(۴) مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (ایضاً)

(۴) جو کچھ تم خرچ کرتے ہو مال مین سے تو وہ تمہارے ہی لئے ہے اور تم خرچ نہ کروگے مگر خدا کی رضامندی حاصل کرنے کو اور جو تم خرچ کروگے مال میں سے پورا پہنچا دیا جائیگا تمہارے پاس اور تمہارا حق رکھ نہ لیا جائیگا۔

(۵) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا

(۵) اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرتے رہو (راہ خدا میں) اپنی کمائی میں سے اچھی چیزیں اور

لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

(ایضاً)

اُسمیں سے بھی جو ہمنے تمہارے لیے زمین میں سے نکالا ہے۔ اور بری چیز کے (راہ خدا میں) دینے کا قصد نکرو کیونکہ تم بھی تو اُسکو نہیں لیتے بغیر اسکے کہ اُسمیں چشم پوشی کرو۔ اور جان لو کہ بیشک خدا تمہاری خیرات سے اغنی ہے تعریف کیا گیا۔

(٦) مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (ایضاً)

(٦) مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال خدا کی رضامندی حاصل کرنیکو اور اپنے دلوں کی ثابتی کے ساتھ ایک باغ کی سی ہے جو اونچی زمین پر ہو جسپر بڑا ہو زور کا مینہ پھر وہ اپنے دو چند پھل لایا ہو اور اگر زور کا مینہ نہ پڑا ہو تو ہلکا ہی (کافی ہو) اور جو تم عمل کرتے ہو خدا اُنکا دیکھنے والا ہے۔

(٧) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (ایضاً)

(٧) جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال رات دن پوشیدہ اور ظاہر تو اُنکے لیے اُنکا بدلا ہے اُنکے پروردگار کے پاس اور نہ اُنکو کچھ خوف ہی ہے اور نہ وہ غمگین ہی ہونگے۔

(٨) مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ

(٨) مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال خدا کی راہ میں ایک دانہ کی سی ہے جسنے سات بالیں نکالی ہوں جنمیں سے ہر ایک میں سو سو دانے ہوں اور خدا اس سے بھی زیادہ کر دیتا ہے جسکے لیے چاہتا ہے

وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (ایضاً) اور اللہ وسیع قدرت والا ہے۔ جاننے والا (خیرات کرنیوالونکی نیتوں کا)

اور چونکہ کسیکو کچھ دیکر احسان جتانا یا کوئی ایسی بات کہنی جو اُسکے رنج کا باعث ہو حسنِ اخلاق اور اصلی نیکی کے برخلاف ہے اس لئے فرمایا۔

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ۝"

(سورہ بقرہ) یعنی۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ نہ ملیا میٹ کرو اپنی خیراتوں کو احسان جتانے اور دل دکھانے سے اُس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کو اور (اُس شخص کی مانند جو) ایمان نہیں رکھتا خدا اور آخیر دن پر۔ کیونکہ اسکی (یعنی اسطرح پر خیرات کرنیکی) مثال تو ایک صاف چٹان کی سی ہے جسپر کچھ مٹی ہو پھر پڑا ہو اُسپر زور کا مینہ اور چھوڑ گیا ہو اُسکو صفاچٹ جو کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے اپنی کمائی سے اور اللہ ہدایت نہیں کرتا کفرانِ نعمت کرنے والوں کو۔ یعنی جو مال و دولت پاکر اوا سے شکر کے لئے خالصاً للہ اُسمیں سے کچھ خرچ نہیں کرتے وہ ایسے ہیں کہ گویا اُنکو خدا نے خیر و احسان کرنے کی ہدایت ہی نہیں کی۔ اور ایک اور جگہہ فرمایا "اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ

يُحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝ (سورہ بقرہ) یعنی جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال راہ خدا میں۔ پھر اُسکے پیچھے احسان نہیں جتاتے اور نہ دل دکھاتے ہیں اُنکے لیئے اُنکا بدلا ہے اُنکے پروردگار کے پاس اور نہ اُنکو کچھ ڈر ہے۔ اور نہ وہ غمگین ہی ہونگے بات اچھی کہنی اور (سایل کے کہے سنے کو) معاف کرنا ایسی خیرات سے بہتر ہے جسکے پیچھے دل دکھانا ہو اور اللہ غنی ہے برداشت والا۔ اور چونکہ خدا جواد و فیاض مطلق ہے اور تب ہی خوش ہو سکتا ہے کہ جب انسان حتی المقدور اوسکی اس صفت میں حصہ لیوے یعنی جس طرح وہ محض اپنی فیاضی سے ہوا میں اُڑنے والے پرندوں اور پانی میں رہنے والے جانوروں اور زمین پر چلنے والے حیوانوں اور انسانوں بیانتک کہ اپنے منکروں اور مشرکوں کو بھی بلا دریغ اور بلا امتیاز روزی دیتا ہے یہہ بھی بلا قید ملت و مذہب اور دشمنی و دوستی کے اپنے ہمجنسوں کے ساتھ نیکی اور احسان سے پیش آئے اور بخل نکرے کہ جس سے تمدن کو سخت ضرر پہنچتا ہے اسلیئے بخل کی بتاکید ممانعت فرمائی اور اُسکے نتیجہ کو نہایت عمدہ اور دل پر اثر کرنیوالی تمثیل میں یوں بیان فرمایا ”اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ“ یعنی کیا تم میں سے کوئی یہہ چاہیگا؟ کہ اُسکا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں

کا باغ جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں جسمیں اُسکے لئے سب طرح کے میوے
ہوں اور اُسپر بڑھاپا آگیا ہو اور اُسکے بچے ابھی کمزور ہوں پھر اس حالت
میں ایک آگ سے بھرا ہوا بگولا آنکر وہ باغ جلگیا ہو۔ اسی طرح بیان کرتا ہے
خدا تمہارے لئے دلیلیں کہ شاید تم غور کرو" اور اس سے بھی زیادہ ترموثر
تمثیل میں فرمایا "وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ
فَتُکْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ
فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ" (سورہ توبہ) یعنی جو لوگ جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں
سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اُسکو خدا کی راہ میں۔ پس خوشخبری دے
اُنکو (اے ہمارے رسول) دُکھ دینے والے عذاب کی جس دن کہ تپایا
جائیگا اُس مال کو دوزخ کی آگ میں پھر داغے جاوینگے اُسکے ساتھ اُنکے ماتھے
اور پہلو اور پیٹھیں (اور کہا جائیگا) کہ یہہ وہی تو ہے جسکو تمنے اپنے لئے
اکھٹا کیا تھا۔ پس جو تمنے جمع کیا تھا اُسکا مزہ چکھو" اور چونکہ اپنے
ہمجنسوں سے ہمدردی اور اُنکی حاجتوں میں اُنکی مدد کرنی آپ اپنی مدد کرنی
ہے کیونکہ وہ بواسطہ یا بلاواسطہ یا واسطہ در واسطہ ہمارے آرام و آسائش
کے وسیلے ہیں اور اُسکا نہ کرنا خود اپنے آرام و آسایش کے وسیلوں کو نقصان
پہنچانا ہے مگر ہر شخص اس بات کو نہیں سمجھ سکتا اسلئے قرآن کریم نے یہہ
باریک و دقیق مسئلہ یہہ کہکر ہمکو سمجھایا کہ "اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ
وَاِنْ اَسَأْتُمْ فَلَهَا" یعنی تمہارا اپنے ہمجنسوں سے نیکی اور احسان سے پیش آنا

خود اپنے ساتھ نیکی اور احسان کرنا ہے اور انکا برا کرنا اپنا آپ برا کرنا ہے۔

اور اسوجہ سے کہ انسان کے وجود اور اوسکی پرورش کا سبب اور ذریعہ خدا کے بعد ماں باپ ہیں خدا کی شکر گزاری کے ساتھ انکی شکر گزاری اور اُنسے نکوئی اور ادب سے پیش آنے کی ہدایت فرمائی چنانچہ فرمایا "وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝" (سورہ بنی اسرائیل) یعنی لازم اور واجب کر چکا ہے (یعنی انسان کی فطرت کا یہ مقتضا قرار دیچکا ہے) تیرا پروردگار کہ نہ پوجو بجز اُسی کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی سے پیش آنے کو خواہ تیرے سامنے اُن میں سے ایک بڑھاپے کو پہنچ جاے یا دونوں ہی سو اُنکو اُف تک نہ کہہ اور نہ اُنکو جھڑک اور اُن سے عزت اور ادب کے ساتھ بول اور جھک جا اُن کے آگے فروتنی کے ساتھ نہایت مہربانی سے اور دعا کر کہ اے پروردگار نہایت مہربانی کر اُنپر جس طرح کہ اُنھوں نے مجکو چھٹپن میں پالا" اور فرمایا "وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ" یعنی ہم وصیت کر چکے ہیں انسان کو ماں باپ کے حق میں بھلائی کرنے کی جسکو اُسکی ماں نے تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا" اور فرمایا "وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ

عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ" (سورۂ لقمان) یعنی
وصیت کر چکے ہیں ہم انسان کو اُسکے ماں باپ کے حق میں جس کو اوسکی
ماں اُٹھائے رہی تکلیف پر تکلیف میں اور اوسکا دودھ چھٹتا ہے دو برس
میں۔ اِس امر کی کہ شکر بجا لا میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر میرے ہی پاس
آنا ہے" اور چونکہ غلام اور یتیم اور نادار محتاج اپنی کفالت آپ نہیں
کر سکتے اسلیے اُن کے ساتھ رعایت اور احسان کی ہدایت ایسے بلیغ
اور موثر الفاظ میں فرمائی جس سے زیادہ ناممکن ہے۔ چنانچہ فرمایا "لَقَدْ
خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ط اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ط
یَقُوْلُ اَهْلَکْتُ مَالًا لُّبَدًا ط اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ط اَلَمْ نَجْعَلْ
لَّهٗ عَیْنَیْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ط فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ
وَمَاۤ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ ط فَکُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ
یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ط (سورہ بلد) یعنی تحقیق پیدا کیا ہم
نے آدمی کو محنت اور مشقت میں۔ کیا اُسکو یہہ گمان ہے کہ اُسپر کسی کا بس
نہیں چلنے کا؟ جو یہہ کہتا ہے کہ مینے ڈھیروں مال برباد کر ڈالا۔ کیا اُسکو
یہہ گمان ہے کہ کسی نے اُسکو دیکھا نہیں (بیجا خرچ کرتے)؟
اور کیا ہم نے نہیں دی اُسکو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹھ؟
اور دکھا دیئے ہمنے اُسکو (خیر و شر کے) دونوں نمایاں رستے۔ پھر بھی
طے نہ کیا اُسنے گھاٹی کو اور تو کیا سمجھا اسے ہمارے رسول (کہ کیا ہے
طے کرنا گھاٹی کا۔ وہ گردن چھڑانا (یعنی غلام آزاد کرنا) ہے یا قرابت دار

یتیم یا خاکسار رشتے محتاج کو بھوک کے دن میں کھانا کھلانا" اور خیرات کرنے کو خواہ وہ کسی طور پر ہو اگرچہ اچھا کہا مگر پوشیدہ طور پر دینے کو بہتر اور گناہوں کا کفارہ بتایا چنانچہ فرمایا "اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ یعنی اگر تم علانیہ خیرات کرو تو یہ بھی اچھا ہے اور اگر اسکو چھپا کر محتاجوں کو دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ اچھا ہے اور کفارہ ہوگا تمہارے گناہوں کا اور اللہ تمہارے عملوں کا جاننے والا ہے"

الحاصل قرآن کریم نے نیکی و احسان اور خیرات و مبرات کے باب میں جو احکام فرمائے ہیں ایسے کامل و اکمل اور عام و تام ہیں کہ طبقات انسانی میں سے کوئی ایک طبقہ بھی مستثنیٰ اور محروم نہیں رکھا گیا اور دنیا کے مذاہب میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے کہ جسمیں ایسے جامع اور تمام اصناف بنی آدم کو شامل۔ اور قانون قدرت اور مقتضائے فطرت کے موافق خیرات کرنے کے احکام موجود ہوں۔ چنانچہ مسٹر اڈورڈ گبن اپنی مشہور تاریخ کی چھٹی جلد کے بچاسویں باب میں لکھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی خیرات جانوروں تک کے حق میں ہوتی ہے* اور قرآن میں محتاج اور مسکین

* بخاری اور مسلم نے بالاتفاق روایت کی ہے کہ وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "غُفِرَ لِامْرَاءَةٍ مُومِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلَى رَاسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذَالِكَ۔ قِيْلَ اِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ اَجْرًا؟ قَالَ فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ" یعنی فرمایا رسول خدا

کی اعانت کرنے کی مکرر تاکید ہوئی ہے اور حکم نا گزیر کے طور پر واجب
قرار دیگئی ہے۔ شاید محمد ہی ایسے صاحبِ شریعت ہیں جنھوں نے
خیرات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا ہو۔ اسکی مقدار معین۔ مال کی نوعیت
اور مقدار پر مبنی ہے۔ مثلاً زرِ نقد۔ غلہ۔ مویشی۔ پھل اور اسبابِ تجارت
مگر جب تک کہ مسلمان اپنے مال کا دسواں حصہ دیتے اُسنے شریعت
کی تکمیل نہیں کی۔ درحقیقت فیاضی بنیاد ہے عدالت کی۔ اور جن لوگوں
اعانت کا لازم ہے اُنکو حصہ پہنچانا ممنوع ہے۔ کوئی نبی عالمِ لاہوت
اور برزخ کی پوشیدہ باتیں اور بھید بیان کیا کرے مگر احسانیات کے
احکام میں اُنکو ہمارے ہی دل سے احکام بیان کرنے ہونگے" اور اس
مضمون کے حاشیہ میں تحریر کیا ہے کہ دوسرا نکتہ سے نوٹ کے بارے
[illegible] اکون کی زیادہ خیرات وصدقات کا شمار کیا ہے کہ دو [illegible]
ہزار شفاخانے ہزاروں بیماروں اور زیارت کے لئے آنے والوں کی
خاطر بنے ہوئے ہیں اور پندرہ سو عورتوں کو ہر سال جہیز ملتا ہے اور
چھپن[۵۶] خیراتی مدرسے قائم ہیں اور ایکسو بیس[۱۲۰] انجمنیں برادرانِ ایمانی کی اپنے
بھائیوں کی اعانت کرتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور لندن کی فیاضی تو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۸

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ بخشی گئی ایک عورت جو فاجرہ تھی جسنے ایک کتے کو کوئیں کے کنارے
پر زبان نکالے پڑا دیکھا جو قریب تھا کہ پیاس کی شدت اُسکو مار ڈالے۔ پس اُسنے اپنے موزے کو
اوڑھنی سے باندھکر اُسکے لئے پانی نکالا۔ بس اسی پر وہ بخشی گئی" لوگوں نے جو عرض کیا کہ کیا ہمارے
لئے چوپایوں میں بھی کچھ ثواب ہے؟ فرمایا آنحضرت نے کہ ہاں ہر ایک جو جگر تر رکھتا ہو ثواب ہے

اِس سے بھی بڑھکر ہے"، مگر مجھے اندیشہ ہے کہ بہت کچھ اسمیں سے لوگون کی انسانیت کی طرف منسوب ہو سکتا ہے نہ یہ کہ مذہب کی حیثیت سے ہو" انتہی قولہ

اور مسٹر ابراہام ریس نے اپنے انسائیکلوپیڈیا میں تحت لفظ (آمز) لکھا ہے کہ وہ خیرات دینے میں اکثار اور اوسکی رغبت دلانے میں مسلمانوں کے مذہب سے زیادہ سرگرم کوئی مذہب نہیں ہے۔ قرآن نے قبول دعا کے لیے خیرات کرنے کو واجب قرار دیا ہے۔ اور خلیفہ عمر بن عبد العزیز کا قول تھا کہ "نماز ہمکو آدھے رستہ تک پہنچاتی ہے اور روزے ہمکو عرش الٰہی کے دروازے تک لیجاتے ہیں اور خیرات (زکواۃ) سے ہمکو خدا کے گھر تک دخل ملتا ہے"

خیرات کو اہل اسلام بہت ہی ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور بہت سے مسلمان خیرات دینے کی شہرت میں ضرب المثل ہیں بالتخصیص حسنؑ بن علیؑ جو محمدؐ کے نواسے تھے۔ روایت ہے کہ اُنہوں نے اپنی حیات میں تین مرتبہ اپنا مال محتاجوں کو نصف نصف[۵۱] بانٹ دیا۔ اور دو مرتبہ تو جو کچھ تھا سب[۵۲] دیدیا۔ اور عوام مسلمین نیکیاں کرنیکے ایسے عادی ہو رہے ہیں

۵۰ فی کل کبدٍ رطبۃٍ اجرٌ — یعنی ہر ایک جاندار کو کھلانا پلانا ثواب ہے بشرطیکہ موذی اور واجب القتل نہو مثل سانپ وغیرہ کے (دیکھو کتاب مشکوٰۃ۔ باب فضل الصدقہ)

۵۱ یہانتک کہ ایک پاؤں کی جوتی بھی دیدی ۱۲ مؤلف عفی عنہ،

۵۲ منقول ہے کہ آپکی کثرت جود و ایثار کو دیکھکر معاویہ بن ابو سفیان نے جو ایکدفعہ اعتراضاً آپکو یہ لکھ بھیجا کہ "لاخیر فی الاسراف" یعنی فضول خرچی میں بھلائی نہیں ہے۔ تو آپ نے اُسی کے الفاظ کو پلٹ کر یہ لکھدیا کہ "لا اسراف فی الخیر" یعنی نیک کاموں میں خرچ کرنا اسراف نہیں ۱۲ مؤلف

کہ حیوانات تک سے وہ نیکی کرتے ہیں"

اس موقع پر ہم حضرت علی مرتضیٰ اور آپ کے اہلبیت علیہم السلام کے
اُس حیرت انگیز طریقہ خیرات و مبرات کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے جس کا بیان
سورہ دھر کی شروع کی آیتوں میں ہے اور جو اسلام کی اعلیٰ و افضل تعلیمات
کا ایک کامل و اکمل نمونہ ہے۔ اور وہ آیتیں یہہ ہیں۔ "یُوفُونَ بِالنَّذْرِ
وَیَخَافُونَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا ؁ وَیُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا
وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ؁ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا ؁
اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا ؁ یعنی پورا کرتے ہیں منت کو
اور خوف کرتے ہیں اُس دن کا جسکی مصیبت اور تکلیف پھیل جانے والی
(یعنی روز قیامت کا) اور کھلاتے ہیں کھانا باوجود اُسکی خواہش اور احتیاج
کے نادار محتاج اور یتیم اور قیدی کو (زبانِ حال سے یہہ کہتے ہوے کہ) ہم
کھانا کھلاتے ہیں تمکو صرف خدا کی رضامندی کے لیے اور تمسے کسی عوض
یا شکرانہ کے خواہشمند نہیں ہیں۔ تحقیق ہمکو ڈر ہے اپنے پروردگار سے
اُس دن کا جو اُداس اور نہایت سخت ہے" اور وہ واقعہ یہہ ہے کہ
ایکدفعہ حسنین علیہما السلام بیمار ہو گئے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم جو عیادت کو تشریف لے گئے تو حصول صحت کے لئے کچھ خدا کی نذر
ماننے کو فرمایا۔ پس حضرت علیؑ مرتضیٰ اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا
اور انکی لونڈی فضہ نے تین تین روزے مانے۔ اور صاحبزادوں کو
خدا نے صحت بخشی تو پانچوں حضرات نے روزہ رکھا اور چونکہ کثرت جود و ایثار

کی وجہ سے افطار کے بعد کھانے کے لئے گھر میں کچھ موجود نہ تھا اسلئے جناب ابو الحسنین علیہ السلام روزہ کے دن سے پہلے تمام شب ایک شخص کے باغچہ میں کنوے سے پانی دینے کا کام کرتے رہے اور صبح کو اجرت میں اُس سے کچھ جو لاے جن میں سے ایک ثلث کو جناب سیدہ نے پیسکر پانچ روٹیاں پکائیں اور جب افطار کرنے اور تناول فرمانے کو بیٹھے تو یکایک ایک محتاج ڈیوڑھی پر آکر پکارا جسکو جناب علی مرتضیٰ نے اپنے حصہ کی روٹی دیدی اور آپ کی تقلید سے باقی حضرات نے بھی دیدیں اور صرف پانی سے روزہ افطار کرلیا۔ اسی طرح اگلے روز روزہ رکھا گیا اور جو پیسے اور پکاے گئے اور افطار کے وقت جو ایک یتیم نے آکر سوال کیا تو سب روٹیاں اُسی طرح دیدی گئیں اور اُس روز بھی پانی ہی پر قناعت کی ایسا ہی اتفاق تیسرے روزہ کے دن ہوا کہ افطار کے وقت ایک قیدی (جو حربی کافر تھا) آگیا۔ اُسکو بھی سب روٹیاں دیدی گئیں اور خود پانی پیکر شکر خدا کیا گیا۔

اہلبیت علیہم السلام کے اس رحیمانہ و فیاضانہ برتاؤ سے چند ایسی نتیجیں حاصل ہوتی ہیں جو اسلام کی اعلیٰ تعلیمات کے ثابت کرنے کو ہر ایک بجا خود ایک واضح دلیل ہے۔

اول یہ کہ ہر ایک مصیبت و تکلیف میں صرف خدا کی ذات مقدس پر بھروسہ کرنا اور اُسکے وظیفہ کے لئے صرف اُسی سے ملتجی ہونا۔

دو دیگر رزق حلال کے حصول کے لئے کسی محنت اور مزدوری

سے کہ اپنے کو معیوب نہ جاننا - اور اپنی مدد آپ کرنے اِسلف ہیلپ
کے مسئلہ پر عمل کرنا جو تمام برکتوں کی جڑ اور ترقی تہذیب کی اصل بنیاد ہے
سوم - غیر کی حاجت کو خواہ وہ کوئی کیوں نہو اور کچھ ہی مذہب و ملت
کیوں نہ رکھتا ہو اپنی حاجت پر مقدم رکھنا -

چہارم - نہایت درجہ کی تکلیف پر بھی صبر کرنا اور اپنے فرض کو نہایت
استقلال اور رضامندی خاطر سے بجالانا -

پنجم - احسان کرکے اُسکے عوض کا طالب نہونا اور نہ احسان کی نیت
سے احسان کرنا بلکہ جو کچھ کرنا محض لوجہ اللہ کرنا -

مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب اپنی کتاب (محمد اینڈ محمڈن ازم)
میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "ڈین سٹینلی کسیقدر فخر کے ساتھ مگر عام طور
پر سچائی کے ساتھ یہہ سوال کرتا ہے کہ "آیا قرآن میں کوئی ایک بھی سورہ
ایسا ہے؟ جو سینٹ پال کے بیان خیرات کے مقابلہ میں نبوت الہام
کہا جا سکے" مگر یہہ کہنا ضرور ہے کہ محمد کے اپنے اقوال حفاظت کے
ساتھ قائم رکھے گئے ہیں جو اگرچہ اُس بیان کے تو کسیقدر برابر نہیں ہیں
جو سب سے بڑے حواری کا نہایت اعلیٰ درجہ کا بیان ہے - مگر تاہم وہ
اس عیسوی صفت یعنی خیرات کے نیچر اور اُسکی جامعیت پر ایک حقیقی
اور عمیق نظر ظاہر کرتے ہیں اور بہر حال ایسے ہیں کہ کارنتھیوں کے نام کے
پہلے خط کے تیرہویں باب کی تشریح کے طور پر کام میں آسکتے ہیں اور وہ
سوال وجواب کے طور پر یہ ہیں"

اور اِسکے بعد اُنہوں نے ایک حدیث† کا ترجمہ لکھا ہے جس کا ترجمہ یہہ ہے "جب خدا نے زمین بنائی تو یہہ برابر ہلے جاتی تھی تا وقتیکہ خدا نے پہاڑ بنائے تاکہ اسے قایم کردے ۔ اُسوقت فرشتوں نے پوچھا کہ اے خدا تیری مخلوقات میں کوئی شے پہاڑوں سے بھی زیادہ قوی ہے؟ خدا نے فرمایا کہ ہاں لوہا پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہے کیونکہ وہ اُنکو توڑ دیتا ہے ۔ پھر فرشتوں نے کہا کہ لوہے سے کوئی شے تیری مخلوقات میں قوی ہے؟ خدا نے کہا ہاں آگ لوہے سے قوی ہے کیونکہ وہ اُسے پگھلا دیتی ہے پھر اُنہوں نے کہا کہ کیا کوئی شے آگ سے بھی قوی ہے؟ خدا نے کہا ہاں پانی آگ سے بھی قوی ہے کیونکہ وہ اُسے بجھا دیتا ہے ۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ کیا کوئی شے پانی سے بھی قوی ہے ۔ کہا ہاں ہوا پانی سے بھی زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ اُسمیں حرکت پیدا کردیتی ہے ۔ پھر فرشتوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار کیا کوئی شے تیری مخلوقات میں ہوا سے بھی قوی ہے؟ کہا ہاں وہ نیک بندہ جو داہنے ہاتھ سے اِس طرح خیرات دیتا ہے کہ بائیں کو خبر نہیں ہوتی وہ سب چیزوں پر غالب ہے" انتہی قولہ

مگر ہم کہتے ہیں کہ جس جامعیت اور عمدگی اور نظام فطری کی رعایت سے قرآن مجید نے خیرات کے احکام کو بیان فرمایا ہے اور جن میں سے

† معلوم نہیں کہ مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب نے یہہ حدیث کس کتاب سے نقل کی ہے پس ہم نہیں کہہ سکتے کہ اسکے اسناد معتبر اور صحیح ہیں یا نہیں ۔ مولف عفی عنہ

چند ہمنے اوپر نقل کئے ہیں اگر مسٹر سٹیڈلی اُنپر غور کرتے تو ہمکو یقین ہے کہ ہرگز ہرگز انکو اس سوال کرنے اور سینٹ پال کے خط کا حوالہ دینے کی جرأت نہوتی اور خدا توفیق دیتا تو وہ ضرور قرآن مجید کے الہامی اور ربّانی الاصل ہونے کو تسلیم کر لیتے۔

آیات مندرجہ ذیل کو پڑھو اور دیکھو کہ کن اوصاف کے لوگوں کو قرآن مجید خدا کی بخشش اور رحمت کا مستحق قرار دیتا ہے اور برائیوں کے چھوڑنے اور نیکیوں کے اختیار کرنے کی کس طور پر ہدایت فرماتا ہے

(۱) اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ۔ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ

(۱) وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں (اپنا مال) فراخی و تنگی میں اور پی جاتے ہیں غصہ کو باوجود انتقام کی قدرت کے اور معاف کر دیتے ہیں لوگوں کو اُنکے گناہ اور خدا دوست رکھتا ہے بُرائی کے بدلے بھلائی کرنے والوں کو* اور وہ کہ جب کوئی بُرا گناہ یا اپنے حق میں بُرائی کر بیٹھتے ہیں تو فوراً خدا یاد آجاتا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور کون بخش سکتا ہے گناہوں کو سوا خدا

* منقول ہے کہ ایک روز جناب امام ہمام سید الساجدین زین العابدین بن علی بن حسین بن علی علیہم السلام وضو کرتے تھے۔ لونڈی جو پانی دے رہی تھی اُسکے ہاتھ سے پانی کا لوٹا گر گیا اور آپکا ہاتھ زخمی ہوگیا۔ پس آپ نے جو اُسکی طرف دیکھا تو اُسنے فوراً کہا "والکاظمین الغیظ" آپنے فرمایا کہ میں خفا نہیں۔ اُسنے پھر کہا "والعافین عن الناس" آپ نے کہا خدا تجکو معاف کرے۔ اُسنے پھر کہا "واللہ یحب المحسنین" آپنے فرمایا جا میں نے تجکو خدا کیلئے آزاد کیا

يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ
مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ
جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ
اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ (آل عمران)
(۲) اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ
الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ
السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ
لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ (سورہ توبہ)
(۳) اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ
لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۙ وَالَّذِيْنَ
يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ
وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ
سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا
ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا

اور جو اپنے کیے پر ہٹ نہین کرتے اور وہ جانتے
بھی ہیں (کہ وہ گناہ ہے) یہی لوگ ہین جنکا بدلہ
بخشش ہے اُنکے پروردگار کی طرف سے اور باغ
جنکے نیچے نہرین بہتی ہین ہمیشہ رہینگے جنمین اور
(یہہ) بہترین بدلا ہے (نیک) عمل کرنیوالونکا
(۲) (جنت اُنکے لئے ہے) جو توبہ کرتے ہین
عبادت کرتے ہین۔ شکر بجالاتے ہین سفر کرتے
ہین (راہ خدا مین) رکوع کرتے ہین۔ سجدہ کرتے ہین
نیک کاموں کے کرنے کی ہدایت کرتے ہین اور برے
کاموں سے روکتے ہین۔ اور خدا کی حدوں کی حفاظت
کرتے ہین (یعنی اوسکے اوامر ونواہی کی پابندی کرتے ہین)
(۳) وہ لوگ جو پورا کرتے ہین خدا کے عہد کو (یعنی
جو خدا نے عقلاً اور سمعاً اُنپر واجب کردیا ہے اُسکو بجالاتے
ہین) اور نہین توڑتے عہد کو (جو آپس مین کرتے ہین
اور وہ لوگ جو ملائے رہتے ہین اُس چیز کو جسکے ملائے
رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے (یعنی قرابت دارون سے
قطع تعلق نہین کرتے)+ اور خوف کرتے ہین اپنے

+ منقول ہے کہ جناب امام بحق ناطق جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام کی وفات کا وقت جب
قریب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ حسن بن حسین بن علی کو (جسکو افطس بھی کہتے تھے اور جو آپ کا
چچازاد بھائی تھا) ستر اشرفیان دیدو۔ اسپر آپکے اہلبیت مین سے ایک بی بی نے

+

الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ (سورۂ رعد)

پروردگار کا اور ڈرتے ہین حساب کی سختی سے اور وہ لوگ جو صبر کرتے ہین اپنے پروردگار کی رضامندی کیلئے اور ٹھیک طور پر پڑھتے رہتے ہین نماز۔ اور خرچ کرتے رہتے ہین اُسمین سے جو ہمنے اُنکو دیا ہے پوشیدہ اور ظاہر اور دور کرتے ہین بھلائی کیساتھ بُرائی کو (یعنی بُرائی کے بدلے بھلائی کرتے ہین) یہی لوگ ہین جنکے لئے ہے دار آخرت۔

(۴) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝ ایضاً

(۴) وہ لوگ جو ایمان لائے ہین اور جنکے دل خدا کی یاد سے تسلی پاتے ہین۔ سنو! خدا ہی کی یاد سے دل تسلی پاتے ہین۔ وہ لوگ جو ایمان لائے ہین اور جنہون نے نیک کام کئے ہین اُنہین کے لئے ہے خوشحالی اور عمدہ مقام بازگشت۔

(۵) وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (سورہ حج)

(۵) اور خوشخبری دے (اے ہمارے پیغمبر!) اُن عاجزی کرنے والون کو کہ جب خدا یاد دلایا جاتا ہے تو ڈر جاتے ہین اُنکے دل اور صبر کرنے والونکو بلاؤن اور مصیبتون پر (طاعت خدا مین) اور درستی سے نماز پڑھنے والون اور اُسمین سے جو ہمنے اُنکو دیا ہے

عرض کیا کہ کیا آپ ایسے شخص کو دیدیتے ہین جسنے آپ پر چھری کے ساتھ حملہ کیا تھا؟ آپ نے فرمایا افسوس ہے تجھپر کیا تو نے نہین پڑھا جو خدا نے فرمایا ہے؟ اور پھر یہی آیہ شریفہ پڑھی (دیکھو تفسیر مجمع البیان)

خیرات کرنے والون کو۔

(۶) قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ
هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ
وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ
مُعْرِضُونَ وَالَّذِينَ هُمْ
لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُونَ وَالَّذِينَ
هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُونَ
إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ
أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاءَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ
هُمُ الْعٰدُونَ وَالَّذِينَ هُمْ
لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُونَ
وَالَّذِينَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ
يُحَافِظُونَ أُولٰئِكَ هُمُ
الْوٰرِثُونَ الَّذِينَ يَرِثُونَ
الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ

(۶) بیشک مراد کو پہنچگئے وہ ایمان والے جو اپنی
نماز عجز و نیاز کے ساتھ ادا کرتے ہین۔ اور جو گناہ
کی باتون سے بچتے ہین اور وہ جو زکات دیتے ہو
ہین۔ اور وہ جو اپنے اعضاے شہوت کو روکے
رہتے ہین۔ بجز اپنی بیویون کے یا اونکے جو اونکے قبضہ
مین آچکی ہین۔ سو وہ لوگ ملامت کے لایق نہین
اور جو اسکے سوا خواہش کرتے ہین وہ حد سے بڑھجانے
والے ہین۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتون کی اور
اپنے عہد و پیمان کی حفاظت کرتے ہین۔ اور وہ
لوگ جو اپنی نمازون کو وقت پر ادا کرتے ہین۔
یہی لوگ ہین میراث پانے والے جو فردوس کو
ورثہ مین پاینگے جس مین ہمیشہ رہینگے۔

(۷) إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ
خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ
وَالَّذِينَ هُمْ بِآيٰتِ

(۷) بیشک وہ لوگ جو اپنے مالک کے
خوف سے ڈرتے ہین۔ اور جو اپنے پروردگار
کے احکام پر یقین رکھتے ہین۔ اور وہ جو

بِرَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ وَالَّذِينَ
هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۝
وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَّ
قُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ
إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝
أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي
الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝
(سورہ مومنون)
وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ
يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا
وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ
قَالُوا سَلَامًا ۝ وَالَّذِينَ
يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ
قِيَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا
اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ
إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝
إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ
مُقَامًا ۝ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا
لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَ
كَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ۝

اپنے مالک کا کسیکو شریک نہین بناتے۔
اور وہ لوگ جو دیتے ہین جو کچھہ کہ دیتے
ہین دلون مین اندیشہ کرتے ہوئے (کہ
قبول ہوا یا نہو) کیونکہ انکو یقین ہے کہ آخرکار
وہ اپنے مالک کی طرف لوٹنے والے ہین
یہی لوگ ہین جو ایکدوسرے سے بڑہنا چاہتے
ہین نیک کامون مین اور انکو بڑہ بڑہ کر بجالاتے ہین
(۸) بندے رحمان کے تو وہ ہین جو چلتے
ہین زمین پر غریبی کے ساتھہ - اور جب بے سمجھہ
لوگ اُن سے جہالت کی گفتگو کرتے ہین تو
معقولیت سے جواب دیتے ہین - اور وہ
لوگ جو رات گزارتے ہین اپنے پروردگار کے
آگے سجود اور قیام مین - اور وہ لوگ جو یہہ دعا
کرتے ہین کہ اے ہمارے پروردگار دور رکھ
ہمسے عذاب دوزخ کو - بیشک اُسکا عذاب
ایسا ہے کہ جس سے پیچھا نہین چھوٹ سکتا - بیشک
وہ بہت ہی بری جگہہ ٹھیرنے اور رہنے کی ہے
اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگتے ہین تو نہ فضول
ہی کرتے ہین اور نہ بخیلی ہی - اور اسکے بین بین

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۝ (سورہ فرقان)

گزران کرتے ہین - اور جو کہ خدا کے ساتھہ کسی اور کو شریک نہین کرتے اور نہ خون ناحق کرتے ہین جسکو خدا نے حرام کر دیا ہے - اور نہ زنا کرتے ہین

(٩) وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ (ایضًا)

(٩)

اور وہ جو گناہ کی باتون مین شریک نہین ہوتے یا جھوٹی گواہی نہین دیتے - اور جب کبھی اہل معصیت کے پاس سے گزرتے ہین تو اپنے کو بچائے ہوئے نکل جاتے ہین - اور وہ لوگ کہ جب اُنکو نصیحت کیجاتی ہے اُنکے پروردگار کی بتائی ہوئی دلیلون کے ساتھہ تو نہین گر پڑتے اُنپر بہرے اور اندھے ہو کر (یعنی اُنکو اَن سُنا اور اَن دیکھا نہین کر دیتے) اور وہ جو دُعا کرتے ہین کہ اے ہمارے پروردگار عطا کر ہمکو ایسی بیویان اور بچے جو آنکھون کی ٹھنڈک ہون اور بنا دے ہمکو پرہیزگارون کا پیشوا یہی لوگ ہین کہ جنکو انعام مین مقام بلند دیا جائیگا (جنت مین) بسبب اُنکے صبر کے (طاعت الٰہی مین) اور اُنکی وہان تعظیم و تکریم کی جائیگی -

(١٠) الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

(١٠) وہ لوگ جو درستی سے ادا کرتے ہین نماز اور دیتے ہین زکات اور آخرت پر بھی اُن کو

هُمْ يُوقِنُوْنَ ط اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ط (سورہ لقمان)

یقین ہے - وہی ہین اپنے پروردگار کی مہربانی سے سیدھی راہ پر - اور وہی ہین مُراد کو پہنچنے والے -

(۱۱) اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ٥ (سورہ احزاب)

(۱۱) بیشک مُسلمان مرد اور مسلمان عورتین اور ایمان والے اور ایمان والیاں اور بندگی کرنے والے اور بندگی کرنے والیاں اور سچ بولنے والے اور سچ بولنے والیاں اور صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیان اور خیرات دینے والے اور خیرات دینے والیان اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیان اور اپنی شرمگاہون کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں - مہیّا کر چھوڑی ہے خدا نے اُنکے لئے آمرزش اور بہت بڑا ثواب -

(۱۲) اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ج

(۱۲) وہ لوگ جو بچتے ہین بڑے اور کھُلم کھُلا گناہون سے اور جب طیش مین آتے ہین تو معاف کر دیتے ہین -

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى
بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ج
وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ
هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ
سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ج فَمَنْ عَفَا وَ
اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ
لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ
انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ط اِنَّمَا السَّبِيْلُ
عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ
يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝
وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ
لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (شوریٰ)

اور وہ لوگ جو قبول کرتے ہین فرمان اپنے
پروردگار کے اور پڑھتے رہتے ہین نماز اور
جو کام کرتے ہین مشورت سے کرتے ہین اور
اُسمین سے جو ہمنے اُنکو دیا ہے [illegible] دیتے ہین
اور وہ لوگ کہ جب اُنپر ظلم و زیادتی ہوتی ہے تو
ایک دوسرے کی مدد کرتے ہین - اور بدلا بُرائی کا
بُرائی ہے (مگر) اُسیقدر - پھر جس شخص نے معاف
کردیا اور جھگڑا چکا دیا تو اُسکا اجر خدا کے ذمہ ہے
بیشبہ خدا ظالموں کو دوست نہیں رکھتا - اور جو
لوگ بدلا لیتے ہین اپنے پر ظلم کا تو اُنپر کچھہ الزام نہیں ہے
الزام تو اُنہیں پر ہے جو لوگوں پر تعدی کرتے
اور مُلک مین ناحق ظلم و زیادتی کے مرتکب ہوتے ہین
یہی لوگ ہیں جو سخت عذاب کے مستحق ہیں اور
وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور معاف کردیتے
ہیں تو یہہ تو بیشک بڑی ہمّت کا کام ہے -

بیان بالا سے ثابت ہے کہ قرآن مجید نے جس طرح انسان
کی باطنی یعنی روحانی اور اخلاقی حالت کی اصلاح اور اُسکے ترقی دینے میں
کوشش کی ہے اُسی طرح اسکی ظاہری اور سوشل حالت کی ترقی اور
اصلاح مین بھی کوتاہی نہین کی - اور اوسکے مواعظ و احکام سے بہ جیسے کہ

فرداً فرداً لوگون کی باطنی اور ظاہری حالت کی اصلاح اور ترقی ہوئی
ویسے ہی اُنکی مجموعی اور تمدنی حالت کو عظمت و شوکت اور عزت اور عروج
حاصل ہوا۔ اور اگرچہ اُسکا اصلی اور مقصود بالذات کام انسان کی روحانی اور
اخلاقی حالت کی اصلاح کرنا اور اُسکو ترقی دیکر اُس اعلیٰ درجہ کو پہنچا دینا تھا کہ جسکے
لئے وہ مخلوق ہوا ہے۔ یعنی تقرب ذاتِ مقدس الٰہی اور حیاتِ آخرت اور
عالم غیر محسوس کی غیر محدود سعادت و مسرت کا حاصل کرنا۔ مگر یہہ اُسکی کمال خوبی
اور عمدگی کی دلیل ہے کہ اوسنے روحانی اور اخلاقی نیکیون کی تعلیم کے ساتھہ ساتھہ
تمدن اور حُسنِ معاشرت کی نیکیون کی بھی بدرجہ اتم تعلیم کی۔ جسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ
لوگوں کی روحانی ترقی اور عروج کے ساتھہ اُنکی ظاہری اور تمدنی حالت کی بھی
اصلاح اور ترقی ہوتی گئی۔ اور آخرکار وہ مدعا حاصل ہوگیا جو نبی آخرالزمان صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصود تھا۔ اور جسکی نسبت خدا نے یہہ فرمایا ہو "ھُوَ
الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَ
یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ" سورہ جمعہ
یعنی خدا تو وہ ہے جسنے بھیجا ان پڑھوں میں اُن ہی میں سے ایک پیغمبر
جو پڑھہ سُناتا ہے اُنکو اُسکے احکام اور اُنکو پاک و صاف کرتا ہے (یعنی تزکیہ
نفس اور پاک باطنی کی تعلیم کرتا ہے) اور سکھاتا ہے اُنکو کتابِ خدا اور
شریعت الٰہی۔ اور جو بلاشبہ اس سے پہلے کھُلم کھُلا گمراہی میں تھے۔

خلاصہ یہہ کہ قرآن مجید نے تہذیب اور شائستگی کے دونوں ارکان
یعنی انسان کی باطنی اور ظاہری اور ذاتی اور مجموعی حالت کے ترقی دینے پر

ایک ساتھ توجہ فرمائی اور اس طرح پر شائستگی کی تاریخ میں اپنے لئے وہ
جگہہ حاصل کی جو کسی اور کتاب کو خواہ وہ الہامی ہی کیوں نہو کبھی حاصل نہیں
ہوئی اور نہ اب ہو سکتی ہے۔ برخلاف انجیل کے کہ اُسمین اُسکا صرف
ایک ہی رکن ملحوظ ہوا ہے۔ اور دوسرے رکن پر بالکل توجہ نہیں کی گئی
چنانچہ مانشیور ابف گیزو جو ایک مشہور و معروف فرانسیس فلاسفر اور مؤرخ
تھا اپنے ایک لکچر میں جو یُورپ کی تہذیب پر دیا تھا اور جو "تہذیب الاخلاق"
مطبوعہ ماہ شوال و ذیقعدہ سنہ ۱۲۹۱ ہجری میں انگریزی ترجمہ سے ترجمہ ہو کر چھاپا گیا
تھا۔ لکھتا ہے کہ "جب عیسائی مذہب ظاہر ہوا تو اُسکی ابتدائی حالت
میں اُسکا اثر اور اُسکی مداخلت لوگوں کی مجموعی حالت میں کچھہ نہیں ہوئی چنانچہ
حامیان مذہب نے علانیہ منادی کی کہ اس مذہب کو لوگوں کی مجموعی حالت سے
کچھ سروکار نہیں اور اجازت دی کہ غلام اپنے مالک کی اطاعت کریں اور اور
جو بڑی بڑی برائیاں اور خرابیاں اُس زمانہ کے لوگون میں جایز تھیں اُنکی مذمت
نہیں کی" اور اگرچہ یہہ مصنف اپنے لکچر میں ایک دوسرے موقع پر "یُورپ
کے مجمع خلایق کی مجموعی ترقی اور شائستگی کو اسی سے منسوب کرتا ہے مگر صاف
صاف یہہ بھی کہتا ہے کہ "جب مذہب عیسائی نے مجمع خلایق کے باہمی
تعلقات اور معاشرت کی اصلاح میں بڑا اور اچھا اثر پیدا کیا تو اس سے پیشتر
کتنی صدیاں گزر گئی تھیں اور کیسے کیسے بے انتہا واقعات ظہور میں آئے"
اور اگرچہ اُسکا یُورپ کی ترقی اور شائستگی کو سیکڑون برسوں کے بعد مذہب
عیسائی کی تعلیمات سے منسوب کرنا اور اُسکے اصلی سبب۔ اشاعت فلسفہ اور

تعلیم عام سے چشم پوشی کرنا محض مکابرہ اور اُس مذہبی اثر کی وجہ سے ہے
جسمیں اُسنے پرورش پائی تھی لیکن اگر اُسکو تسلیم بھی کرلیا جاے تو بھی ہم فخر
کے ساتھ کہتے ہیں کہ مذہب اسلام کا عمدہ اور اعلیٰ اثر ایسی سُستی اور تدریج کے
ساتھ نہیں ہوا بلکہ اُسنے ایک نہایت قلیل مدّت مین ایک ایسی وحشی اور
ناشایستہ قوم کی حالت کو (جسکی عدیل و نظیر وحشت و ضلالت میں وہ آپ ہی تھی)
اور نہ صرف اُسکی حالت کو بلکہ اُسکے ذریعہ سے ایک جہان کے جہان کو ایسا
بدل دیا کہ جسکو دیکھکر حیرت ہوتی ہے اور یقین ہوتا ہے کہ بے شبہہ یہہ ایک معجزانہ
اور ربانی کام تھا اور ممکن نہ تھا کہ بغیر تائید الٰہی کے کوئی انسانی طاقت ایسا بڑا کام
انجام دے سکتی۔

جن لوگوں نے تہذیب و شایستگی کی تاریخ پر غور کی ہے اور اُسکے اسباب
و علل کو دریافت کیا ہے اُنکی بالاتفاق یہہ راے ہے کہ مذہب ایک ایسا
ذریعہ ہی کہ جسنے سب وقتوں اور تمام ملکوں میں لوگوں کے شایستہ کرنے
کا کام اپنے ذمہ لیکر فخر حاصل کیا ہے" اور وہ اسوجہ سے اُسکو صرف سزاوار
تعریف و توجہ ہی قرار نہیں دیتے بلکہ اُسکی ماہیّت اور خوبی کا اندازہ بالتخصیص
اُس اثر اور دخل کے لحاظ سے کرتے ہین جو تہذیب و شایستگی پر اُسکا ہوتا ہے
اور اُسکو اُس مذہب کی قدر و منزلت اور سودمندی کا قطعی پیمانہ ٹھہراتے ہیں
بس یہی قاعدہ مذہب اسلام سے بھی متعلق ہے اور اوسکی تعلیمات کی خوبی
کا اندازہ اور جانچ اُن نتائج و تاثیرات کے لحاظ سے کیجاتی ہے جو اوسکی بدولت
فرداً فرداً اور نیز مجمع خلایق کی مجموعی اور مشترکہ حالت پر ہوئیں۔ چنانچہ جن ناظرندار

اور عالی حوصلہ عیسائی مصنفوں اور مورخوں نے اُسکو اس پیمانہ کے ساتھ ناپا ہے
اور اوسکی جانچ اس قاعدہ پر کی ہے انہوں نے ہمارے اِس دعوے کو کہ
"قرآن مجید کی تعلیم بمقابلہ انجیل کی تعلیم کے انسان کیحالت کو ترقی
دینے میں بہت زیادہ کامیاب ہوئی ہے" علانیہ تسلیم کیا ہے اور بڑی
اونچی آواز سے اقرار کیا ہے کہ اسلام انسان کی باطنی اور ظاہری اور ذاتی
اور مجموعی حالت کی اصلاح اور ترقی کا ایک نہایت اعلیٰ ذریعہ ہے اور اُسنے
اپنے اِس عظیم الشان کام کو شروع ہی سے نہایت اعلیٰ اور عمدہ طور پر انجام دیا ہے
چنانچہ سر جان مالکم صاحب آنجہانی سابق سفیر ایران و گورنر بمبئی
باوجود اُس تشدد و تصلب کے جو اُنکو اپنے مذہب میں ہے اپنی بے نظیر
تاریخ ایران کے بائیسویں ۲۲ باب میں لکھتے ہیں کہ "بالجملہ محمدؐ را خُلقے نیکو و فصاحتے
حاضر و شجاعتے باہرہ و حکمتے وافر بود۔ دراں وضع کہ ملک خود را دید و اسباب بے
کہ جہت انتشار شریعت و استقرار حکومت خود فراہم آورد و اگر کما ینبغی ملاحظہ شود
ہم اعداے او را لازم است کہ اقرار کنند کہ حقوق احسان او بر اعراب ثابت است
در اول اظہار نبوت او بیشتر اعراب جہال و بت پرست بودند در رسوم فواحش در میان
ایشاں شیوع داشت۔ از آنجملہ کشتن اطفال اناث بود۔ در ملک بعداوت
و اختلاف و در خارج باہانت و استخفاف مے زیستند۔ چون بشریعت او گرودن
نہادند و بہ بندگی یک خدا گرویدند اتفاق مذہب منشاے اتفاق ملت شدہ
در اندک وقتے بر بہترین بلاد روے زمین استیلا یافتند۔"
مسٹر جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب "اپالوجی فار دی محمدؐ اینڈ

قرآن" میں سہا لکھتے ہیں کہ وہ جب اِن معاملات پر خواہ اُس مذہب کے بانی
کے لحاظ سے خواہ اُس مذہب کے عجیب و غریب عروج اور ترقی کے
لحاظ سے نظر کیجاے تو بجز اسکے کچھہ چارہ نہیں ہے کہ اُسپر نہایت دل
سے توجہ کیجاے - اِس امر مین بھی کچھہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں نے
مذہبِ اسلام اور مذہبِ عیسائی کی خوبیوں کو بمقابلہ ایکدوسرے کے
تحقیق کیا ہے - اور اُنپر غور کی ہے اُن میں سے بہت ہی کم ایسے ہین جو
اس تحقیقات میں اکثر اوقات متردد اور بہ دقت اِس بات کے تسلیم کرنے
پر مجبور ہوے ہون کہ مذہبِ اسلام کے احکام بہت ہی عمدہ اور مفید مقاصد
ہیں بلکہ اِس بات کا اعتقاد کرنے پر مجبور ہوے ہیں کہ آخر کار مذہبِ اسلام
سے اِنسان کو فائدہ کثیر پیدا ہوگا"

اِس عالی حوصلہ مصنف نے یہہ بھی لکھا ہے کہ وہ ہر ایک طرح کی شہادت
سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن شخصوں نے فلسفہ اور علوم و فنون کو
سب سے پہلے زندہ کیا جو قدیم اور زمانہ حال کے علم ادب کے مابین بطور
ایک سلسلہ کے بیان کئے گئے ہیں بلاشبہ وہ ایشیا کے مسلمان اور
اُندلُس کے مُوائینی اہلِ بربر تھے جو خلفاے عبّاسیّہ اور بنی اُمیّہ
کے عہد میں وہاں رہتے تھے - علم جو ابتداءً ایشیا سے یورپ میں
آیا تھا اُسکا وہاں دوبارہ رواج مذہب اسلام کی دانشمندی سے ہوا - یہ
بات معروف و مشہور ہے کہ اہلِ عرب میں چھہ سو برس کے قریب سے
علوم و فنون جاری تھے اور یورپ میں جہالت اور وحشیانہ پن پھیلا ہوا تھا

اور علم ادب قریباً نیست و نابود ہو گیا تھا۔ علاوہ اسکے یہہ بات بھی تسلیم کرنی جاتی ہے کہ تمام علوم طبعیات۔ ہیئت۔ فلسفہ۔ ریاضی جو وسطانی صدی میں یورپ میں جاری تھے ابتداءً عرب کے علما سے حاصل ہوئے تھے اور خصوصاً اندلس کے مسلمان یورپ کے فلسفہ کے موجد خیال کئے جاتے ہیں"

اسی مورخ نے یہہ بھی لکھا ہے کہ "یورپ مذہب اسلام کا اور بھی زیادہ ممنون ہے کیونکہ اگر ان جھگڑوں سے جو سلطان صلاح الدین کے وقت میں بیت المقدس کی لڑائیوں میں ہوئے جسکو فرنگین جہاد کہتے تھے قطع نظر کیجائے تو بالتخصیص مسلمانوں کے سبب سے فیوڈل انتظام کی سختیاں اور امیروں کی خود مختاری یورپ سے موقوف ہوگئی جسکے باقیماندہ اثروں پر ہمارے ملک یورپ کی آزادی کی نہایت بڑی اور عالیشان عمارت کی بنیاد قایم ہوئی۔ اہل یورپ کو یہہ بات بھی یاد دلانی چاہیے کہ وہ محمدؐ کے پیرووں کے (جو قدیم اور زمانۂ حال کے علم ادب کے درمیان بطور سلسلہ کے ذریعہ ہیں) اس لحاظ سے بھی ممنون ہیں کہ مغربی تاریکی کی مدت دراز میں یونانی حکما کی بہت سی کتابیں فنون اور علوم ریاضی اور طب وغیرہ کے بعض نہایت بڑے بڑے شعبوں کی انہیں کی کوششوں سے شایع ہوئیں"

فاضل محقق مسٹر چیمبر اپنے انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ "ہم اس بات پر غور نہیں کر سکتے ہیں کہ اسلام نے تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے کیا کیا۔ لیکن اگر نہایت ٹھیک ٹھیک کہا جاے تو یورپ میں

علوم و فنوں کی ترقی میں اُسیکا حصہ تھا۔ مُسلمان علی العموم نویں صدی سے تیرہویں صدی تک وحشی یورپ کے لئے روشن ضمیر معلم کہے جا سکتے ہیں خاندان عباسیہ کے خلفا کے نہایت عمدہ زمانہ سے یونانی خیالات اور یونانی تہذیب کا از سر نو سر سبز ہونا شمار کیا جا سکتا ہے۔ قدیم علم ادب ہمیشہ کے واسطے بغیر کسی علاج کے مفقود ہو جاتا اگر مسلمانوں کے مدرسوں میں اُسکو پناہ نہ ملتی۔ عربی فلسفہ۔ قدرتی چیزوں کی تاریخ۔ جغرافیہ۔ تاریخ عام صرف نحو۔ علم کلام اور فن شاعری کی (جسکی تعلیم یہ اُستاد دیتے تھے) بہت سی کتابیں پیدا ہو گئیں جنمیں سے اکثر اُسوقت تک جاری رہینگی اور تعلیم دیجاینگی جبتک نسلیں تعلیم پانے کے واسطے پیدا ہوتی رہینگی"

مسٹر طامس کارلائل مرحوم اپنی کتاب "لیکچرز آن ہیروز" میں اس مضمون کی نسبت جسپر ہم بحث کر رہے ہیں یہ لکھتے ہیں کہ "اِسلام کا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک پہلے پہل اُسی کے ذریعہ سے زندہ ہوا۔ اہل عرب گلہ بانوں کی ایک غریب قوم تھی اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے جنگل میدانوں میں پھرا کرتی تھی اور کسی شخص کو اُسکا کچھہ خیال ہی نہ تھا۔ اُس قوم میں ایک اولو العزم پیغمبر ایسے کلام کے ساتھ جسپر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہو گئی اور چھوٹی چیز نہایت ہی بڑی چیز بنگئی۔ اُسکے بعد ایک صدی کے اندر عرب کے ایک طرف غرناطہ اور ایک طرف دہلی ہو گئی۔ عرب کی بہادری اور عظمت

کی تجلّی اور عقل کی روشنی زمانہ ہائے دراز تک دنیا کے ایک بڑے
حصہ پر چمکتی رہی - اعتقاد ایک بڑی چیز اور جان ڈالدینے والا ہے۔ جس وقت
کوئی قوم کسی بات پر اعتقاد لاتی ہے تو اُسکے خیالات بارآور اور روح کو
عظمت دینے والے اور رفیع الشان ہوجاتے ہیں - یہی عرب اور یہی محمدؐ
اور یہی ایک صدی کا زمانہ گویا ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو اندھیرے
میں کس مپرس ریگستان تھا! مگر دیکھو کہ اُس ریگستان سے زور شور سے اُڑ جانے
والی باروت کی طرح نیلے آسمان تک اُٹھتے ہوئے شعلوں سے دہلی
سے غرناطہ تک روشن کردیا۔"

ایک جواب مضمون لکھنے والے نے جسنے یہہ مضمون اختیار کیا تھا
کہ "اسلام ایک ملکی انتظام ہے جو مشرق و مغرب میں جاری ہے"
اسلام کی نسبت اپنی یہ رائے لکھی ہے کہ "اسلام نے اطفال کشی کا
انسداد کردیا جو اُس زمانہ میں قرب و جوار کے ملکوں میں جاری تھی - گو عیسائی
مذہب نے بھی اُسکو روکا تھا مگر اسلام کے برابر اُسکو کامیابی نہیں ہوئی -
اسلام نے غلامی کو موقوف کردیا جو اُس ملک کی پرانی جاہلیت کی رسم تھی
اسلام نے ملکی حقوق کو برابر کردیا اور صرف انہیں لوگوں کے حق میں انصاف
نہیں کیا جو اُس مذہب کے معتقد تھے بلکہ اُن شخصوں کے ساتھ بھی برابر
انصاف کیا جنکو اُسکے ہتھیاروں نے فتح کیا تھا - اسلام نے اُس محصول
کو جو سلطنت کو دیا جاتا تھا گھٹا کر صرف دسواں حصّہ کردیا - اسلام نے تجارت
کو تمام محصولات اور مزاحمتوں سے آزاد کردیا - اسلام نے مذہب کے معتقدوں

کو اس بات سے کہ اپنے مذہبی سر گروہ کو یا مذہبی کام کے لئے جبراً روپیہ دیں اور تمام لوگوں کو اس بات سے کہ غالب مذہب (اسلام) کو ہر ایک قسم کا مذہبی چندہ دیں بالکل بری کر دیا۔ اسلام نے فرقہ فتحمند کے تمام حقوق مفتوحہ لوگوں میں سے اُن شخصوں کو دیدیئے جو اسکے یعنی مفتوحہ مذہب کے پابند تھے اور اُنکو ہر ایک قسم کی پناہ دی۔ اسلام نے مال کی حفاظت کی۔ سود لینے کو اور خون کا بدلہ بغیر حکم عدالت کے لینے کو موقوف کیا۔ صفائی اور پرہیزگاری کی حفاظت کی اور اِن باتوں کی صرف ہدایت ہی نہیں کی بلکہ اُنکو پیدا کیا اور قایم کر دیا۔ حرامکاری کو موقوف کر دیا غریبوں کو خیرات دینے اور ہر ایک شخص کی تعظیم کرنے کی ہدایت کی۔

یہی مصنف یہہ بھی لکھتا ہے کہ وہ جو نتیجے اسلام سے ہوئے وہ اسقدر وسیع اور دقیق اور مستحکم ہیں کہ اُنکی تکمیل کر لینا تو درکنار ہم یقین نہیں کر سکتے کہ وہ انسان کے خیال میں بھی آ سکیں۔ اسی سبب سے بعوض اسکے کہ اُسکی نسبت اسطرح پر دلیلیں کیجائیں جسطرح کہ سولن کے قانون یا نپولین کی فتوحات کے نتیجوں کے اندازہ کرنے میں کیجاتی ہیں یا تو اُنکی نسبت یہہ کہا جاتا ہے کہ اتفاقیہ ہو گئے ہیں یا مجبوری ربانی مرضی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہہ نظم ایک شخص واحد نے کیا تھا جسنے اپنے ملک کے تمام باشندوں میں اپنی روح پھونکدی۔ اور تمام قوم کے دل پر نہایت تعظیم و تکریم کا خیال جو کسی انسان کے واسطے کبھی ظاہر نہیں کیا گیا نقش کر دیا۔ جو سلسلہ قوانین و اخلاق کا اُسنے بنایا وہ اعلیٰ درجہ کی ترقی سے بھی ایسا ہی موافق تھا جیسا کہ ادنیٰ ترین لوگوں

سے اور اُس سلسلہ نے ایک قوم سے دوسری قوم میں گزر کر ہر ایک قوم کو جسنے اسکو قبول کیا اُن قوموں اور سلطنتوں سے فایق کر دیا جنسے اسکا میل ہوا"

جو معجزانہ اور حیرت انگیز کامیابی قرآن مجید کو اپنے مقاصد میں ہوئی اگرچہ اُسکا اصلی اور واقعی سبب وہ سچے اور سراپا صداقت اصول تھے جنکی تلقین اُسنے کی ہے اور جو ہر ایک ایسے اصول اور مسئلہ پر جو عقل و فطرت کے موافق نہو مثلاً تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث اور کفارہ اور روٹی اور شراب پر باوری سے کچھہ پڑھکر بخشدینے اور اُسکے کھالینے سے عیسائیوں کے نجات پانیکا مسئلہ جو ایک ادنی قسم کا توہم ہے وغیرہ وغیرہ غالب آئے ہیں اور غالب آتے رہینگے۔ لیکن اکثر متعصب اور حق ناشناس عیسائی مورخوں نے اُسکو تلوار اور جبر و تعدی سے منسوب کیا ہے۔ اسلئے ہمارا ارادہ تھا کہ اسکی نسبت کچھہ لکھیں مگر وہ جوش احسان جو ہمارے دلمیں اُس نہایت برجستہ اور مدلل ولاجواب بیان کی نسبت ہے جو ہمارے پورے مگر جوان ہمت مجاہد سر سید احمد خان بہادر نے اس معرکۃ الآرا مسئلہ کے باب میں کیا ہے ہمکو مجبور کرتا ہے کہ ہم اُسکو بقدر حاجت بلفظہ یہاں نقل کر دیں اور یہ کہکر کہ

اے زور حیدری زبیان تو آشکار	کلک تو در کتاب کند کار ذوالفقار

خود کچھہ لکھنے کے بار عظیم سے سبکدوش ہو جائیں۔ چنانچہ وہ سورہ توبہ کی تفسیر شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دو سورہ الانفال اور سورہ توبہ دونوں میں کافروں سے لڑنے اور اونکو قتل کرنے اور مغلوب کرنے کا ذکر ہے اور یہی امر بحث کے قابل ہے جسکی نسبت مخالفین

اسلام نے اپنی غلطی اور ناسمجھی سے مختلف پیرایوں میں اعتراض قائم کئے ہیں اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کافروں کے ساتھ جو کچھ کیا اور جسقدر اور جسطرح اُنھوں نے خدا کے حکم سے کافرونکو قتل اور غارت کیا اگر اُسکا مقابلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کی لڑائیوں کے ساتھ کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ وہ لڑائیاں بمقابلہ حضرت موسیٰ کی لڑائیوں کے خدا کی رحمت تھیں۔ پس جو لوگ توریت اور حضرت موسیٰ کو مانتے ہیں اُنکے لئے تو حضرت مسیح کا یہ قول کافی ہے کہ "تو اُس تنکے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں ہے کیوں دیکھتا ہے اور جو شہتیر تیری آنکھ میں ہے اُسے دریافت نہیں کرتا" مگر ہمارا یہہ طریقہ نہیں ہے کہ ہم صرف حجّت الزامی پر اکتفا کریں۔ بلکہ ہمارا مقصود ہر امر کو تحقیق کرنا اور اُسکی اصلیت کو ظاہر کرنا ہے اسلئے ہم اِس امر کو بخوبی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔

اس امر پر جو اعتراض جامع جمیع اعتراضات ہو سکتا ہے وہ یہہ ہے کہ ایک بانی مذہب کہ جسکا موضوع سچّی اور سیدھی راہ کا بتانا۔ اور اُسکے نتیجوں کی خوشخبری دینا۔ اور بد راہ کی برائی کو جتلانا۔ اور اوسکے بد نتیجوں سے ڈرانا اور اپنی نصیحت اور وعظ سے انسانوں میں نیکی اور نیک دلی۔ رحم اور صلح آپسمیں محبّت و ہمدردی کا قایم کرنا ہے۔ تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو جو اِس راہ میں پیش آئیں صبر و تحمّل سے برداشت کرنا زیبا ہے یا زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے اور قتل و خونریزی سے اُسکو منوانا لازم ہے۔

پس اب ہمکو اسی امر کا تحقیق کرنا مقصود ہے کہ قرآن مجید میں ہتھیار

اُٹھانے کا حکم زبردستی سے اسلام منوانے کے لئے تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ قرآن مجید سے اور تمام لڑائیوں سے جو آنحضرتؐ کے وقت میں ہوئیں بخوبی ثابت ہے کہ وہ لڑائیاں صرف امن قایم رکھنے کے لئے ہوئی تھیں نہ زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے اسلام منوانیکے لئے"۔

اِس تمہید کے بعد محترم مجاہد نے اُس دشمنی وعناد اور بغض وعداوت کو جو کفار مکہ آنحضرتؐ اور صحابہ کرام سے رکھتے تھے اور جو تکلیفیں اور اذیتیں اُنکے ہاتھ سے صحابہ اور خود آنحضرتؐ کو پہنچیں اور جو سخت توہین وتحقیر وہ اپنے پیغمبر کی کرتے تھے اور جو بار بار قصد اُنہوں نے آنحضرتؐ کے قتل کا کیا اور حبشہ تک مہاجرین کے تعاقب میں گئے۔ اور پھر مدینہ میں بھی اُسی غرض اور ارادہ سے پہنچے۔ اسکو بیان کیا ہے۔ مگر چونکہ ہم یہ سب کچھ بتفصیل لکھ آئے ہیں اسلئے اُسکو قلم انداز کرتے اور اِس سے آگے جو اُنہوں نے بیان کیا ہے اُسکو لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ "اِن تمام حالات سے جو عداوت کہ قریش مکہ کو مسلمانوں سے ہوگئی تھی اور ہر طرح اُن کے معدوم کرنے اور ایذا پہنچانے کی تدبیریں کرتے تھے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ قریش مکہ کو مدینہ کے لوگوں سے بھی جو مسلمان ہوگئے تھے اور آنحضرتؐ کی نصرت کا وعدہ کیا تھا ویسی ہی عداوت تھی جیسی کہ مکہ کے مہاجرین سے تھی۔ سب سے بڑا خوف قریش مکہ کو یہہ تھا کہ اگر یہہ لوگ زیادہ قوی ہوجائیں گے تو مکہ پر حملہ کرینگے۔ چنانچہ جب دوبارہ آنحضرتؐ کے قتل کا مشورہ کیا تھا تو اُس مشورہ میں جس شخص نے یہ رائے دی تھی کہ آنحضرت کو طوق وزنجیر ڈالکر قید

کردیا جاے اُسکی راے اِسی دلیل پر نہیں مانی گئی تھی کہ آنحضرتؐ کے اصحاب جو مکہ سے نکلگئے ہیں جمع ہو کر مکہ پر حملہ کرینگے۔ اور اُنکو چھڑا لے جائیں گے اور جس شخص نے یہ راے دی تھی کہ آنحضرتؐ کو جلاوطن کردیا جاے۔ اُسکی راے بھی اسی وجہ پر رد کی گئی تھی کہ آنحضرتؐ اپنی فصاحت سے لوگوں کو اپنے گرد جمع کرلیں گے اور قریش مکہ کو چل ڈالینگے۔ یہی سبب تھا کہ قریش مکہ مدینہ پر چڑہائی کرنے کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی اِس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا (سورہ بقرہ آیت ۲۱۴)

یعنی اہل مکہ تمسے ہمیشہ لڑتے رہینگے یہانتک کہ وہ تمکو تمہارے دین سے پھیر دیں اگر وہ ایسا کرسکیں۔ مدینہ والے بھی قریش کے حملہ سے مطمئن نہیں رہے تھے اسلئے کہ مدینہ کے اُن لوگوں میں سے جو ایمان نہیں لاے تھے اور آنحضرتؐ کے مدینہ میں تشریف لانیکو پسند نہیں کرتے تھے اور مدینہ کے اُن لوگوں سے جنہوں نے آنحضرتؐ کی نُصرت کا وعدہ کیا تھا نہایت ناراض تھے چند معزز لوگ مدینہ کو چھوڑ کر مکہ چلے گئے تھے اور قریش سے جا ملے تھے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ ایسی حالت میں آنحضرتؐ اور مہاجرین اور انصار کو اپنی اور مدینہ کی حفاظت اور امن و امان قائم رہنے کے لیئے کیا کرنا لازم تھا اِس مقصد کے حصول کے لیئے چار امر لازمی تھے کہ بغیر اُنکے امن اور حفاظت مطلوبہ کسیطرح قائم نہیں رہ سکتی تھی۔

اَوّل - اس بات کی خبر رکھنی کہ قریشِ مکہ کیا کرتے ہیں اور کس منصوبہ میں ہیں

دویم - جو قومیں کہ مدینہ میں یا مدینہ کے گرد رہتی تھیں اُن سے امن کا اور قریش کی مدد نہ کرنے کا معاہدہ کرنا - لیکن عہد شکنی کی حالت میں اُنسے مقابلہ کرنا اُس منصوبہ کے لئے ایسا ہی ضروری تھا جیسا کہ امن کا معاہدہ کرنا - کیونکہ اگر عہد شکنی کی مکافات نہ قایم کیجاوے تو کوئی معاہد اپنے عہد پر قایم نہین رہ سکتا اور امن مطلوبہ حاصل نہیں کر سکتا -

سویم - جو مُسلمان مکہ مین بمجبوری رہگئے تھے اور موقع پا کر وہاں سے بھاگ آنا چاہتے تھے اُنکے بھاگ آنے پر جسقدر ہو سکے اُن کی اعانت کرنا کیونکہ جو قافلہ مکہ سے نکلتا تھا ہمیشہ احتمال ہوتا تھا کہ شاید اُسکے ساتھ بہانہ کر کے کوئی مُسلمان مَدِینہ میں بھاگ آنیکے ارادہ سے نکلا ہو -

چہارم - جو گروہ قریش کا مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے کو نکلے یا کسی طرح پر احتمال ہو کہ وہ مدینہ پر آنے والا ہے ہتھیاروں سے اُسکا مقابلہ کرنا - کیونکہ ایسا کرنا اُسی امن کے قائم رکھنے کے لئے لازمی و ضروری ہے -

اِن چار باتوں میں سے کوئی بات ایسی نہیں ہے جسکی نسبت کہا جا سکے کہ اُس سے زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے اِسلام کا منوانا مقصود ہے

اِن کے سوا دو امر اور ہیں جو ہتھیاروں کے اُٹھانیکا باعث ہوتے ہیں -

ایک یہہ - کہ کافر اُن مسلمانوں کو جو اُنکے قبضہ میں ہوں تکلیف اور ایذا دیتے ہوں اُنکی مخلصی کے لئے یا اُنکو اُن کے ظلم سے نجات دلوانیکے لئے لڑائی کیجاوے - جسکی نسبت خدا تعالی فرماتا ہے وما لکم

لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا (سورہ نسا) یعنی کیا ہوا ہے تمکو کہ نہیں لڑتے ہو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کے بچانیکے لئے مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو نکال اس شہر سے کہ ظلم کرنے والے ہیں اُسکے لوگ اور کر ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی والی اور کر ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار"

کون شخص ہے جو اس لڑائی کو انسانی اخلاق اور انسانی نیکی کے برخلاف کہہ سکتا ہے۔ اور کون شخص ہے جو اس لڑائی کی نسبت یہ اتہام کرسکتا ہے کہ وہ زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے مذہب قبلوانیکے لئے ہے۔

دوسرے یہ۔ کہ کافر مسلمانوں کو اُن کے احکام مذہبی ادا کرنیکے سے مانع ہوں۔ بشرطیکہ وہ اُنکی عملداری میں رہتے ہوں۔ کیونکہ اس صورت میں اُنکو وہاں سے ہجرت لازم ہے نہ لڑائی کرنی۔ اگرچہ اس لڑائی کی بنیاد ایک مذہبی امر پر ہے۔ لیکن اُسکا مقصد اپنی مذہبی آزادی حاصل کرنا ہے نہ کہ دوسروں کو جبر و زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے مذہب کا منوانا۔ اگر ہندو کسی قوم سے اسبات پر لڑیں کہ وہ قوم اُنکو اُنکے احکام مذہبی ادا کرنے نہیں دیتی تو کیا یہ کہا جائیگا کہ ہندوؤں نے دوسری قوم کو بجبر اور ہتھیاروں کے زور سے ہندو کرنا چاہا ہے؟

اور ایک اور امر ہے جو اِن ہی قسم کی لڑائیوں کا ضمیمہ ہے یعنی

جس ملک یا قوم سے ان ہی امور کے سبب مخالفت ہے اور لڑائی ان ہی امور کے سبب مشتہر ہو چکی ہے اس ملک یا قوم پر چھاپہ مارنا۔ یا اُن کا اسباب اور انکی رسد اور ان کے ہتھیاروں کو لوٹ لینا۔ اس زمانہ تہذیب میں بھی کونسی مہذب سے مہذب قوم ہے جو اس فعل کو نامہذب اور ناجائز قرار دسکتی ہے؟ اور کون شخص ہے جو اسکو بجبر و زبردستی ہتھیاروں کے زور سے مذہب کا قبلوانا قرار دیسکتا ہے؟ تمام لڑائیاں جو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئیں وہ ان ہی امور پر مبنی تھیں۔ ایک بھی لڑائی اس غرض سے نہیں ہوئی کہ مخالفوں کو زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے اسلام منوایا جاوے۔"

بزرگ مجاہد نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ "لڑائی کا حکم صرف امن قایم کرنے کیلیے تھا نہ زبردستی سے اسلام قبلوانا نے کے لئے" قرآن مجید کی چند آیتیں نقل کی ہیں۔ جنکو ہم مع اُنکے ترجمہ کے درج کرتے ہیں۔ خدا اپنے پیغمبر کو فرماتا ہے۔

(۱) اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط (سورہ نحل)	(۱) یعنی۔ بُلا اپنے پروردگار کی راہ کی طرف پکی بات سمجھا کر اور اچھی نصیحت کر کرا اور اُن سے ایسی طرز پر بحث کر جو بہت اچھی ہو۔
(۲) قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ط فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ط و	(۲) یعنی کہدے کہ خدا کا حکم مانو اور پیغمبر کی اطاعت کرو۔ پھر اگر موہنھ پھرا لو گے (یعنی ایمان نہ لاؤ گے) تو وہ صرف اتنی ہی بات کا ذمہ دار ہے

اِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا وَمَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ؕ

(سورۂ نور)

جو اُسپر لازم کی گئی ہے۔ اور اُسکے ذمہ وا تم پر جو تمپر لازم کیا گیا ہے۔ اور اگر اُسکی اطاعت کروگے سیدہی راہ پر چلوگے۔ اور پیغمبر کے ذمہ حکم کے صاف صاف پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(۳) اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ؕ

(سورۂ تغابن)

(۳) یعنی۔ اطاعت کرو خدا کی اور پیغمبر کا کہنا مانو۔ پہر اگر تم موتہہ پہیر لوگے تو ہمارے پیغمبر کے ذمہ تو صرف حکم کا صاف صاف پہنچا دینا ہی ہے۔

(۴) وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ ۚ فَذَكِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ يَّخَافُ وَعِيۡدِ ۠

(سورۂ قاف)

(۴) یعنی۔ تو اُنپر کسی طرح بھی جبر کرنے والا نہیں (یعنی تجکو جبر کرنے کا اختیار نہیں ہے) پس جو شخص ہمارے عذاب کے وعدہ سے ڈرے اُسکو قرآن کے ساتھ نصیحت کر۔

(۵) فَذَكِّرۡ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ ؕ لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ ۙ

(سورہ غاشیہ)

(۵) پس نصیحت کر کیونکہ تو صرف ایک نصیحت کرنیوالا ہے۔ کچھ اُنپر کروڑا نہیں ہے (جو اُن کو ایمان لانے پر مجبور کرے)

(۶) لَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ كُلُّهُمۡ جَمِيۡعًا ؕ اَفَاَنۡتَ تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ۝

(سورہ یونس)

(۶) یعنی اگر تیرا پروردگار چاہتا تو ملک کے لوگ سب کے سب اکٹھے ایمان لے آتے پہر اب کیا تو لوگوں پر جبر کرسکتا ہے تاکہ وہ دل سے مسلمان ہوجائیں؟

(۷) لَاۤ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ

(۷) دین کے باب میں کسی قسم کی زبردستی کی

الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (سورہ بقرہ)	حاجت نہیں - کیونکہ حق و باطل کا فرق بخوبی ظاہر ہو چکا ہے پھر جو کوئی ماسوا اللہ کی پرستش کا منکر ہوا اور اللہ پر ایمان لایا تو بیشک اُسنے ایسی مستحکم گرہ میں مضبوط ہاتھ ڈال لیا جو ٹوٹ ہی نہیں سکتی - اور اللہ سننے والا ہے - جاننے والا

اسکے بعد جناب سید سلمہم اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں کہ وہ مخالفین اسلام یہ حجت پکڑتے ہیں کہ اس قسم کی نصیحتیں آنحضرت صلعم کی اسیوقت تک تھیں جبتک کہ آپ مکہ میں تشریف رکھتے تھے - مگر جب مدینہ میں چلے آئے - اور انصار اہل مدینہ مسلمان ہو گئے - اور مہاجرین اور انصار ایک جگہہ جمع ہو گئے اور آنحضرت کو بہت بڑی قوت ہو گئی - اُسوقت اُن نصیحتوں کو بدل دیا اور لڑنے اور قتل کرنیکا اور تلوار کے زور سے اسلام قبلوانے کا حکم دیا - مگر یہہ حجت محض غلط ہے -

اول تو اسلئے کہ اُن ہی سورتوں میں سے جنکی آیتوں کا ہمنے اوپر ذکر کیا ہے - سورہ نور اور سورہ بقرہ ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی ہیں جبکہ آنحضرت کو بخوبی قوت ہو گئی تھی - اور اُن ہی سورتوں میں حکم ہے کہ "رسول کا کام صرف حکموں کا پہنچا دینا ہے اور دین میں کچھہ زبردستی نہیں ہے" پھر یہ کہنا کہ آنحضرت نے مدینہ میں آنے کے بعد اُن نصیحتوں کو بدل دیا تھا صریح جھوٹ ہے -

دوسرے یہ کہ خدا کے احکام جو بطور اصل اصول کے نازل ہوئے

ہیں وہ جگہہ کی تبدیل یا قوّت اور ضعف کی تبدیل سے تبدیل نہیں ہو سکتے

خدا کا حکم یہ ہے کہ "زبردستی سے کسیکو مسلمان نہیں کیا جا سکتا"

پس جب آنحضرتؐ مکہ میں تھے اُسوقت بھی کوئی شخص زبردستی سے

مسلمان نہیں ہو سکتا تھا۔ اور جب آپ مدینہ میں تشریف لے آئے

اُسوقت بھی کوئی زبردستی سے مسلمان نہیں ہو سکتا تھا ہاں جب آپ مدینہ میں

تشریف لے آئے تو لڑائی کا حکم ہوا مگر وہ لڑائیاں لوگونکو جبر و زبردستی سے اور ہتھیاروں کے

زور سے مسلمان کرنیکے لئے نہ تھیں بلکہ امن قایم کرنیکے لئے تھیں جسکو ہم آیندہ

بالتفصیل بیان کرینگے۔

آزادی مذہب کی صلح اور معاہدے کی حالت میں

خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو کافروں سے صلح اور معاہدہ کرنے کی اجازت

دی جسکا ماحصل یہ ہے کہ کافروں کے مذہب میں کچھہ دست اندازی

نہ کیجاے وہ اپنے مذہب پر رہیں۔ صرف مسلمانوں کو ایذا نہ دیں۔

اُسلئے لڑیں نہیں۔ اور اُن کے دشمنوں کی مدد نہ کریں۔ اور اُن معاہدوں

پر قایم رہنے کی نہایت تاکید کی اور معاہدہ کرنیوالوں سے جو اپنے معاہدہ

پر قایم رہے ہوں لڑنے کی ممانعت فرمائی۔ صلح اور معاہدے کی اجازت

ہی صاف دلیل اسبات کی ہے کہ مذہب کی آزادی میں خلل ڈالنا مقصود

نہ تھا اور نہ لڑائی سے کسیکو زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے مسلمان

کرنا مقصود تھا بلکہ صرف امن کا قایم رکھنا مقصود اصلی تھا۔

سورہ نحل میں خدا نے فرمایا "وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ؕ یعنی پورا کرو عہد اللہ کا (یعنی جو خدا کو درمیان میں دیکر عہد کیا ہے) جب کہ تمنے عہد کیا ہو اور نہ توڑو اپنی قسموں کو اُنکے مضبوط کرنیکے بعد۔ اور بیشک تمنے اللہ کو کیا ہے اپنا ضامن۔ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔"

خود سورہ توبہ میں جسمیں نہایت خفگی سے لڑائی کا حکم ہے خدا نے فرمایا ہے "اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ؕ یعنی جن مشرکوں سے تمنے عہد کیا ہے پھر انہوں نے اُسکے پورا کرنے میں کچھ کمی نہیں کی۔ اور نہ تمہارے برخلاف کسیکی مدد کی تو تم پورا کرو اُنکے ساتھ اُنکا عہد اُنکی میعاد تک۔ بیشک اللہ دوست رکھتا ہی پرہیزگاروں کو

پھر اسی سورہ میں فرمایا "اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ؕ یعنی جن مشرکوں سے مسجد حرام کے پاس تمنے عہد کیا تھا۔ پھر جبتک کہ وہ تمہارے لئے عہد پر قائم رہیں تو تم بھی اُنکے لئے عہد پر قایم رہو۔ بیشک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں (یعنی بدعہدی سے بچنے والوں) کو"

اس سے زیادہ معاہدے کی رعایت کفّار اور مشرکین کے ساتھ کیا ہو سکتی ہے جیسی کہ قرآن مجید میں کی گئی ہے۔ سورہ نساء مدینہ

میں ہجرت کے بعد اُتری ہے اُسمیں حکم ہے کہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاءً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاءً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○

(سورہ نسار آیت ۹۴)

اگر کسی مسلمان کے ہاتھ سے کوئی مسلمان دھوکہ سے مارا جاوے تو قاتل کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے اور اگر مقدور نہو تو ساٹھ روزے رکھنے چاہئیں اور اسکے سوا مقتول کی دیت (خونبہا) اُسکے کنبہ کو دیجاوے - پھر اگر وہ مقتول ایک ایسی قوم میں کا ہے جنسے اور مسلمانوں سے دشمنی ہے اور وہ مقتول مسلمان ہے تو قاتل کو صرف مسلمان غلام ہی کا آزاد کرنا ہوگا - اور اگر مقتول ایسی قوم میں کا ہے کہ اُس قوم سے اور مسلمانوں سے معاہدہ ہے تو قاتل کو غلام بھی آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کی دیت اُسکے کنبے کو بھی دینی ہوگی"

اِس سے زیادہ معاہدے کی رعایت جسکا حکم خدا تعالیٰ نے دیا ممکن نہیں - کیونکہ جو حق خدا تعالیٰ نے ایسی حالت میں مسلمانوں کے لئے مقرر کیا تھا وہی حق اُن کفار اور مشرکین کے لئے بھی قرار دیا ہے جنسے اور مسلمانوں سے امن کا معاہدہ ہو گیا ہو -

جن لوگوں سے معاہدہ ہوا ہے اگر معلوم ہو کہ وہ لوگ دغابازی

کرنا چاہتے ہیں تو معاہدہ توڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر ایسی احتیاط اور انصاف سے اُسکے توڑنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ اُن لوگوں کو کسی طرح نقصان نہ پہنچ سکے یعنی یہ حکم ہے کہ اسطرح پر معاہدہ توڑا جاے

اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ ۝ (سورہ انفال آیت)	کہ دونوں فریق برابری کیحالت پر رہیں اسمیں کچھ دغابازی نہونے پاے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ خیانت کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا
وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ، (سورہ توبہ آیت ۶)	عین لڑائی کے زمانہ میں اگر کوئی مشرک یا کافر پناہ مانگے تو اُسکو پناہ دینے کا حکم ہے اور صرف پناہ ہی دینے کا حکم نہیں ہے بلکہ یہ حکم بھی ہے کہ اُسکو اُسکی امن کی جگہہ میں پہنچا دیا جاے۔ اس سے زیادہ مذہب کی آزادی اور معاہدہ کی احتیاط کیا ہوسکتی ہے

اسی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین عرب کے بہت سے قبیلوں سے اور قبائل یہود سے جو مدینہ میں رہتے تھے امن کے معاہدے کئے۔ جو دلیل واضح اس بات کی ہے کہ مقصود یہ تھا کہ ملک میں لوگ امن سے رہیں مسلمانوں کو ایذا نہ دیں۔ اور خدا کے کلام کو سنیں۔ کما قال حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ" پھر جسکا دل چاہے ایمان لائے جسکا دل نہ چاہے نہ لائے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ "لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" وقال فی موضع آخر "فَمَنْ

شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ"

لڑائی کے احکام اور اُس حالت میں بھی آزادی مذہب

سب سے پہلے ہمکو یہ بیان کرنا چاہیے کہ کن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہوا ہے اور کس مقصد سے۔

ہم اس سے پہلے بالتصریح بیاں کر چکے ہیں کہ جو لوگ اپنے معاہدوں پر قایم ہیں اور مسلمانوں سے نہیں لڑتے اور نہ اُنکے دشمنوں کو لڑنے میں مدد دیتے ہیں اُنسے لڑنیکا حکم نہیں ہے۔ پس لڑائی کا حکم تین قسم کے لوگوں کے ساتھ ہوا ہے۔

اول۔ اُن لوگوں سے جو مسلمانوں سے لڑائی شروع کریں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمایا ہے "قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ" (آیت ۱۸۶) یعنی "لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جو تمسے لڑیں اور زیادتی مت کرو۔ بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو" دوسری جگہہ فرمایا "فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ" (سورہ ایضاً آیت ۱۸۹) یعنی اگر وہ لڑنا موقوف کردیں تو دست درازی کرنی نہیں چاہیے۔ کیونکہ دست درازی صرف ظالموں پر کرنی ہے" ایک اور جگہہ فرمایا "فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ" (سورہ ایضاً آیت ۱۹۰) یعنی جو کوئی تمپر زیادتی کرے تو تم بھی

اُسپر زیادتی کرو جتنی کہ اُسنے تمپر زیادتی کی ہے۔ اور خدا سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے (یعنی اُنکے ساتھ ہے جو زیادتی سے پرہیز کرتے ہین)

قدیم زمانہ سے عرب میں یہ دستور چلا آتا تھا کہ حرم کعبہ میں جدال و قتال نہیں کرتے تھے اُسکی نسبت خدا نے فرمایا۔ "وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" (سورہ ایضاً آیت ۱۸۷) یعنی لڑائی کی حالت میں اُنکو جہاں پاؤ (حرم کے اندر یا حرم کے باہر) قتل کرو کیونکہ فساد مچانا قتل سے بھی زیادہ ہے، مگر اس حکم میں بھی احتیاط کی اور فرمایا "وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ" (ایضاً۔ آیت ایضاً) یعنی تم مسجد حرام کے پاس اُنکو مت مارو جبتک کہ وہ وہاں تمکو نہ ماریں پھر اگر وہ وہاں بھی تمکو ماریں تو تم بھی اُنکو مارو۔ یوں ہی ہے سزا کافروں کی،" اسکے بعد فرمایا "فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (ایضاً آیت ۱۸۸) یعنی اگر وہ باز رہیں (یعنی لڑنا موقوف کردیں) تو بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان" یعنی تم بھی اُنکو معاف کرو اور لڑنا موقوف کردو۔ سورہ نحل میں خدا نے فرمایا "اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ" (آیت ۱۲۷) یعنی اگر تم کافروں کے ایذا پہنچانے کا بدلہ لینا چاہو تو اُسیقدر ایذا کا بدلہ لو کہ جسقدر تمکو ایذا پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو بیشک وہ بہتر ہے صبر کرنیوالوں کے لئے

پھر سورہ حج مین اس سے بھی زیادہ تصریح فرمائی ہے "اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ہ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ (آیت ۳۸-۳۹) یعنی "اُن لوگونکو لڑنے کا اذن دیا گیا ہے جنسے کفار مکہ لڑتے ہیں اسلئے کہ کفار مکہ کے ہاتھ سے مسلمان مظلوم ہوئے ہین - اُنھوں نے مسلمانوں کو بغیر کسی حق کے اُنکے گھروں سے نکالدیا ہے صرف اسلئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے"

سورہ نسار میں خدا نے فرمایا ہے کہ "وہ کافروں سے لڑو - اُن کو قتل کرو جہاں پاؤ" مگر اُن لوگوں سے نہ لڑو اور نہ اونکو قتل کرو جو ایسے لوگوں سے جا ملیں جنسے اور تم سے امن کا معاہدہ ہے - اور اون سے بھی

اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْکُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُھُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَھُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَسَلَّطَھُمْ عَلَیْکُمْ فَلَقٰتَلُوْکُمْ فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْھِمْ سَبِیْلًا ہ (آیت ۹۲)

مت لڑو اور اُنکو قتل بھی مت کرو جنکا دل لڑنے سے تنگ ہو گیا ہے اور نہ وہ تم سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ اپنی قوم سے لڑنا چاہتے پھر جب وہ لڑائی سے الگ ہو جائین یعنی نہ تم سے لڑیں اور نہ تمہارے شامل ہو کر اپنی قوم سے لڑنا چاہین اور تمہارے پاس صلح کا پیغام بھیجیں تو اُنسے مت لڑو کیونکہ اللہ نے اُنپر تمکو لڑنے کا کوئی قابو نہیں دیا" اسکے بعد اسی سورہ میں فرمایا ہے کہ

"ستجدون آخرين يريدون أن يأمنوكم ويأمنوا قومهم كلما ردوا إلى الفتنة أركسوا فيها فإن لم يعتزلوكم ويلقوا إليكم السلم ويكفوا أيديهم فخذوهم واقتلوهم حيث ثقفتموهم وأولئكم جعلنا لكم عليهم سلطانا مبينا۝" (آیت ۹۳)

"بعض قومیں چاہتی ہیں کہ تمسے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں اور فتنہ و فساد میں نہ پڑیں۔ پھر اگر تمہارے ساتھ لڑنے سے علیحدہ نہو جائیں اور پیغام صلح نہ بھیجیں اور اپنے ہاتھ لڑنے سے نہ روکیں تو انکو پکڑو اور مار دو جہاں پاؤ یہی لوگ ہیں جنپر خدا نے تمکو غلبہ کرنیکا حق دیا ہے"

پس لڑنا اسی پر موقوف ہے جبکہ کافر لڑائی شروع کریں۔ سورہ ممتحنہ میں نہایت صفائی سے اور بطور قاعدہ کلیہ کے بیان فرمایا ہے کہ کافروں سے کس طرح پیش آنا چاہیے اور یہہ فرمایا ہے کہ

"لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين۝ إنما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين وأخرجوكم من دياركم وظاهروا على إخراجكم أن تولوهم ومن يتولهم فأولئك هم الظالمون" (آیت ۷ — ۸)

"جو لوگ تمسے لڑتے نہیں اور نہ تمکو تمہارے گھروں سے نکالا ہے اُنکے ساتھ سلوک اور احسان کرنے سے خدا تمکو منع نہیں کرتا بلکہ سلوک کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے صرف اُنسے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے جو تمسے لڑتے ہیں تمہارے دین کے سبب سے اور تمکو تمہارے گھروں سے نکال دیا ہے اور جنھوں نے تمکو تمہارے گھروں سے نکال دینے پر نکالنے والوں کی مدد کی ہے"

ان تمام آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ لڑائی کا حکم کسی کو زبردستی اسلام قبلوانیکے لئے نہیں ہے۔ بلکہ جو لوگ مسلمانوں کو قتل کرنا اور اُن سے لڑنا چاہتے تھے اُن سے محفوظ رہنے کے لئے لڑنیکا حکم ہوا ہے۔ اور لڑائی میں یا لڑائی کے موقوف ہو جانے اور امن کے قایم ہو جانے پر کسی کے مذہب سے کسی قسم کا تعرض مقصود نہیں۔ مخالفین اسلام چند آیتیں اس امر کے ثابت کرنے کو پیش کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں عموماً کافروں کے قتل کرنیکا حکم ہے۔ اور نیز بجبر ہتھیاروں کے زور سے اونکو مسلمان کرنے کی ہدایت ہے۔ مگر اُن کا یہہ کہنا محض غلط اور صریح ہٹ دھرمی ہے۔ جسکو بالتفصیل ہم بیان کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ سورہ بقرہ اور سورہ نسا میں آیا ہے کہ "وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ" اسمیں صاف حکم ہے کہ کافر جہاں ملیں اُن کو قتل کرو۔ مگر یہہ اونکی صریح غلطی ہے۔ حرم کعبہ میں قتل و قتال زمانہ جاہلیت سے منع تھا مگر جب قریش مکہ سے لڑائی ٹھنی تو خدا نے حکم دیا کہ انکو جہاں پاؤ یعنی حرم کعبہ میں یا اسکے باہر۔ اُنسے لڑو اور انکو قتل کرو پس اس آیت سے عموماً کافروں کا قتل کرنا کہاں سے نکلتا ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ قرآن مجید میں اُن ہی سے لڑنیکا حکم ہے جو مسلمانوں سے لڑتے ہوں نہ اُنسے کہ جو لڑنا نہیں چاہتے۔

وہ کہتے ہیں کہ سورہ نسا میں صاف حکم ہے کہ "جبتک کافر مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں نہ چلے آئیں انکو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو کافروں کا

مدینہ میں ہجرت کرکے آنا اور مسلمان ہوجانا برابر ہے۔ پس اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جبتک کافر مسلمان نہ ہوجائیں انکو جہاں پاؤ مار ڈالو" مگر یہ دلیل محض غلط ہے۔ یہ آیت مکہ کے منافقوں کے حق میں ہے جیسا کہ اس آیت کے اوپر بیان کیا ہے "فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ" الخ مکہ کے بہت سے لوگ نفاق سے اپنے تئیں مسلمان کہتے تھے اور مسلمانوں کو تردد تھا کہ انکے ساتھ لڑائی میں کس طرح کا معاملہ کریں۔ ان

"وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا۔ سورہ نسا آیت ۹۱

کی نسبت خدا نے فرمایا کہ انکا یہ کہنا کہ ہم مسلمان اور تمہارے طرفدار ہیں ہرگز نہ مانو۔ اگر وہ سچے ہیں تو ہجرت کرکے چلے آئیں۔ پھر اگر وہ نہ آئیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ جھوٹے اور منافق تھے تو لڑائی میں انکو بھی جہاں پاؤ حرم کے اندر یا باہر مارو اور قتل کرو۔ پس ہجرت کا حکم کسی شخص کی نسبت جو مسلمان ہونیکا دعویٰ نہیں کرتا تھا نہیں دیا گیا۔ وہ دلیل لاتے ہیں کہ سورہ نسار

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔ (سورہ نسا آیت ۷۶)

کی بعض آیتوں میں مطلقاً کافروں سے لڑنیکا حکم ہے"۔ مگر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ان آیتوں سے کیا مطلب ثابت ہوتا ہے۔ بلاشبہ ان آیتوں اور اور بہت سی آیتوں میں لڑنیکا حکم ہے مگر لڑائی بھی ان ہی لوگوں سے جائیگا جنسے

"فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک وحرض المؤمنین عسی اللہ ان یکف بأس الذین کفروا واللہ اشد بأسا واشد تنکیلا" (سورہ نسار آیت ۸۶)	لڑنے کا حکم ہے - اور وہ وہی لوگ ہیں جو مسلمانوں سے بخصوصیت دین لڑتے ہیں - علاوہ اسکے اُن آیتوں میں بھی کسیکو بجبر اور ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنیکا اشارہ تک نہیں ہے -

اسی قسم کی آیتیں سورہ تحریم اور سورہ فرقان اور سورہ توبہ میں بھی آئی ہیں جنمیں کافروں سے لڑنے اور لڑائی میں اُنکے قتل کرنیکا حکم ہے - مگر جن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے اُن ہی لوگوں سے لڑنیکا حکم ان آیتوں میں ہے نہ عموماً ہر ایک کافر یا عام کافروں سے لڑنے کا -

یا ایہا النبی جاہد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم وماواہم جہنم وبئس المصیر (سورہ تحریم آیت ۹)	پس یہہ کہنا کہ اِن آیتوں میں لڑنے کا حکم ہے اور اس بات کو چھپا لینا اور نہ بیان کرنا کہ کن لوگوں سے منجملہ کفار کے لڑنے کا حکم ہے
فلا تطع الکافرین وجاہدہم بہ جہادا کبیرا (فرقان آیت ۵۲) قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب	صریحاً ہٹ دھرمی ہے - قرآن مجید میں کسی کافر سے بحیثیت کفر اُس سے لڑنیکا حکم نہیں ہے - صرف تین قسم کے کافروں سے لڑنے کا حکم ہے - ایک وہ جو مسلمانوں سے لڑتے ہیں دوسری وہ جنہوں نے عہد شکنی کی ہو - اور مسلمانوں سے لڑنے والونکے ساتھ جا ملے ہوں تیسری وہ جنکے ہاتھ میں

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰاغِرُوْنَ ۝ (سورہ توبہ آیت ۲۹)

قَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَآفَّۃً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَآفَّۃً ۝ (ایضاً آیت ۳۶)

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَۃً ط (ایضاً آیت ۱۲۴)

مسلمان عورت و مرد اور بچے بطور قیدی کے ہوں - اور وہ انکو اندا پہنچاتے ہوں ایک قسم کا تو ہم ابھی بیان کر رہے ہیں اور باقی قسموں کو بھی عنقریب بیان کرینگے پھر کون شخص یا کوئی قوم جنسی مہذب اس قسم کی لڑائی کو ناواجب یا ظلم کہہ سکتا ہے اور کیونکر اس قسم کی لڑائیوں کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ وہ بزور شمشیر اسلام قبول کروانے کے لیے کی گئی تھیں - ہاں چند آیتیں ہیں جن پر بحث کرنا ہمکو ضرور ہے - سورہ بقرہ - اور انفعال میں خدا نے

قَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ۝ (سورہ بقرہ [illegible])

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَھُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ ط (سورہ فتح آیت ۱۶)

وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ - (انفعال آیت ۴۰)

فرمایا ہے کہ وہ کافروں سے لڑو تاکہ فتنہ مٹ جائے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے" اور سورہ فتح میں فرمایا ہے کہ وہ اسکے پیغمبر تو ان گنوار عربوں سے جو پیچھے رہ گئے تھے کہدے کہ تم ایک سخت لڑنیوالی قوم سے لڑنیکو بلائے جاؤ گے - پھر تم انسے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جاینگے -

معترض کہہ سکتا ہے کہ ان آیتوں سے اس بات کا اشارہ نکلتا ہے کہ جبتک کافر مسلمان نہو جائیں انسے لڑتے جانا

چاہیئے اول تو یہ کہنا غلط اس لئے ہے کہ اِن لفظوں سے کہ "یکون الدین کلہ للہ" کسی طرح یہ مطلب نہیں نکلتا کہ جبتک کافر مسلمان نہوں اُنسے لڑتے ہی جاؤ۔ کیونکہ اِن لفظوں کے صریح یہ معنی ہیں کہ "دین خدا کے لئے ہو جاوے۔ یعنی کافروں کی مزاحمت احکام مذہبی کے بجا لانے میں جاتی رہے" سورۂ توبہ میں بھی اللہ نے فرمایا ہے کہ

"فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم کل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوٰة واٰتوا الزکوٰة فخلوا سبیلهم ان اللہ غفور رحیم" (توبہ آیت ۵)

"مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ اور پکڑو اُنکو اور گھیرو اُنکو اور اُنکی گھات میں بیٹھو۔ پھر اگر توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکات دیں تو اُنکا رستہ چھوڑ دو یعنی پھر کچھ تعرض نکرو۔ بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان"

معترضین کو اِس مقام پر نہایت موقع ہے اگر وہ کہیں کہ نماز ادا کرنے اور زکات دینے کو مشروط کرنا صاف ایسا ہے جیسے کہ اسلام لانیکو شرط کرنا۔ مگر جب اُسکی تفریع پر خیال کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ اُس شرط کو لڑائی سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اُنکی آمد و رفت کی روک ٹوک کے موقوف ہونیسے تعلق ہے۔ جبتک وہ کافر تھے بلاشبہ روک ٹوک اور خبرگیری کی ضرورت تھی کیونکہ اُنسے اندیشہ تھا۔ مگر مسلمان ہونے کے بعد وہ اندیشہ نہیں رہا اسلئے فرمایا "فخلوا سبیلهم" اِن سب باتوں سے قطع نظر کرکے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اِن آیتوں میں اُن الفاظ

سے مُسلمان ہوجانا ہی مقصود ہے تو بھی منجملہ اسباب موقوفی لڑائی کے اسلام بھی ایک سبب ہے مگر اس تسلیم کے بعد بھی بجبر و بزور شمشیر کافروں کا مُسلمان کرنا لازم نہیں آتا۔ ہمنے بالتفصیل اوپر بیان کیا ہے کہ کفار سے لڑائیکا حکم صرف مسلمانوں کے لئے امن قائم کرنیکا تھا اور وہ امن صرف تین طرح پر قایم ہو سکتا تھا۔

اوّل۔ قبل جنگ یا بعد جنگ آپسمیں صلح ہونے اور امن کا معاہدہ ہونیسے جسکے کرنیکا خدا نے حکم دیا ہے۔ جہاں فرمایا ہے "فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا" اور خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی کافر قوموں سے امن کے معاہدے کئے ہیں جنکا ذکر آگے آئیگا

دُوسرے۔ فتح پانے اور کافروں کا مغلوب ہو کر جزیہ دینا قبول کرنیسے جسکے بعد وہ اپنے دین و مذہب پر بدستور قایم رہتے ہیں جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے "حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ"

تیسرے مسلمان ہوجانیسے۔

پس یہ تینوں صورتیں امن قایم ہونیکی ہیں۔ ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آئے تو لڑائی قایم نہیں رہتی تھی۔ پس ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ لڑائی سے بزور شمشیر کافروں کو مسلمان کرنا مقصود نہ تھا بلکہ صرف امن کا قایم کرنا مقصود تھا۔ دوم اُن لوگوں سے لڑنیکا حکم ہے جنہوں نے دغابازی کی ہو اور معاہدوں کو توڑ دیا ہو۔ خدا نے سورۂ توبہ میں

فرمایا ہے کہ

وَاِنْ نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَھْدِھِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْکُفْرِ اِنَّھُمْ لَآ اَیْمَانَ لَھُمْ لَعَلَّھُمْ یَنْتَھُوْنَ ؕ	"اگر عہد کرنیکے بعد اپنی قسم کو توڑ دین تو جو کفر کے سردار ہیں اُنسے لڑو - کیونکہ اُنکی قسم کچھہ نہین"
(سورہ توبہ آیت ۱۲)	اور ایک جگہہ فرمایا ہے کہ
اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَھُمْ وَھَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَھُمْ بَدَءُوْکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ (سورہ ایضاً آیت ۱۳	"کیون نہین لڑتے ایسی قوم سے جسنے اپنی قسم توڑ دی اور رسول کو نکالنا چاہا اور اُن ہی نے پہل کی"
اَلَّذِیْنَ عَاھَدْتَّ مِنْھُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَھُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّةٍ وَّھُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ؕ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّھُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِھِمْ مَّنْ خَلْفَھُمْ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ؕ	اور سورہ انفال مین فرمایا ہے کہ "جن لوگون سے تو نے عہد کیا ہے پھر اُنہون نے اپنا عہد ہر دفع توڑ دیا اور پرہیزگاری نہین کرتے (یعنی عہد شکنی سے نہین بچتے) پھر اگر تو اونکو لڑائی مین پاوے تو اُنکو ایسا مار کہ اُنکے پیچھے جو لوگ ہین متفرق ہوجائین"

پس معاہدہ توڑنیکے بعد اُن سے لڑنا امن قایم رکھنے کے لئے ایسا ہی ضرور ہے جیسا کہ معاہدہ کرنا کیونکہ بغیر اِسکے نہ امن قائم رہ سکتا ہے نہ معاہدہ - مگر ایسی حالت مین لڑنا اس بات کا ثبوت نہین ہے کہ اُس سے بزور شمشیر اُنکو مسلمان کرنا مقصود ہے - اور نہ ایسی لڑائی مہذب سے مہذب قوم کے نزدیک بھی ناواجب ہے - سوم اُن لوگون سے لڑنیکا حکم

سے ہے جنھوں نے مسلمانوں کو اور اُن کے بچوں اور عورتوں کو عذاب میں اور تکلیف میں ڈال رکھا ہے۔ اُسکا ذکر سورہ نساء میں ہے جسکو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور ترتیب قایم رکھنے کے لیے اُس آیت کو دوبارہ لکھتے ہیں خدا نے فرمایا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا

(سورہ نساء آیت ۷۷)

"کیا ہوا ہے تمکو کہ نہیں لڑتے ہو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کے بچانے کے لیے مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو نکال اس شہر سے کہ ظلم کرنیوالے ہیں اُسکے لوگ اور کر ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی والی اور کر ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار"

کیا یہہ انسانیت اور رحم کی بات نہیں ہے؟ کہ لاچار بے بس مسلمان مرد اور عورتوں اور بچوں کو کافروں کے ظلم سے بچایا جاوے۔ اور اُنکی فریادرسی کے لئے ہتھیار اُٹھایا جاوے۔ کون شخص ہے جو اس لڑائی کو ناواجب کہہ سکتا ہے" (انتہی قول سلمہ اللہ تعالیٰ)

اب ہم اُن واقعات کو بیان کرتے ہیں جو غزووں اور سریوں کے نام سے مشہور ہیں۔ اور یہہ دکھاتے ہیں کہ کوئی غزوہ یا سریہ اس مقصد سے نہیں ہوا تھا کہ بجبر و بزور شمشیر لوگوں کو مسلمان کیا جاوے بلکہ ہر ایک

غزوہ یا سریّہ کا کوئی نہ کوئی سبب اُن ہی اسباب میں سے تھا
جن کو جناب سیّد نے اپنی مندرجہ صدر تقریر میں مفصل بیان کیا ہے
بزرگ سید نے اِن واقعات کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے
مگر ہم کسیقدر تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے۔ اور چونکہ اِن کے وقوع کو کسی
مورّخ نے کسی سنہ میں اور کسی نے کسی سنہ میں لکھا ہے اسلئے تتبعاً جناب سید کو
بھی مجبوراً اُن میں سے ایک سلسلہ اختیار کرنا پڑا اور ہم نے اُسی سلسلہ کو اختیار
کیا جسکو اُنہوں نے اختیار کیا ہے۔ اور اُن کے سنہ بیان کرنے میں محرم
سے سال کی تبدیلی کا لحاظ نہیں کیا بلکہ واقعی زمانہ ہجرت سے برس کا شمار کیا ہے
اور اگرچہ اُن میں سے بعض واقعے ایسے ہیں جو نہ سریہ تھے نہ غزوہ مگر
اُنکو بھی احتیاطاً لکھدیا ہے۔ بزرگ سید نے اِن واقعات اور اُنکے مقامات
کو جن کتابوں سے اخذ کیا ہے وہ یہہ ہیں۔

سیرت[۱] ہشامی۔ کامل[۲] التواریخ ابن اثیر۔ مواہب[۳] اللدنیہ۔ تاریخ
ابن[۴] خلدون۔ تاریخ ابو الفدا۔ سیرت ابن اسحاق۔ مغازی[۷] واقدی
تاریخ[۵] یافعی۔ تاریخ واقدی۔ سیرت[۱۱] المحمدیہ مولوی کرامت علی
زاد[۱۱] المعاد ابن القیم۔ فتوح البلدان بلاذری۔ صحیح[۱۳] بخاری۔ صحیح
مسلم[۱۴]۔ مراصد[۱۵] الاطلاع۔ مشترک[۱۶] یاقوت حموی۔ معجم[۱۷] البلدان۔
جنمیں ہم تاریخ[۱۸] التواریخ اور تاریخ[۱۹] واشنگٹن ارونگ کو بھی شامل کرتے ہیں

سریہ سیف البحر یعنی ساحل بحر

یہہ ایک جگہہ بحر قلزم کے کنارہ پر ینبع کے متعلق ہے۔

ہمارے اختیار کردہ سلسلہ کے موافق یہہ پہلا سریّہ ہے جو بہ سرداری
حضرت حمزہ بن عبدُ المُطّلب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل مکہ
کے تجسس حال کے لیے بھیجا گیا تھا اور اُنمیں تیس۳۰ سوار تھے۔ قریش
کی دشمنی اور عداوت کا حال تو ظاہر ہی تھا۔ مگر اب جو مدینہ پر اُنکے حملہ کے ارادہ
کی خبریں سنی جانے لگیں تو صحیح حال معلوم کیا جانا ضرور ہوا تاکہ مدینہ کے
تحفّظ اور قریش کے حملہ کو روکنے کا انتظام ہو سکے۔ پس جب یہ لوگ بمقام
سَیفُ البحرُ پہنچے تو ابو جہل کو مکہ والوں کے تین۳۰۰ سو سواروں کیساتھ
موجود پایا۔ اب لڑائی ہونے میں شک نہ تھا مگر مجدی بن عمرو الجُھنی
نے جو دونوں فریق کا حلیف تھا سمجھا بوجھا کر لڑائی نہونے دی اور ابوجہل
مکّہ کو اور حضرت حمزہ مدینہ کو چلے آئے۔

بعض مورخوں نے جو یہہ لکھا ہے کہ یہ سریّہ اُس قافلہ پر بھیجا گیا تھا
جو ابو جہل کے ساتھ شام سے مکہ کو آرہا تھا وہ اسلیئے غلط ہے کہ تیس۳۰
آدمیوں کا تین سو سواروں پر بھیجا جانا ممکن نہیں ہے۔ البتہ خبر رسانی کے لیئے
اور دشمنوں کے ارادہ کی تفتیش کے لیئے جو ایک ضروری امر تھا ہو سکتا ہے
چنانچہ وہ نتیجہ حاصل ہوا اور اون کی حملہ آوری کی نیت کی خبر ملگئی۔

سریہ رابغ۔ شوال سنہ ۱ ہجری

یہہ ایک میدان ہے درمیان ابوا اور جحفہ کے۔ اِس سریّہ میں ساٹھ
یا اسی۸۰ سوار تھے اور آنحضرتؐ کے چچا زاد بھائی عبیدہ بن الحارث
اُنکے سردار تھے۔ جب یہ لوگ ثنیۃ المرۃ میں پہنچے تو قریش کے دو سو۲۰۰

سوار سرداری عکرمہ بن ابی جہل یا مکرز بن حفص کے موجود پائے

جنمیں سے مقداد بن عمرو حلیف بنی زہرہ اور عتبہ بن غزوان

حلیف بنی نوفل جو دل ہیں مسلمان تھے موقع پاتے ہی ادھر چلے آئے

اور غالباً یہی باعث لڑائی ہونے کا ہوا۔ کیونکہ اگر ہوتی تو قبیلہ بنی

زہرہ اور بنی نوفل اپنے حلیفوں مقداد اور عتبہ کیوجہ سے قریش

سے برگشتہ ہو جاتے۔ مگر بعض مورخوں نے اسکا سبب یہ بیان کیا ہو

کہ کافروں کو یہ گمان ہوا کہ مسلمانوں کا اپنے سے اسقدر زیادہ جنگ آزمودہ

سواروں کے مقابلہ میں آنا بجز اسکے نہیں ہو سکتا کہ اُنکے پیچھے گھات میں

کوئی بھاری فوج ہے۔ اور اسلئے وہ دور ہی سے چند تیر مار کر بھاگ گئے

جسکو مسلمانوں نے غنیمت جانا اور مدینہ کو واپس چلے آئے۔

یہ سریہ خواہ بقصد دریافت حالات اہل مکہ بھیجا گیا ہو۔ یا بارادہ مقابلہ

لشکر قریش مگر حملہ آوری کے طور پر بھیجنا کسی طرح قرار نہیں پا سکتا۔ انتہا یہ ہے

کہ قریش کے حملہ کے روکنے کے لئے جو امن رہنے کے لئے لازمی تھا

بھیجا گیا تھا۔

سریہ خرار۔ ذی قعد سنہ ۱ ہجری

یہ جحفہ کے نزدیک مقام ہے۔ اِس سَرِیّہ میں اٹھ آدمی[۱]

مہاجرین میں سے تھے اور سعد بن ابی وقاص اُنکے سردار تھے اُنکو میں

کسی دشمن کا پتہ نہیں ملا اور خرار تک جاکر واپس آگئے اس سے ظاہر ہے کہ

[۱] ناسخ التواریخ میں بیس[۲] لکھے ہیں۔ مولف عفی عنہ۔

یہ لوگ صرف خبر رسانی کی غرض سے روانہ ہوئے تھے۔

غزوہ ودان یا غزوہ ابوا۔ صفر سنہ (۱) ہجری

یہ ایک بستی مکہ اور مدینہ کے درمیان فرع کی طرف جحفہ کے پاس تھی جو ہرشی وہاں سے چھ میل اور ابوا آٹھ میل تھا۔ ابوا فرع کے متعلقات سے ہے اور وہاں حضرت امین عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ خاتون کی قبر ہے۔ خود جناب رسول خدا اس سفر میں تشریف لیگئے اور بنی ضمرہ بن بکر بن عبد مناف بن کنانہ سے جنکا سردار مخشی بن عمرو الضمیری تھا اس بات کا معاہدہ کیا کہ وہ نہ آپکی مدد کرینگے نہ قریش مکہ کی۔ اور یہ معاہدہ کرکے واپس تشریف لے آئے۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ مدینہ والوں کو قریش مکہ کے حملہ کا کسقدر خوف تھا۔

غزوہ بواط۔ ربیع الاول سنہ (۱) ہجری

یہ ایک پہاڑ ہے جہنیہ کے پہاڑوں میں سے رضوی کے پاس خود آنحضرت صلعم نے سفر فرمایا اور رضوی کی طرف سے بواط میں ہو کر واپس تشریف لے آئے۔ یہ صرف ایک سفر تھا خواہ اُس سے مقصود لوگوں میں وعظ کرنا ہو یا قریش مکہ کے ارادوں کا پتہ لگانا یا دونوں۔

غزوہ سفوان۔ یا بدر اولی۔ ربیع الاول سنہ (۲) ہجری

یہ بدر کے پاس ایک میدان ہے۔ اور بدر ایک چشمہ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان وادی صفرا کے اخیر پر واقع ہے اور وہاں سے سمندر کا کنارہ ایک رات بسے کا رستہ ہے۔ کرز بن جابر الفہری نے

مدینہ والوں کی مویشی لوٹ لی تھی۔ پس آنحضرت نے بذات خاص اُن کا تعاقب کیا اور سفوان تک تشریف لے گئے۔ مگر وہ ہاتھ نہ آئے

غزوہ ذوالعشیرہ۔ جمادی الآخر سنہ (۲) ہجری

یہ ایک جگہ ہے مکہ اور مدینہ کے درمیان ینبوع کی طرف خود آنحضرتؐ نے سفر کیا اور بنی مدلج اور اُنکے حلیف بنی ضمرہ سے امن کا معاہدہ کر کے واپس تشریف لے آئے۔

سریہ نخلہ۔ رجب سنہ (۲) ہجری

یہ ایک جگہ ہے مکہ کے پاس مکہ اور طائف کے درمیان اس سریہ میں مہاجرین میں سے آٹھ آدمی اور بعضوں نے لکھا ہے کہ بارہ۱۲ آدمی تھے اور آنحضرتؐ کے پھوپھی زاد بھائی عبد اللہ بن جحش اُنکے سردار تھے۔ چونکہ ان لوگوں کا مکہ کے قریب بھیجا جانا مقصود تھا جہاں جان جانیکا نہایت اندیشہ تھا اسلئے آنحضرتؐ نے احتیاطاً عبد اللہ کو ایک سر بمہر پرچہ دیکر حکم دیا کہ مکہ کی طرف چلے جاؤ اور تین روز بعد اسکو کھولکر پڑھو۔ اور جو لکھا ہے اُسپر عمل کرو۔ اس پرچہ میں لکھا تھا کہ اِمضِ حَتّٰی تَنزِلَ نَخلَۃَ فَتَرَصَّد بِھَا قُرَیشًا وَتَعلَم لَنَا مِن اَخبارِھِم۔ یعنی نخلہ تک برابر چلے جاؤ اور جب وہاں پہنچ جاؤ تو مخفی طور پر دشمنوں کی حرکات و سکنات کو دیکھو اور اُن کے ارادوں کی خبر لاؤ۔ مگر اِن کے نخلہ میں پہنچنے کے دو دن بعد جو کیا ایک قریش کا ایک چھوٹا سا قافلہ طائف کا مال تجارت لئے ہوئے آن پہنچا تو عبد اللہ

اور اُن کے ساتھیوں نے حکم کے برخلاف اُنپر حملہ کردیا اور عمرو بن عبد اللہ
الحضرمی جو مکہ کے سرداروں میں سے تھا تیر سے مارا گیا اور حکم
بن کیسان اور عثمان بن عبد اللہ المخزومی جو ابو جہل کے قبیلہ
میں سے تھا گرفتار ہو گئے۔ مکہ والوں میں سے کسی نے اِنکا تعاقب
نہیں کیا۔ جسکی وجہ غالباً یہہ تھی کہ ابن اثیر کی ایک روایت کے موافق جو
درایتہً صحیح معلوم ہوتی ہے رجب کا مہینہ ختم نہیں بلکہ شروع ہو گیا تھا جسمیں
مشرکین عرب لڑائی کو حرام مطلق جانتے تھے۔ کیونکہ اگر یہہ وجہ نہوتی تو
عبد اللہ اور اُسکے ساتھیوں میں سے کسی ایک کا بھی زندہ بچنا محال تھا
جب یہ لوگ لوٹ کا مال اور قیدیوں کو لیکر مدینہ میں آئے تو آنحضرتؐ
کو اونکی اس حرکت سے بہت ملال ہوا اور آپ نے اُنکو بہت ملامت کی
اور قیدیوں کو سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کے واپس آنے
پر جو اپنے اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے تھے اس غرض سے چھوڑ دیا
اور عبد اللہ بن الحضرمی کا خونبہا بھی اپنے پاس سے دیدیا کہ مکہ والوں
کے کینہ کو اشتعال نہو۔

اِس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سریوں کے بھیجنے سے قریش
کے ساتھ چھیڑ چھاڑ مقصود نہ تھی جیسا کہ سر ولیم میور وغیرہ نے لکھا ہے
بلکہ صرف اُن کے ارادوں کا حال دریافت کرنا مقصود تھا نہ لڑنا اور کسی
پر حملہ کرنا۔ اور نیز یہہ کہ کوئی شخص بجبر مسلمان نہیں کیا جاسکتا۔

غزوۂ بدر الکبریٰ - رمضان ۲ سنہ ہجری

جیسا کہ متوقع تھا عبداللہ بن حجش کی اس خلاف حکم حرکت سے قریش

کے مدینہ پر حملہ کرنیکے ارادہ کو سخت تحریک ہوئی اور اُنھوں نے قریب

ایکہزار کے جنگ آزمودہ لوگ جمع کیے جنمیں سے ۱۰۰ کے پاس گھوڑے

اور باقی کے پاس سواری اور بار برداری کے لئے سات سو اونٹ تھے

ہمدریں اثنا اُنکو یہہ خبر پہنچی کہ اُنکا وہ قافلہ جسکو ابو سفیان بن حرب تیس ۳۰ یا

چالیس ۴۰ آدمیوں کے ساتھ شام سے مکہ کو لئے آرہا تھا اور جس میں بہت

سامال و اسباب تھا مسلمان اُسپر حملہ کرنا اور اوسکو لوٹنا چاہتے ہیں - اگرچہ یہہ خبر

فی الواقع صحیح نہ تھی مگر اُسنے آگ پر تیل کا کام کیا اور قریش فوراً قافلہ کے

بچانے اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے چل کھڑے ہوئے - اوہر مدینہ

میں بھی یہہ خبر پہنچ چکی تھی کہ قریش مکہ سے بڑے کرو فر کے ساتھ مدینہ

پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں اور یہ بھی کہ اُنکا ایک قافلہ بہت سامال

و اسباب تجارت لئے ہوئے شام سے مکہ کو جا رہا ہے - پس رسول خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین سو تیرہ ۳۱۳ لڑنے والے لوگوں کے ساتھ مدینہ

سے کوچ فرمایا جن میں سے ایک یا دو کے پاس گھوڑے تھے اور باقی

لوگوں کے لئے صرف ستر اونٹ تھے جنپر نوبت بہ نوبت تین تین ۳ چار چار ۴ آدمی

سوار ہوتے تھے - چنانچہ خود آنحضرت صلعم اور جناب علی مرتضی اور زید بن حارثہ

ایک ہی اونٹ پر نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے - پس بمقام بدر پہنچکر

قریش سے لڑائی ہوئی - اور اُن کے ستر آدمی مارے گئے اور اسیقدر گرفتار ہوگئے

اور اُن کا تمام مال و اسباب جو وہ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے مسلمانوں کو ملگیا۔ مقتولین میں سے ابو جہل اور ربیعہ کے دونوں بیٹے عُتبہ اور شیبہ اور عتبہ کا بیٹا ولید اور حنظلہ بن ابی سفیان اور نوفل اور ابو البختری وغیرہ چوبیس[۲۴] آدمی قریش کے نامی گرامی سرداروں میں سے تھے جنمیں سے موافق روایت ابن ہشام نو کو جناب علی مرتضیٰ نے لڑ کر مارا۔ اور یہہ پہلی وقعہ تھی کہ آپکو اپنی بے مثل شجاعت و شہامت کے جوہر دکھانیکا موقع ملا۔ مسلمانوں میں سے صرف چودہ[۱۴] آدمی مارے گئے جنمیں سے چھہ[۶] مہاجرین اور آٹھہ[۸] انصار تھے۔ قیدیوں میں سے دو شخص نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط جن کی دشمنی مذہب اسلام سے مشہور و معروف تھی اُسوقت کی لڑائی کے دستور کے موافق اپنی کردار زشت کی سزا کو پہنچے۔ یعنی قتل کئے گئے۔ مگر باقی قیدیوں کی نسبت سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ "بہ تعمیل حکم آنحضرت مسلمانوں نے انکو اپنے گھروں میں رکھا اور بڑی خاطر و مدارات کی۔ چنانچہ چند روز کے بعد اُن میں سے ایک قیدی نے کہا کہ خدا اہل مدینہ کو آباد رکھے کہ انہوں نے ہمکو سواری پر چڑہایا اور خود پیدل چلے۔ اور ہمکو گیہوں کی روٹی کھلائی اور آپ کھجوروں پر قناعت کی" سر سید احمد خان بہادر اس لڑائی کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ "زمانہ جاہلیت میں غنیمت کے مال کا جیسا کہ اشعار+ مندرجہ حاشیہ سے ظاہر ہوتا ہے یہہ دستور تھا کہ تقسیم ہونے سے پہلے

+ ہم نے یہہ اشعار بغرض اختصار چھوڑ دیئے ہیں۔ مؤلف عفی عنہ

سردار لشکر جو چیز چاہتا پسند کر لیتا تھا۔ اور بروقت تقسیم ربع یعنی حصہ چہارم سردار لشکر کو دیا جاتا تھا اور باقی لڑنے والوں اور فتح کرنے والوں میں تقسیم ہوتا تھا اور خاص کسی شخص کے ہاتھ جو مال آتا تھا وہ اُسکو اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔ غالباً فتح کرنے والوں میں نسبت کسی مال غنیمت کے اس قسم کا جھگڑا پیدا ہوا کہ کوئی اُسکو خاص اپنی ملکیت قرار دیتا تھا اور کوئی اپنی ملکیت۔ اور کوئی مشترک ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ اور اُسوقت تک مسلمانوں کے لیے غنیمت کے مال کی نسبت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اسلیے لوگوں نے آنحضرت سے غنیمت کے مال کی نسبت پوچھا۔ اسپر یہ حکم ملا کہ "قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ" یعنی غنیمت کا مال کسی کی ملکیت نہیں بلکہ خدا اور رسول کی ملکیت ہے" رسول کا نام لینے سے یہ مدعا نہیں ہے کہ رسول کی ذاتی ملکیت ہے بلکہ اس طرح کے کلام سے صرف خدا ہی کی ملکیت ہونا مراد ہے۔ خدا کی ملکیت قرار دینے سے یہہ مراد ہے کہ کوئی خاص شخص اُسپر دعویٰ نہیں کرسکتا بلکہ خدا جسطرح پر حکم دیگا اُس طرح پر کیا جائیگا۔ پھر اسی سورہ (یعنی انفال) کی بیالیسویں آیت میں یہہ حکم آیا کہ وہ مال غنیمت میں سے خمس خدا اور رسول کے لئے ہے جو قرابت مندوں اور غریبوں اور یتیموں اور مسافروں کے فائدہ کے لئے رہیگا۔ اور چار خمس اُن لوگوں میں جو لڑتے تھے یا لڑائی کے متعلق کاموں میں مصروف تھے تقسیم کیا جائیگا۔

جو رسم کہ زمانہ جاہلیت میں تھی اُس سے یہ حکم تین باتوں میں مختلف تھا اوّل۔ سردار کی چوتھ موقوف کرنے اور خدا کے لئے خمس نکالنے میں

دویم - عام طور پر کسی خاص مال پر کسیکا حق نہونے میں -

سویم - جو لوگ عین لڑائی میں موجود تھے اور جو لوگ لڑائی کے متعلق کسی کام پر متعین تھے اُنکو بھی مال غنیمت میں سے حصہ ملنے میں -

یہ تمام احکام اور خصوصاً خمس کا نکالنا ایسے عمدہ احکام ہیں کہ اُنسے بہتر اور مفید تر کوئی حکم مال غنیمت کی نسبت نہیں ہو سکتا" انتہٰے قولہ سلمہ

مسٹر جارج سیل اپنے ترجمۂ قرآن میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ وہ یہ عجیب بات ہے کہ پیغمبر اسلام کے اصحاب میں بھی جنگ بدر کے مال غنیمت پر ویسی ہی نزاع پیدا ہوئی جیسے حضرت داؤد کی فوج میں عمالقہ کے مال غنیمت پر جھگڑا ہوا تھا - جو لوگ لڑائی میں شریک ہوے تھے اُنہوں نے یہی اصرار کیا کہ جو لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اُنکو مال غنیمت میں کچھ حصہ نہ ملنا چاہیئے - اور دونوں صورتوں میں یہی فیصلہ کیا گیا کہ وہ سب برابر تقسیم کر لیں اور یہہ فیصلہ آیندہ کے لئے قانون ہو گیا -

مگر مسٹر سیل کا یہہ تعجب بیجا ہے کیونکہ حضرت داؤد کا فیصلہ حکم ربانی کی رو سے تھا اور آنحضرتؐ نے جو فیصلہ فرمایا وہ بھی خدا کی ہدایت سے تھا اور اسی لئے دونوں باہم موافق تھے - اس لڑائیکا اصل واقعہ تو اسیقدر ہے جو ہمنے صاف طور پر بیان کر دیا ہے - مگر چونکہ مخالفین اسلام نے اسپر بہت کچھ الزام لگاے ہیں اسلئے بزرگ مجاہد (سر سید احمد خان بہادر) نے اسکی نسبت نہایت عمدہ اور محققانہ بحث کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ وہ الزام محض غلط ہیں - چنانچہ فرماتے ہیں کہ "اب چند امر اسمیں بحث طلب ہیں

اوّل یہہ کہ مکہ کے قریش نے کیوں لڑائی کے لیئے لوگ جمع کئے تھے اور کیوں لڑنیکے ارادہ سے نکلے تھے ۔ تمام مسلمان مورخ لکھتے ہیں ہیں کہ قریشِ مکہ کو یہہ خبر پہنچی تھی کہ آنحضرت کا ارادہ ابی سفیان والے قافلہ کے لوٹنے کا ہے اسلیئے اُنہوں نے اُس قافلہ کے بچانیکو لوگ جمع کیئے اور لڑائی کے ارادہ سے نکلے ۔ اگر یہہ روایتیں صحیح مان لی جائیں توبھی یہ بات لازم نہیں آتی کہ جو خبر اُنکو پہنچی تھی وہ صحیح تھی اور درحقیقت آنحضرت کا ارادہ اُس قافلہ کو لوٹنے کا تھا ۔ علاوہ اسکے جبکہ قریش مکہ نے بہت سے لڑنے والے آدمی جمع کرکے لڑائی کے ارادہ پر کوچ کیا تھا تو اس بات کا کسی طرح پر یقین نہین ہوسکتا کہ اُن کا ارادہ صرف اُس قافلہ ہی کی حفاظت کا تھا اور خاص مدینہ پر چڑھائی کرنے کا نہ تھا ۔ بلکہ دو دلیلیں ایسی صاف ہیں جنسے پایا جاتا ہے کہ اُن کا ارادہ اُس سے زیادہ تھا اسلیئے کہ اُنہوں نے اسقدر آدمی جمع کیئے تھے اور لڑائی کا سامان اور نفیر٭ عام اس طرح پر کی تھی جو قافلہ کی حفاظت کی ضرورت سے بہت زیادہ تھی ۔ اور جبکہ وہ قافلہ خدشہ کی مقام سے بچکر نکل گیا اُسوقت بھی اُنہوں نے کوچ کو اور لڑائی کے ارادہ کو موقوف نہیں کیا ۔ اور اگر فرض کیا جاوے کہ اُن کا ارادہ اُس قافلہ ہی کے بچانیکا تھا تب بھی اہل مدینہ کو کسی طرح اسبات پر اطمانیت نہیں ہوسکتی تھی کہ اُنکا ارادہ مدینہ پر حملہ کرنے کا نہیں ہے ۔ بلکہ جو عداوت اہل مکہ کو مہاجرین اور مدینہ کے انصار سے تھی اور جس پر حملہ کرنے اور غارت کرنیکی وہ ہمیشہ

٭ ۔ لڑائی کے لیے لوگوں کے جمع کرنیکو عربی زبان مین "نفیر" کہتے ہین ۔ مولف عفی عنہ

دھمکی دیتے تھے اور اُسکے خواہشمند بھی تھے وہ ایک قومی دلیل
اس خیال بلکہ یقین کرنے کی تھی کہ وہ ضرور مدینہ پر بھی حملہ کرینگے -
دوسرا یہ کہ آنحضرتؐ نے کیوں مدینہ سے بقصد جنگ کوچ کیا تھا
تمام مسلمان مورخوں کا جنکی عادت میں داخل ہے کہ بلا سند روایتوں
اور غلط و صحیح افواہوں کو بلا تصحیح و تنقید اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں اور اُن ہی پر
بناے واقعات قایم کرتے ہیں یہ قول ہے کہ آنحضرتؐ اور اُنکے صحابہ
نے یہ بات خیال کر کے کہ ابی سُفیان کے ساتھ کے قافلہ میں لوگ
بہت تھوڑے اور مال بہت زیادہ ہے لوٹ لینے کا ارادہ کیا تھا اور
اسیوجہ سے کوچ کیا۔ اسکی خبر قریش مکہ کو پہنچی تو اُنھوں نے نفیر عام کی
اور قافلہ کے بچانیکو نکلے" جسکا نتیجہ یہ ہے کہ قریش کے ساتھ لڑنے اور
اُن کے قافلہ کے لوٹنے کا قصد اول آنحضرت نے کیا اور اُسکے دفع
کرنیکو قریش بقصد لڑائی نکلے - ان مسلمان مورخوں کی نادانی اور غلطی
سے مخالفین مذہب اسلام کو آنحضرتؐ اور صحابہ کی نسبت قافلوں کے
لوٹنے کا جو پیغمبری کی شان کے شایاں نہیں ہے اور بلا سبب لڑائی کے
لیے ابتدا کرنیکے الزام لگانیکا موقع ہاتھ آیا ہے اور بہت زور و شور
سے ان الزاموں کو قایم کیا ہے۔ لیکن اُس زمانہ کی حالت پر اور جو طریقہ دشمنوں
کے ساتھ پیش آنیکا اُس زمانہ میں بلا اعتراض کے مروج تھا اُسپر اگر لحاظ کیا جاے
تو ایسا کرنے میں بھی اگر کیا گیا ہے کوئی مقام اعتراض کا نہیں ہو سکتا اور
اگر ہم اُس طریقہ تعجب انگیز کا جو حضرت موسےٰ نے اپنے دشمنوں

کے ساتھ اختیار کیا تھا اِسکے ساتھ مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اگر ایسا کیا گیا
بھی ہو تو حضرت موسیٰ کے برتاؤ سے بہت ہی خفیف درجہ رکھتا ہے
مگر درحقیقت یہ الزام محض غلط اور بے بنیاد ہیں اور وہ حدیثیں اور روایتیں
جنکی بنا پر وہ الزام قایم کئے ہیں از سرتاپا غلط اور غیر مستند ہیں۔
قرآن مجید میں یہ واقعہ نہایت صفائی سے مندرج ہے اور اسمیں صاف
بیان ہوا ہے کہ کس گروہ کے مقابلہ میں آنحضرت نے مقاتلہ کے قصد سے
کوچ فرمایا تھا۔ آیا قافلہ کے لوٹنے کے ارادہ سے یا اُس گروہ کے مقابلہ
کے لئے جسکو قریش مکہ نے لڑنیکے ارادہ سے جمع کرکے کوچ کیا تھا
اور آنحضرت کا کوچ فرمانا قریشِ مکہ کے کوچ کرنیکے بعد ہوا تھا یا اُسکے قبل
ہوا تھا۔ ہم قرآن مجید کی آیتوں سے ثابت کرینگے کہ آنحضرت کا خیال بھی
اُس قافلہ کے لوٹنے کا نہ تھا اور قریش مکہ کے بقصد جنگ فوج کثیر لیکر
کوچ کرنیکے بعد جس سے ہر طرح مدینہ پر اُنکا ارادہ حملہ کرنیکا پایا جاتا تھا اور
یہ کہ بوجہ قوی احتمال ہوتا تھا مدینہ کی حفاظت کی غرض سے کوچ کیا تھا۔
اور جبکہ خود قرآن مجید کی آیتوں سے یہ امر ثابت ہوتا ہے تو روایت یا
کوئی حدیث جو اُسکے برخلاف ہو اور کتاب میں مندرج ہو اور کسی نے روایت
کی ہو عقلاً و نقلاً مردود ہے۔ عقلاً ہمنے اسلئے کہا کہ جو لوگ مسلمان نہیں ہیں
اگر صرف تاریخانہ اصول پر نظر رکھیں تو بھی اس بات کو تسلیم کرینگے کہ زبانی
روایتیں جو ایک زمانہ بعد تحریر میں آئیں قرآن مجید کے مقابلہ میں جبکہ ان
دونوں میں اختلاف ہو قابل قبول اور لایق وثوق نہیں ہوسکتیں۔ اسی سورہ (انفال)

کی پانچویں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آنحضرتؐ اپنے گھر یعنی مدینہ ہی میں تھے اور وہاں سے کوچ بھی نہیں کیا تھا کہ آپس میں صحابہ کے اختلاف تھا بعض تو لڑنیکے لئے نکلنا پسند کرتے تھے اور بعضے ناپسند جیسا کہ خدا فرماتا ہے،

"کَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ"
(سورہ انفال آیت ۵)

یعنی "جسطرح تیرے پروردگار نے تجکو تیرے گھر (مدینہ) سے حق پر نکالا۔ اور بیشبہ ایکگروہ ایمان والوں میں سے ناپسند کرتا تھا (گھر) لڑائی کے لئے نکلنے کو) جو لوگ لڑنے کے لیے نکلنا ناپسند کرتے تھے اونکی وجہ چھٹی آیت میں بیان ہوئی ہے یعنی

يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۙ
(سورہ ایضاً آیت ۶)

تجھسے جھگڑتے تہیں حق بات میں اسکے خوب ظاہر ہوجانیکے بعد بھی گویا کہ وہ ہانکے جاتے ہیں موت کیطرف اور وہ اسکو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں"

اون آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی سفیان کا قافلہ جو شام سے آتا تھا اُسمیں نہایت قلیل آدمی تھے اُنسے لڑنیکے لیے کوچ کرنے میں اور اُسکے لوٹنے میں کوئی خوف کی بات نہ تھی۔ بلکہ یہ خوف قریش مکہ کی اُس فوج سے تھا جو اُنہوں نے نفیر عام کے بعد جمع کی تھی۔ اِس سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قبل اسکے کہ آنحضرتؐ مدینہ سے کوچ فرمائیں قریش مکہ لڑنیکو نکل چکے تھے یا آمادہ جنگ ہو چکے تھے۔

اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ آمادگی جنگ کے بعد اور مدینہ سے

کوچ کرنیکے قبل بعض صحابہ کی یہ راے ہوئی کہ شام کے قافلہ کو لوٹ لیا جاے
معلوم ہوتا ہے کہ مُسلمان مورخوں اور راویوں نے اس راے کو جو بعض
صحابہ نے دی تھی غلطی سے اس طرح پر بیان کیا ہے کہ گویا پیغمبر خدا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ قافلہ کے لوٹنے ہی کا تھا اور جو آمادگی جنگ مدینہ
میں ہوئی تھی وہ قافلہ ہی کے لوٹنے کے لئے ہوئی تھی۔ زمانہ دراز کے
بعد کسی واقعہ کے بیان میں جو افواہی چلا آتا ہو اس قسم کی غلطی کا واقع ہونا
کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ مگر قرآن مجید سے صاف ظاہر ہے
کہ وہ زبانی روایتیں غلط ہیں بلکہ جو آمادگی جنگ کی مدینہ میں ہوئی وہ
بمقابلہ قریش کے ہوئی تھی نہ واسطے لوٹنے قافلہ کے۔

اس سورہ کی چھٹی آیت میں جو جملہ "بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ" آیا ہے وہ
اسپر دلالت کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلعم پر منکشف کر دیا تھا کہ اس
لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوگی۔ اسکے بعد ساتویں آیت میں دو گروہوں کا ذکر
ہے۔ ایک وہ گروہ جسکے ساتھ کچھ شان و شوکت یعنی لڑائی کا سامان نہ تھا۔

"اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ
اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ
الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ
اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ وَيَقْطَعَ
دَابِرَ الْكَافِرِيْنَ" (سورہ انفال آیت)
یعنی یاد کرو جبکہ تم سے اللہ نے وعدہ

اس گروہ سے وہ قافلہ مراد ہے جو شام
سے آتا تھا اور جسکے ساتھ صرف تیس چالیس
آدمی تھے۔ دوسرا گروہ قریش مکہ
کا تھا جسکے ساتھ بہت سا لشکر اور بہت کچھ
شان و شوکت تھی۔ خدا نے کہا ان دونوں
گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارے

کیا تھا دو گروہوں میں سے ایک کا	لئے ہے۔ تم اُس بے شان وشوکت
کہ وہ بیشک تمہارے لئے ہے	گروہ کو لینا چاہتے ہو۔ مگر خدا چاہتا ہے
اور تم یہہ چاہتے تھے کہ اُن میں سے	کہ جو حق بات ہے یعنی دین اسلام وہ ثابت
غیر مسلح گروہ تمہارے لئے ہو اور	ہو جاوے۔ اور کافروں کی جڑ کٹ جاوے
اللہ چاہتا تھا کہ سچ کو سچ کردے اپنے	پس اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتا ہے
حکم سے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے"	کہ لڑنیکا حکم قریش مکہ کے مقابلہ کے لئے

تھا نہ اُس قافلہ کے لوٹنے کے لئے۔

ساتویں آیت سے چھٹی آیت کے مضمون کی بھی زیادہ تشریح ہوئی ہے کہ بعض صحابہ جو لڑائی کے لئے نکلنے کو ناپسند کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ گویا اُنکو موت کیطرف ہانکا جاتا ہے اور وہ اپنے مارے جانے کو دیکھ رہے ہیں اُس خوف کا سبب یہی تھا کہ اُنکو قریش مکہ کے مقابلہ میں نکلنے کا حکم ہوا تھا جو لشکر کثیر کے ساتھ لڑائی کو نکلے تھے اور جس سے یقین یا احتمال قوی مدینہ پر اور مہاجرین اور انصار پر حملہ کرنے کا تھا۔ نہ اُس قافلہ پر حملہ کرنے کا جسکے ساتھ کچھ شان وشوکت یعنی سامان جنگ نہ تھا۔

بیان مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود قرآن مجید سے مندرجہ ذیل امر ثابت ہوتے ہیں۔

اوّل یہہ کہ مدینہ ہی میں اور مدینہ سے کوچ کرنے سے پہلے یہہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ قریش مکہ لشکر کثیر کے ساتھ جنگ کے ارادہ سے نکلے ہیں۔ دوسرے یہہ کہ مدینہ ہی میں خدا نے حکم دیدیا تھا کہ قریش

مکّہ کے مقابلہ میں لڑنے کو جاؤ اور جن صحابہ نے اِس درمیان میں قافلہ لوٹنے کی راے دی تھی خود خدا تعالی نے مدینہ ہی میں اُسکو نامنظور کیا تھا

اَب ہم اگر اُن روایتوں پر جو قرآن مجید کے برخلاف نہیں ہیں اعتبار کریں تو معلوم ہوتا ہے اور جو واقعات پیش آئے اُنسے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ سے جو لوگ لڑنے کو نکلے وہ قریش مکہ کے مقابلہ میں اُنکے حملہ کے دفع کرنے لئے نکلے تھے نہ قافلہ کے لوٹنے کے لئے۔

سیرت ہشامی میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے مکہ کیطرف کوچ فرمایا اور اِس سے واضح ہوتا ہے کہ یہہ کوچ قریش مکہ کے مقابلہ میں تھا نہ شام کے قافلہ پر۔ کیونکہ وہ قافلہ شام سے آتا تھا جو مدینہ سے جانب شمال واقع ہے اور مکہ سے جانب جنوب اور شام سے قافلہ کے مکہ میں آنیکا رستہ مدینہ سے جانب غرب پڑتا ہے۔ پس اگر قافلہ پر حملہ کرنیکے لئے کوچ کیا جاتا تو مدینہ سے غرب کی جانب کا رستہ اختیار کیا جاتا نہ جنوب کا۔

سیرت ہشامی میں لکھا ہے کہ آنحضرت مدینہ سے نکلکر نقب المدینہ میں تشریف لائے۔ پھر وہاں سے عقیق میں وہاں سے ذوالحلیفہ میں۔ وہاں سے اُلات الجیش یا ذات الجیش میں وہاں سے تربان میں۔ وہاں سے مَلَل میں۔ وہاں سے غمیس الحمام میں۔ وہاں سے صخیرات الیمام میں۔ وہاں سے سیالہ میں۔ وہاں سے

نجّ الرحا میں - وہاں سے شنوکہ میں اور عرق الظبیہ میں پہنچے تو وہاں ایک عرب ملا (غالباً مکہ سے آنیوالا تھا) اُس سے لوگوں کا حال پوچھا - مگر اُسنے کچھ نہیں بتایا - پھر آنحضرتؐ وہاں سے چلکر سجسج میں ٹھہرے - پھر وہاں سے چلے اور جب منصرف میں پہنچے تو بائیں طرف مکہ کا رستہ چھوڑدیا اور دائیں طرف پھرے اور نازیہ ہو کر بدر جانیکا ارادہ کیا اور رحقان اور وہاں سے مضیق الصفرا میں پہنچے اور بسبس بن عمرو الجُہنی اور عدی بن ابی الزغباء الجُہنی کو ابو سُفیان کی اور اور لوگونکی (قریش مکہ کی) خبر دریافت کرنیکو روانہ کیا اور مضیق الصفرا کو بھی بائیں طرف چھوڑکر دائیں طرف چلے اور وادی ذفران میں پہنچے وہاں قریش کے آنیکی خبر ملی"

ذفران کے مقام میں آنحضرتؐ نے تمام لوگوں سے جنمیں انصار بھی شامل تھے قُریش کے بڑھے چلے آنیکی خبر کی اور سب کو لڑنے مرنے پر مستعد پایا - تب آنحضرتؐ وہاں سے ثنایا یعنی اصافر پر سے گئے اور وہاں سے دبہ میں اُترے - اور وہاں سے قریب بدر پہنچکر مقام کیا اور تحقیق خبر ملی کہ قریشِ مکہ کا لشکر یہاں سے بہت قریب پڑا ہوا ہے - انجام کار دونوں لشکروں میں لڑائی ہوئی -

تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے پہلے شام کا قافلہ جسکے ساتھ ابو سفیان بن حرب تھا سمندر کے کنارے کنارے ہوکر نکلگیا تھا اور دبہ میں نہیں آیا تھا - چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ جب ابو جہل

مکہ سے لوگوں کو لیکر نکلا تو اُس سے کہا گیا کہ قافلہ نے سمندر کے کنارہ کا رستہ لیا اور سلامت چلا گیا۔ اَب مکہ کو پھر چلو۔ اُسنے کہا کہ خدا کی قسم ایسا نہو گا" پس یہ تمام واقعات ثابت کرتے ہیں کہ مدینہ سے آنحضرت کا لڑائی کے لئے نکلنا صرف قریش مکہ کے مقابلہ میں اور اُنکے حملہ کے دفع کرنے کی غرض سے اور مدینہ کو جہاں مہاجرین نے پناہ لی تھی اور مہاجرین اور انصار کو قریش کے حملہ سے بچانیکے لئے تھا۔ ہر ایک لایق شخص جسکو خدا نے معاملات جنگ کے سمجھنے کی لیاقت دی ہو بخوبی سمجھہ سکتا ہے کہ اگر حملہ آور قریش مدینہ کی دیواروں تک پہنچ جاتے تو اُن کا روکنا اور اُنکے حملہ کو دفع کرنا ناممکن تھا۔ مہاجرین کو وہاں گئے ہوئے پورے دو برس بھی نہیں ہوئے تھے۔ مدینہ کے جن لوگوں نے انکو پناہ دی تھی اور دل و جان سے مہاجرین کے مددگار تھے اور جو انصار کہلاتے تھے اُنکی تعداد بھی بمقابلہ آبادی مدینہ اور اُسکے گرد و نواح کے کچھہ زیادہ نہ تھی۔ پس جبکہ اہل مدینہ یہ حالت دیکھتے کہ اُن لوگوں کے سبب سے مدینہ پر کیا آفت آئی ہے اور غنیم نے اُنکو گھیر لیا ہے تو اُن سب کی حالت بالکل بدل جاتی۔ اور حملہ آوروں کا حملہ دفع کرنا غیر ممکن ہو جاتا۔ اور اسلئے ضرور تھا کہ مدینہ سے آگے بڑھکر اُنکا مقابلہ کیا جاوے اور جو کچھہ خدا کو کرنا منظور ہو وہ مدینہ سے باہر ہو جاوے اسی لئے آنحضرت نے قریش کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے باہر نکلنا اور آگے بڑھکر اُنکو روکنا ضرور سمجھا تھا۔ اَب کون شخص ہے جو اِن

واقعات کو انصاف کی نظر سے دیکھکر اُنکو کسی الزام کی بنیاد قرار دیسکتا ہی"
(انتہی قولہ سلمہ اللہ تعالیٰ)

(۱) (سریّۂ عمیر بن العدی الخطمی - رمضان ۲ سنہ ہجری)

(۲) (سریّۂ سالم بن عُمیر - شوّال ۲ سنہ ہجری)

تعجّب ہے کہ علّامہ قسطلانی نے اِن دونوں واقعوں کو سریّہ کرکے لکھا ہے حالانکہ نہ وہ سریّہ تھے نہ آنحضرتؐ نے اُن دونوں میں سے کسیکو کہیں بھیجا تھا۔ عمیر بن عدی نے از خود ایک عورت عصماء بنت مروان کو جو یزید بن الخطمی کی جورو تھی اور اوسکی رشتہ دار تھی مار ڈالا اور سالم بن عُمیر نے ایک بڈھے یہودی کو مار ڈالا۔ یہ ایک معمولی واقعات ہیں جو دنیا میں ہوتے رہتے ہیں انکو اِس خیال سے کہ دو کافر مارے گئے سریّہ میں داخل کرنا محض غلط ہے۔ بالفرض اگر پہلے واقعہ کی خبر آنحضرتؐ کو ہوئی اور اُسپر کچھ مواخذہ نہیں کیا جسکے کچھہ اسباب ہونگے تو بھی اُسکو سریّہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

غزوہ بنی قینقاع - شوّال ۲ سنہ ہجری

بنی قینقاع یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مدینہ میں رہتے تھے اور ایک بازار اُن کے نام سے موسوم تھا اور سوق بنی قینقاع کہلاتا تھا اِن سے بھی اَمن کا معاہدہ تھا۔ مگر جب بدر کی لڑائی ہوئی تو اُنہوں نے اظہار بغاوت کیا۔ اسی درمیان میں ایک مسلمان عورت سے جو سوق

+ دیکھو تاریخ ابن اثیر جلد ثانی صفحہ ۵۶ مطبوعہ مصر - مؤلف عفی عنہ

بنی قینقاع میں کسی کام کو گئی تھی نالایق طور پر ہنسی کی اور اسکا کپڑا الٹکا کر
اسکا ستر عورت کھول ڈالا- اسپر ایک مسلمان غصہ میں آیا اور اُس یہودی
کو جسنے عورت کو بے ستر کیا تھا مار ڈالا - یہودیوں نے اُس مسلمان
کو گھیر کر مار ڈالا- اسپر یہودیوں اور مسلمانوں میں نزاع قائم ہوگئی -
ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ یہہ سب واقعات اُسوقت ہوئے ہیں جب
آنحضرتؐ بدر کی لڑائی میں مصروف تھے - جب آپ واپس تشریف لائے
تو اُن یہودیوں نے علانیہ معاہدہ توڑ دیا اور عہدنامہ جو تحریر ہوا تھا واپس بھیجدیا[۵۱]
اَب اگر ایسے ہنگامے اور فساد جائز رکھے جاتے تو نتیجہ یہہ ہوتا
کہ مدینہ ایک جنگ گاہ بنجاتا جسمیں مخالف فرقوں کے لوگ بلا مزاحمت
وبلا عقوبت ایک دوسرے کو قتل کرتے - اسلئے اُنکے محلہ کا محاصرہ
کرلینا ضرور ہوا- اور قبل شروع کرنے لڑائی کے بطور قطع حجت اُنکو کہا گیا کہ
اسلام قبول کرو ورنہ تمہارا بھی وہی حال ہوگا جو بدر والوں کا ہوا- اُنہوں نے
اسپر سختی سے یہ گستاخانہ جواب دیا کہ "اے محمدؐ اپنی قوم کو شکست دیکر
نازان نہو تجکو ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا جو ہنر جنگ سے محض ناواقف
تھے - اگر تو ہمسے بھی ویساہی برتاو کیا چاہتا ہے تو ہم تجکو دکھادیں گے
کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں"[۵۲] پس پندرہ ۱۵ دن محاصرہ جاری رہا
اور اسکے بعد اُنکا حلیف عبدُ اللہ بن اُبی بن سلول خزرجی جو منافقانہ
طور پر مسلمان کہلاتا تھا درمیان میں پڑا اور یہہ ٹھہرا کہ یہودی مدینہ سے

[۵۱] دیکھو تاریخ ابن اثیر جلد ثانی صفحہ ۱۰۵ [۵۲] دیکھو تاریخ ابن اثیر و تاریخ ابن ہشام -

سے چلے جائیں۔ چنانچہ عُبادہ بن صامِتؓ اُنکی حفاظت کو متعین ہوئے
اور وہ لوگ بامن وامان مع مال واسباب مَدِینہ سے چلے گئے۔
البتہ اُن کے ہتھیار اور مکان ضبط کر لئے گئے۔ اَب ہر شخص سمجھ سکتا ہے
کہ یہ واقعہ آنحضرتؐ کی طرف سے حملہ تھا۔ یا بجبر مسلمان کرنا مقصود تھا۔ یا
صرف امن کا قایم رکھنا۔

غزوۃ السویق۔ ذی الحجہ ۲ سنہ ہجری

اَبوجہل وغیرہ صنادید قریش کے مارے جانے سے قریش کی سرداری
اُبُوسفیان کے ہاتھ آئی چونکہ اُسکا بیٹا حَنظَلہ اور اور اقربا جنگ بدر
میں مارے گئے تھے اُنکے جوش انتقام میں اُسنے قسم کھائی کہ جب تک
بدلہ نہ لوں گا خوشبو نہ لگاؤنگا اور نہ عورت سے ہمبستر ہونگا۔ پس جو ہیں اسیرانِ
قریش چھوٹ کر صحیح سلامت اپنے گھروں میں پہنچے وہ دو سو سواروں
کے ساتھ مکّہ سے نکلا اور چھپتا ہوا مدینہ کے قریب پہنچگیا
اور رات کو قبیلہ بنی نضیر کے یہودیوں کے سردار حُییؓ بن اخطب کے
پاس مسلمانوں کے تجسس حال کے لئے گیا مگر اُسنے ملاقات نہ کی اسلئے
سلام بن مِشکم اُنکے ایک دوسرے سردار کے پاس پہنچا اور وہاں
رہا اور صبحکو عریض تک مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر آیا اور کھجوروں
کے درخت جلا دیئے اور دو آدمیوں کو مار ڈالا۔ خبر کے معلوم ہونے پر
آنحضرت نے خود اُسکا تعاقب کیا اور قرقرۃ الکدر تک تشریف لیگئے
مگر کوئی ہاتھ نہ آیا۔ چونکہ قریش خوراک کے لئے ستّو اپنے ساتھ لائے تھے

جنکو بھاگتے وقت گھوڑوں کا بوجھ کم کرنیکو پھینکتے گئے اسلیئے یہ غزوہ اسی نام سے مشہور ہوگیا۔

غزوۂ قرقرۃ الکدر یا بنی سلیم۔ محرم ۳ سنہ ہجری

یہ ایک چشمہ ہے اُس رستہ کے قریب جو عراق سے مکہ کو جاتا ہے مدینہ سے تین۳ منزل پر۔ یہ معلوم ہوا تھا کہ بنی سلیم اور بنی غطفان مدینہ پر چھاپا مارنے کو وہاں جمع ہوئے ہیں۔ اسلیئے آنحضرتؐ دو سو۲۰۰ آدمیوں کے ساتھ اُدہر تشریف لیگئے۔ مگر وہ آپکا آنا سنکر پہلے ہی منتشر ہوگئے تھے۔ اسلیئے آپ مدینہ کو واپس تشریف لے آئے۔ مگر آتے ہی غالب بن عبد اللہ لیثی کو اُنکی گوشمالی کے لیئے بھیجا اور وہ کچھ مارےگئے اور کچھ بھاگ گئے۔ ادھر کے بھی تین۳ آدمی مارےگئے۔

سریّہ محمد بن مسلمہ۔ ربیع الاول ۳ سنہ ہجری

کعب بن اشرف یہودی کفار قریش کا تھا نگی تھا اور مسلمانوں کو اور آنحضرتؐ کو ایذا پہنچاتا تھا اور قریش مکہ کو حملہ کرنے کی ترغیب دیتا تھا چنانچہ علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ بدر کی لڑائی کے بعد یہ خود مکہ کو گیا اور قریش کو جنگ پر آمادہ کیا۔ مقتولین بدر کے مرثیے لکھے اور قریش کو نہایت جوش دلایا۔ اسکو محمدؐ بن مسلمہ نے اپنے چند ساتھیوں کی مدد سے مارڈالا یہ واقعہ تو اسقدر ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اُن لوگوں نے خود مارا یا آنحضرتؐ کے حکم سے۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ جسکا قابل اطمینان تصفیہ نہیں ہوسکتا۔ مگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے

حکم سے مارا اور اس بات کا تصفیہ کہ ایسی حالتیں کہ وہ دشمنوں سے سازش رکھتا اور مدینہ پر حملہ کی ترغیب دیتا تھا اُسکا قتل کروا دینا بلحاظ اُن اصولوں کے جو انتظام جنگ اور دشمنوں کے جاسوسوں اور بھاگیوں سے علاقہ رکھتے ہیں واجب تھا یا ناواجب - اُن لوگوں کے تصفیہ پر چھوڑتے ہیں جو اصُول جنگ سے واقف ہیں" یہ تقریر ہمارے بوڑھے مجاہد کی ہے اور ہم اسقدر اور اضافہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے خواہ اُسکو از خود مارا ہو یا آنحضرتؐ کے حکم سے - دونوں صورتوں میں کچھ قابل الزام نہیں ہے کیونکہ وہ اُس قبیلہ میں سے تھا جس نے مسلمانوں کے ساتھ عہد کیا تھا اور یہ حلف کرلیا تھا کہ اُس چھوٹی سی جمہوری سلطنت کو جو آنحضرتؐ کے تحت میں ابھی قائم ہوئی تھی اندرونی اور بیرونی خطروں سے بچائیں گے - پس جس سلطنت کا وہ شریک تھا اُسی کے برخلاف علانیہ کارروائی کرنیکا مجرم اور اُس سزا کا مستوجب تھا جو ایسے جرائم کے لئے اِس تھذیب و شایستگی کے زمانہ میں بھی نہایت واجب بلکہ ضروری سمجھی جاتی ہے -

بعض عیسائی مورخ جنہوں نے اپنی نادانی یا تعصّب سے اُسکو "خون ناحق" سے تعبیر کیا ہے وہ غالباً اس امر کو بھول گئے ہیں کہ آنحضرتؐ کے اُس فرمانِ عام میں جسکی رو سے مدینہ اور اُسکے مضافات کی رعایا کی ملکی اور مذہبی آزادی کا تحفظ کیا گیا تھا اور جسمیں یہودی بھی شامل تھے ایک شرط یہ بھی تھی کہ "وہ ہر ایک مجرم کا تعاقب کیا جائیگا اور اُسکو سزا دیجائیگی" پس مسلمانوں نے اِس شخص کو سزا دینے میں گویا اُس قانون پر

عمل کیا جو یونان کے مشہور و معروف مقنن سولن نے اپنے شہر ایتھنز کی حفاظت کے لئے اُسکے باشندوں پر فرض کر دیا تھا کہ حیلاً و بنا اختیار کریں اور مفسدوں کو تلاش کر کے قتل کریں۔ اور نیز اُس قانون پر جو عیسائی سلطنت انگلستان نے جاری کیا ہوا ہے اور جس کے بموجب وہاں کا ہر ایک شخص مجاز ہے کہ ہر ایک مفسد و غدار کو پکڑ کر مار ڈالے۔

غزوہ ذی امر۔ ربیع الاول سنہ (۳) ہجری

یہہ ایک موضع کا نام ہے جو نواح نجد میں واقع ہے۔ مجاہد سیّدؒ نے لکھا ہے کہ "یہہ صرف ایک سفر تھا جو آنحضرت نے نجد اور غطفان کی جانب فرمایا تھا۔ اِس سفر میں نہ کسی سے مقابلہ ہوا اور نہ کسی سے لڑائی ہوئی۔ ایک مہینہ تک اُس نواح میں آپ نے قیام کیا۔ پھر واپس تشریف لے آئے۔ مگر مسٹر واشنگٹن ارونگ نے اسکے متعلق ایک ایسے واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ جس سے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کریم النفسی اور رحم دلی اور خوف و خطر کی حالت میں صرف خدا تعالیٰ کے حفظ و حمایت پر اعتماد اور بھروسہ کرنیکا ایک عجیب و غریب اور بے مثل و بے نظیر ثبوت حاصل ہوتا ہے۔ اور چونکہ یہہ ایک ایسے شخص کی شہادت ہے جسکو شہادت دینی منظور نہیں اسلئے زیادہ تر توجہ اور اعتماد کی مستحق ہے وہ لکھتا ہے کہ "اِس سفر میں آنحضرتؐ ایک درخت کے نیچے اپنے لشکر سے دور تن تنہا سو رہے تھے کہ یکایک ایسا غل ہوا کہ آپ بیدار ہو گئے اور آپ نے دیکھا کہ ایک کافر جو آپکا جانی دشمن تھا ننگی تلوار لئے

ہوئے سر پر کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ "اے محمدؐ بتا کہ اب تجکو کون بچا سکتا ہے" آپ نے فرمایا خدا جو ہر ایک امر پر قادر اور ہر ایک شے پر غالب ہے۔ جسکو سُنکر اُسپر ایسا رعب طاری ہوا کہ جسم میں تھرتھری پڑ گئی اور تلوار ہاتھ سے گر پڑی جسکو آپ نے اُٹھا لیا اور دکھا کر فرمایا کہ "اب بتا کہ تجکو کون بچائیگا" اُسنے کہا کہ "افسوس میرا بچانیوالا کوئی نہیں" آپ نے ارشاد کیا کہ "خیر رحم کرنا مجھسے سیکھ لے" اور یہہ فرما کر اُسکی تلوار اُسکو دیدی۔ اُس سنگدل کا دل آپکے اِس رحم سے موم ہو گیا۔ اور اسکے بعد وہ مدت العمر آپکی وفاداری و جان نثاری میں سرگرم و ثابت قدم رہا۔

سریّہ قردہ۔ جمادی الآخر ۳ سنہ ہجری

یہ ایک چشمہ کا نام ہے جو نجد میں ہے۔ قریشِ مکہ کی تجارت کا روکنا جن سے ہر وقت اندیشۂ جنگ تھا ایک ضروری امر تھا۔ اُنہوں نے قدیم رستہ تجارت کا چھوڑ کر ایک نیا رستہ عراق میں ہو کر نکالنا چاہا اور ابوسفیان قافلہ لیکر نکلا اور فرات بن حیّان رستہ بتانے والا تھا جب اِسکی خبر آنحضرت کو پہنچی تو زید بن حارثہ کو اُنپر بھیجا اُسنے قافلہ لوٹ لیا اور فرات بن حیّان کو پکڑ لایا جو بعد اِسکے مسلمان ہو گیا۔

یہہ تمام واقعات ایسے ہیں کہ ایک جنگجو دشمن کے مقابلہ میں ہر ایک قوم کو کرنے پڑتے ہیں۔ اِن واقعات سے اِس بات پر استدلال نہیں ہو سکتا کہ یہہ لڑائیاں بزورِ شمشیر مسلمان کرنیکے لئے تھیں۔

غزوہ اُحد۔ شوال سنہ (۳) ہجری
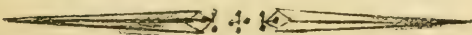
یہ اُس سرخ پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ سے کچھ فاصلہ پر واقع ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں مقتولین بدر کے وارثوں کو خونخواہی کے جوش نے بے چین کر رکھا تھا۔ پس اُنہوں نے ملکر یہ تجویز کی کہ اُس مال تجارت سے جسکو ابو سفیان شام سے لایا تھا اور ابتک بلا تقسیم پڑا ہوا تھا مدینہ پر ایک بھاری فوج کے ساتھ حملہ کرنے کی تیاری کیجائے۔ چنانچہ وہ مال بیچا گیا اور اصل سرمایہ تقسیم ہو کر پچاس ہزار مثقال* سونا اور ایکہزار اونٹ جو منافع کا تھا مہم کی تیاری کے لئے رکھا گیا مختلف قبائل عرب کے پاس چار معزز اور ذی اثر شخص استمداد کے لئے بھیجے گئے جنمیں سے ایک وہ مشہور و معروف ابو عزہ شاعر بھی تھا جو بدر کی لڑائی میں پکڑا گیا تھا اور اس وعدہ پر اُسکی جان بخشی کیگئی تھی کہ اپنے پر تاثیر اشعار سے مشرکوں کو مسلمانوں کے برخلاف کبھی برانگیختہ نہ کریگا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تین ہزار اور صاحب ناسخ التواریخ کی روایت کے موافق پانچہزار سپاہی مکہ میں جمع ہو گئے جنمیں سے سات سو زرہ پوش تھے۔ سواری کے لئے دو سو عربی گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے اور پندرہ عماریاں عورتوں کی سواری کی تھیں جنکو اس غرض سے ساتھ لائے تھے کہ لڑائی کے وقت دفین بجا کر اور غیرت انگیز گیت گا کر لوگوں کو لڑنے مرنے پر آمادہ کریں۔

الغرض یہ فوج جرار مکہ سے چلکر بلا مزاحمت مدینہ کے سامنے

---

* ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ مؤلف عفی عنہ

پہنچگئی۔ اور اسمین اور شہر میں صرف کوہ اُحُد حد فاصل رہگیا اور اُنہوں نے کھیتوں اور باغوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کردیا۔

اِدھر بھی لڑائی کی تیاری ہوئی اور اگرچہ آنحضرتؐ کی مرضی مدینہ ہی میں بیٹھکر لڑنے کی تھی لیکن مُسلمانوں کے اصرار سے ایکہزار آدمی کیساتھ باہر نکلکر ڈیرہ کیا۔ یہودی جنپر معاہدے کی شرائط کے موافق مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوکر مخالفوں کے حملہ کو دفع کرنا فرض تھا اپنا نفاق مخفی نرکھ سکے اور باوجود طلب اُن میں سے ایک بھی شریک لشکر اِسلام نہوا۔ اور عبداللہ بن اُبی بن سلول بھی تین۳۰۰ سو سے زیادہ منافقوں کے ساتھ مدینہ کو واپس چلا گیا۔ جس سے سپاہِ اِسلام میں صرف سات۷۰۰ سو آدمی رہگئے۔ مگر مسلمانوں کی قوت ایمانی اور ثابت قدمی کو دیکھنا چاہیئے کہ اُن کو اسکی کچھ پروا نہوئی اور ثباتِ عزم میں ایک سرِ مو فرق نہ آیا یہانتک کہ چودہ۱۴ پا پندرہ۱۵ برس کے دو لڑکے بھی نہایت شوق اور اصرار کے ساتھ شریکِ جہاد ہوئے۔ رات معمولی انتظامِ حفاظت کے ساتھ گزری اور صبحکو نماز کے بعد آنحضرتؐ نے پہاڑ کو پشت کی طرف رکھکر لڑائی کی صف باندھی اور پچاس۵۰ تیراندازوں کو لشکر کے عقب میں ایک گھاٹی کی حفاظت کے لئے جو محل خطر تھی مقرر فرمایا۔ اور تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ خواہ فتح ہو یا شکست مگر تم اپنی جگہہ نہ چھوڑنا۔

مشرکین کو اپنی کثرت اور قوت و شوکت پر بڑا گھمنڈ تھا پس وہ اپنے بڑے بُت ھُبَل کی سواری کے اونٹ کو قلب فوج میں رکھکر بڑے

جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھے - اور عورتوں نے جن کی سرحلقہ ابوسفیان کی جورو ھِندؔ تھی گیت گاگرا اور دفیں بجا کر سپاہیوں کو لڑائی کی رغبت اور جرأت دلانی شروع کی -

گیت

''نَحْنُ بَنَاتُ طَارِقٍ	نَمْشِی عَلَی النَّمَارِقِ	مَشْیَ الْقَطَا الْبَارِقِ
وَالْمِسْكُ فِي الْمَفَارِقِ	وَالدُّرُّ فِي الْمَخَانِقِ	إِنْ تُقْبِلُوا نُعَانِقِ
وَنَفْرِشُ النَّمَارِقِ	أَوْ تُدْبِرُوا نُفَارِقِ	فِرَاقَ غَيْرِ وَامِقِ

یعنی ''ہم بیٹیاں ہیں ستارہ صبح کی - مسندوں کو اپنے پانو سے روندتی ہیں قطا[۱] پرندے کیطرح - بانکپن اور چمک دمک کی چال سے - سر کے بالوں میں مشک ملے ہوئے - اور موتیوں کے کنٹھے پہنے ہوئے - اگر لڑائی میں آگے بڑھوگے تو ہم تمکو پیار سے گلے لگائینگی - اور تمہارے لئے مسندیں بچھائینگی - اگر پیٹھ پھرالوگے تو ہم الگ ہوجائینگی - بیزاری کا الگ ہونا''

اور چونکہ فوج کا نشان بَنِی عَبْدِ الدَّار کے لوگوں کے پاس تھا اُن کو یہ گیت سنا کر آمادہ جنگ کرتی تھیں -

گیت

ضَرْبًا بَنِي عَبْدِ الدَّارْ	ضَرْبًا حُمَاةَ الدَّارْ	ضَرْبًا بِكُلِّ بَتَّارْ

یعنی ہاں! اے بَنِی عَبْدِ الدَّار کے بہادرو ایک وار کر کے دکھاؤ - ہاں! اے وطن یعنی مکہؔ کے حمایتیو اپنی تلواروں کے جوہر دکھاؤ - ہاں!

[۱] ایک پرندجانور کا نام ہے جو خوش رفتاری میں مشہور ہے - مؤلف عفی عنہ

خوب تلواریں مارو"

اول مشرکوں نے لڑائی میں سبقت کی اور بڑے زور شور سے حملہ کیا مگر اُنکا حملہ روکیا گیا اور جناب علیؑ مرتضیٰ اور حمزہ سیدالشہدا اور ابو دجانہ انصاری اور اور بہادران اِسلام کے دلیرانہ بلکہ شیرانہ حملوں نے کافروں کے پانوں اُکھاڑ دیئے اور اُن میں بھاگڑ پڑ گئی اور اَبو سُفیان بھی بھاگ نکلا۔ اُنکے بارہ مشہور و معروف بہادر علمدار یکے بعد دیگرے مارے گئے جنمیں سے آٹھ کو حضرت علیؑ مرتضیٰ نے مارا۔ اب فتح کامل ہو نیکو تھی کہ مسلمان لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ اور چند آدمیوں کے سوا وہ لوگ بھی جو گھاٹی کی حفاظت پر متعین تھے مورچہ چھوڑ کر چلے آئے۔ خالد بن ولید نے جو ہیں یہ دیکھا سواروں کو سمیٹ کر اُسی گھاٹی کے رستے مسلمانوں کے عقب پر آن گرا۔ اور ابو سفیان اور فوج کے پیادے بھی پھر پڑے اور مسلمانوں کو دونوں طرف سے گھیر لیا اور سخت لڑائی ہوئی اور یکایک مخالف سمت سے آندھی کے آجانیسے مسلمانوں کو خود اپنی پہچان نرہی اور باہم لڑنے لگے اور بعض بڑے بڑے شجاعانِ اسلام کے مارے جانیسے لڑائی کا رنگ بدل گیا اور کافر خود آنحضرتؐ پر اُمڈ آئے اور ایک پتھر لگ کر آپ کے نیچے کے چار دانت ٹوٹ گئے اور پیشانی مبارک بھی زخمی ہوئی اور آپ گھوڑے سے گر گئے اور مشہور ہو گیا کہ شہید ہو گئے۔ جس سے بجز معدودے چند سب لوگ بھاگ نکلے۔ مگر حضرت علیؑ مرتضیٰ ایک قدم بھی میدان سے نہ ہٹے اور چونکہ آپنے

سن لیا تھا کہ آنحضرتؐ شہید ہوگئے ہیں اسلئے آپکو سخت طیش تھا کہ یکایک آپ نے دیکھا کہ کچھ مسلمان دوسری طرف ابتک لڑ رہے ہیں۔ پس آپ نے اُسطرف کا قصد کیا اور کُفّار کی صفوں کو چیر کر لڑتے بھڑتے وہاں تک پہنچگئے جہاں اَبُودُجَانَہ وغیرہ چند مجاہدین جانباز اپنا سینہ سپر کئے ہوئے آنحضرتؐ کو دشمنوں کے حملہ سے بچا رہے تھے۔ آنحضرتؐ کو زندہ و سلامت دیکھکر آپکی جان میں جان آگئی اور پہلے سے بھی زیادہ شدّت و قوّت کے ساتھ دشمنوں پر متواتر حملے کرکے اُنکو پیچھے ہٹا دیا۔ اور آنحضرتؐ کو پہاڑ کے ایک محفوظ مقام پر چڑھا لیگئے اور اپنی ڈھال میں پانی لاکر آپکے زخموں کو دُھویا۔ اور جناب سَیّدۃ النّساء فاطمۃُ الزّہرا نے جو آپکی شہادت کی خبر سنکر چند عورتوں کے ساتھ مدینہ سے چلی آئی تھیں بوریا جلاکر اسکی راکھ زخموں میں بھری جس سے خون بند ہوگیا۔ اور آپ نے بیٹھے بیٹھے لوگوں کو نماز ظہر پڑہائی جو آپکو زندہ و سلامت معلوم کرکے پھر اکھٹے ہوگئے تھے۔

مشرکین لڑتے لڑتے ایسے تھک گئے تھے کہ اپنی فتح کی تکمیل نہ کرسکے۔ پس اَبُوسُفیَان مسلمانوں کو باآواز بلند یہہ سنا کر کہ آیندہ سال تمسے بمقام بدر پھر لڑونگا میدان سے ہٹ گیا۔ مشرکین کی عورتوں نے شہیدوں کے ناک اور کان کاٹ لئے اور ہار اور پہنچیاں بناکر پہن لیں اور ھندہ نے حضرت حمزہ کا جگر نکالکر دانتوں سے چبایا۔

آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو شہیدوں خصوصًا حضرت حمزہ کی یہ حالت دیکھکر

نہایت طیش اور قلق ہوا اور اسی حالت میں بمقتضائے بشریت آنحضرت ؐ کی
زبان سے یہ نکلا کہ اگر خدا نے مجھکو قابو دیا تو میں ایک حمزہ کے بدلے
قریش کے کئی سرداروں کی لاشوں کے ساتھ ایسا ہی کرونگا۔ لیکن معاً آپکو
نزول وحی کا احساس ہوا اور یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی ”اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا
بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ“ (یعنی اے
مسلمانوں) اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اُسیقدر بدلہ لو کہ جسقدر تمپر عقوبت کی گئی
ہے۔ اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنیوالوں کے لئے بہتر ہے۔ اور آنحضرت
کو حکم ہوا ”وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ“ یعنی۔ اور تو صبر کر اور تو صبر
نہیں کر سکتا مگر اللہ کی مدد سے“ چنانچہ آپ نے بجواب اس کے
جناب احدیت میں عرض کیا کہ میں صبر ہی کرونگا۔ اور شہیدوں کو جو شمار
میں ستر یا کچھ زیادہ تھے دفن کر کے مدینہ کو چلے آئے۔

اب ہم مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ لوگ جنہوں نے اپنے
پیغمبر کی حفاظت میں سینہ سپر ہو کر اپنی جانیں لڑادیں بزور شمشیر مسلمان ہوئے تھے؟

غزوہ حمراء الاسد۔ شوال ۳ سنہ ہجری

یہ ایک جگہہ ہے مدینہ سے آٹھ میل پر

اُحُد سے واپس آنیکے دوسرے دن آنحضرت ؐ نے اس خیال سے
کہ مبادا دشمن یہ سمجھکر کہ مسلمانوں میں اب کچھ سکت باقی نہیں رہی مدینہ
کا پھر قصد کریں اُن ہی لوگوں کے ساتھ جو شریک جنگ تھے مدینہ
سے نکلکر حمراء الاسد میں قیام فرمایا۔ اور جب اطمینان ہو گیا کہ قریش

مکّہ کو چلے گئے تو تین روز بعد مدینہ میں واپس آگئے۔ جو لوگ اس غزوہ میں شریک تھے اگرچہ اُن میں سے بعض نو نو ۹۹ اور دس دس زخم اور بعض اس سے بھی زیادہ زخموں سے مجروح تھے۔ چنانچہ جناب علیؑ مرتضیٰ بہت کثرت سے زخم کھائے ہوئے تھے مگر کسی نے لڑائی کے لئے نکلنے میں توقف اور درنگ نہیں کیا۔ بلکہ بڑی خوشی اور اُمنگ سے آنحضرتؐ کی رکاب سعادت انتساب میں دشمنوں کے تعاقب میں نکلنے کو سعادتِ دارین سمجھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بزرگوار آنحضرتؐ کے احکام کی بجاآوری اور نصرتِ دین حق کو اپنے اوپر کسقدر واجب و لازم جانتے تھے۔ اور یہہ کہ اس سے کوئی غرض دنیوی اُنکو مدنظر نہ تھی۔

اِس غزوہ میں قریش میں سے دو شخص گرفتار ہوئے۔ ایک وہی اُبوعزہ مغوی شاعر جسکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ دوسرا معاویہ بن مغیرہ جسنے حضرت حمزہ کی لاش کی ناک کاٹ لی تھی۔ اُبوعزہ فوراً قتل کیا گیا۔ اور معاویہ جو آنحضرتؐ کے داماد عثمان بن عفّان معروف بذی النُّورین کا رشتہ دار تھا اُنکی سفارش سے آنحضرتؐ نے اس شرط پر اُسکو چھوڑ دیا کہ تین ۳ دن کے اندر مدینہ سے چلا جائے مگر موت اُسکو گھیر کر پھر وہیں لے آئی۔ یعنی رستہ بھولکر پھر مدینہ میں آگیا اور اس امید پر کہ وہ پھر بچا لینگے اپنے شفیع کے گھر میں جا چھپا۔ مگر مسلمانوں نے پکڑ کر اُسکو مار ڈالا۔

سریہ عبد اللہ بن انیسؓ محرم (۳۳) سنہ ہجری

عبد اللہ بن انیسؓ نے آنحضرتؐ سے یہ بات سنی کہ سفیان بن خالد ھذلی نے عرنہ میں جو وادی عرفات کے پاس ایک آبادی ہے کچھ لوگ آنحضرتؐ سے لڑنے کے لیے جمع کیے ہیں۔ یہ سنکر وہ مدینہ سے غائب ہوگیا اور سفیان کے پاس پہنچا۔ اُسنے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اِسنے کہا کہ میں بنی خزاعہ کا ایک شخص ہوں میں نے سنا ہے کہ تم نے محمدؐ سے لڑنیکو لوگ جمع کیے ہیں۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہوا چاہتا ہوں۔ اُسنے کہا اچھا آؤ۔ عبد اللہ تھوڑی دور اُسکے ساتھ چلے اور اُسکو دھوکا دیکر مار ڈالا۔ اور اُسکا سر کاٹ کر آنحضرتؐ پاس لے آئے۔ مگر کسی کتاب میں یہ بات نہیں لکھی ہے کہ آنحضرتؐ نے اُسکو ایسا کرنیکو کہا تھا۔ یہ تحقیق تو ہمارے بوڑھے مجاہد کی ہے۔ مگر صاحب ناسخ التواریخ نے اِس واقعہ کو آنحضرتؐ کے حکم سے منسوب کیا ہے۔ لیکن یہ روایت ویسی ہی غلط اور اُسی وجہ سے نامعتبر ہے جس وجہ سے وہ روایت غلط اور نامعتبر ہے کہ ابی سفیان بن حرب کے قتل کرنیکو آنحضرتؐ نے ایک شخص کو مکہ بھیجا تھا اور جسکا ذکر ہم سال ششم کے واقعات میں کرینگے۔

سریہ قطن یا سریہ ابی سلمہ بن عبد الاسد المخزومی محرم ۳ سنہ ہجری

قطن ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جو فید کی طرف واقع ہے اور فید پانی کا ایک چشمہ ہے قبیلہ بنی اسد کے متعلق۔

ابی سلمہ مخزومی ڈیڑھ سو آدمی لے کر جنمیں مھاجرین اور انصار

دونوں تھے طلیحہ اور سلمہ پسران خویلد کی تلاش میں نکلے جو سُنا گیا تھا کہ مدینہ پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے ہیں اور قطن پہاڑ تک اُنکی تلاش میں گئے مگر کوئی ہاتھ نہیں آیا اور نہ کسی سے لڑائی ہوئی۔

سریہ رجیع ۔ صفر ۳ سنہ ہجری

یہ ایک چشمہ کا نام ہے جو حجاز کے کنارہ قوم ھذیل کے متعلق ہے۔ چند لوگ قوم عضل اور قوم قارہ کے آنحضرتؐ پاس آئے اور کہا کہ ہم لوگوں میں اسلام پھیل گیا ہے کچھ لوگ مذہب کے مسائل سکھانیکو ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ آپ نے چھ آدمی ساتھ کر دیئے جب رجیع میں پہنچے تو اُنہوں نے دغابازی کی اور اُنکو تلواروں سے گھیر لیا۔ اخیر کو یہ کہا کہ اگر تم قریش مکہ کے قبضہ میں جانا قبول کر لو تو ہم تمکو مارینگے نہیں۔ قریش نے ہمارے آدمی قید کر لئے ہیں اُنکے بدلے تمکو دیکر اپنے آدمی چھڑا لائینگے اُن چھ میں سے مرثد بن ابی مرثد ۔ خالد بن بکیر ۔ عاصم بن ثابت نے نہ مانا اور نہایت بہادری سے وہیں لڑکر شہید ہوگئے۔ اور زید بن دثنہ اور عبد اللہ بن طارق اور خبیب بن عدی نے جو اُن کا کہنا مان لیا تو اونکی مشکیں باندھکر مکہ لے چلے اتفاقاً عبد اللہ نے زور کیا اور چھوٹ گئے اور تلوار پکڑ کر لڑنے پر طیار ہوئے۔ کافروں نے پتھروں سے مار کر اُنکو بھی شہید کیا۔ باقی دو کو مکہ لیجا کر بیچ ڈالا قریش نے خبیب کو سولی پر لٹکایا اور چالیس آدمیوں نے جنکے باپ اُحد کی لڑائی میں مارے گئے تھے نیزے مار مار کر مار ڈالا اور اسکے بعد اسیطرح زید بن دثنہ کو شہید کر دیا

اور چالیس[۴۰] روز تک برابر سولی ہی پر لٹکائے رکھا۔

سریہ بیر معونہ۔ صفر سنہ ۴ ہجری

یہ ایک کنواں ہے درمیان بنی عامر اور حرۂ بنی سُلیم کے

اَبُو براء عامر بن مالک اگرچہ مسلمان نہیں ہوا تھا مگر مذہب اسلام کو

ناپسند بھی نہیں کرتا تھا اُسنے آنحضرتؐ سے کہا کہ اگر آپ کچھ لوگ اسلام کا

وعظ کرنیکو نجد کیطرف بھیجیں تو غالباً اُس طرف کے لوگ اسلام قبول کرلینگے

آپ نے فرمایا اہل نجد سے اندیشہ ہے۔ اَبُو براء نے کہا اُنکی حفاظت کا

میں ذمہ دار ہوں۔ اسپر آپ نے چالیس[۴۰] آدمی جو قرآن کے قاری اور نہایت

عابد و زاہد تھے ساتھ کر دیئے۔ بیر مَعُونَہ پر یہ لوگ ٹھہرے اور حرام

بن مُلحان کے ہاتھ آنحضرتؐ کا خط عامر بن طُفَیل نجدی کے

پاس بھیجا اُسنے حرام کو قتل کر ڈالا۔ اور بہت بڑی جماعت سے بیر

معونہ پر چڑھ آیا اور سب مسلمانوں کو گھیر کر مار ڈالا۔ صرف ایک شخص مردوں

میں پڑا ہوا بچگیا۔ عامر بن فہیرہ جنکا ذکر خیر ہم واقعہ ہجرت مقدسہ میں کر آئے

ہیں اور جو اس گروہ کے سردار تھے وہ بھی مارے گئے۔

غزوہ بنی نضیر۔ ربیع الاول سنہ (۴) ہجری

یہ یہودیوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے عمرو بن اُمیۃ الضمری

مدینہ کو آتا تھا۔ رستہ میں قبیلہ بنی عامر سے جن سے کہ آنحضرتؐ کا

عہد تھا دو شخص ملے۔ عمرو بن اُمیّہ نے اُن دونوں کو سوتے میں مار ڈالا

جب آنحضرتؐ کو خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ میں اُن دونوں کی دیت دونگا

اور انمیں بنی نضیر سے بھی مدد چاہی - کیونکہ بنی نضیر اور آنحضرت کے

درمیان بھی معاہدہ تھا - اور بنی نضیر اور بنی عامر آپسمیں حلیف تھے

آنحضرت خود اُن کے محلہ میں تشریف لے گئے اور ایک دیوار کے تلے جا بیٹھے

اُنہوں نے آنحضرت کے قتل کا باہم مشورہ کیا اور یہ تجویز کی کہ دیوار پر چڑھکر

ایک بڑا پتھر آپ پر ڈالدیا جاوے - اور عمرو بن حجاش اس کام کے لئے

مقرر ہوا - استنے میں آنحضرت وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ

کو چلے آئے - جبکہ بنی نضیر کی یہ دغابازی محقق ہوگئی تو آنحضرت نے

اُنپر چڑہائی کی اور وہ قلعہ بند ہو گئے - اور آپ نے اُنکا محاصرہ کرلیا اور یہ

بات ٹھہری کہ وہ مدینہ سے چلے جائیں - اور اُن کے اونٹ سوا

ہتھیاروں کے جسقدر مال و اسباب اُٹھا سکیں لیجائیں - چنانچہ اُنہوں نے

چھ سو اونٹوں پر اپنا اسباب لادا اور اپنے مکانوں کو خود توڑدیا اور خیبر

میں جاکر آباد ہو گئے -

غزوہ بدر الاخری - ذیقعدہ سنہ ہجری

اُحد سے واپس جاتے ہوئے ابوسفیان نے وعدہ کیا تھا

کہ میں تم سے پھر لڑوں گا - اس وعدہ پر آنحضرت نے مدینہ سے کوچ

کیا - اور بدر میں پہنچکر مقام فرمایا - ابو سفیان بھی مکہ سے نکلکر ظہران

یا عسفان تک آیا - مگر آگے نہیں بڑھا اور کہا کہ یہ سال قحط کا ہے اسمیں

لڑنا مناسب نہیں اور سب لوگوں کو لیکر مکہ کو واپس چلا گیا -

غزوہ ذات الرِّقاع - محرم سنہ (۴) ہجری

اِس غزوہ کا یہ نام اسلئے ہوا کہ مسلمانوں سے نے اپنے جھنڈوں میں جو پھٹ گئے تھے پیوند لگائے تھے - اور بعضوں کا قول ہے کہ جہاں مسلمانوں کا لشکر ٹھہرا تھا وہاں ایک درخت تھا جسکا نام ذات الرقاع تھا - بنی محارب - اور بنی ثعلبہ نے جو قبیلہ غطفان سے لڑائی کے لئے کچھ لوگ جمع کئے تھے اُنکے مقابلہ کے لئے آنحضرتؐ نے کوچ کیا تھا جب آپ غطفان میں پہنچے تو ایک بہت بڑا گروہ دشمنوں کا نظر آیا - دونوں طرف کے لوگ لڑنیکے ارادہ سے آگے بڑھے مگر لڑائی نہیں ہوئی اور ہر ایک گروہ واپس چلا گیا -

غزوہ دومۃ الجندل - ربیع الاول سنہ (۴) ہجری

یہ ایک قلعہ کا نام ہے جو مدینہ اور دمشق کے بیچ میں ہے اور اُسکے قریب پانی کا ایک چشمہ ہے - اِس بات کا خیال ہونے پر کہ یہاں کے لوگوں نے بھی لڑائی کے لئے کچھ لوگ جمع کئے ہیں آنحضرتؐ نے اُسطرف کوچ کیا مگر اثنای راہ میں سے واپس تشریف لے آئے - غالباً اسلئے کہ اُس خیال کی صحت نہ پائی ہو گی -

غزوہ بنی مصطلق یا مُریسیع شعبان سنہ ۵ ہجری

یہ عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے - اور مُریسیع ایک چشمہ کا نام ہے جو قدید کی طرف واقع ہے - آنحضرت کو یہ خبر پہنچی کہ حارث بن ضرار نے لڑائی کے ارادہ پر لوگوں کو جمع کیا ہے - آنحضرتؐ نے اُنکے

مقابلہ کے لئے کوچ کیا اور مریسیع کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور بنی مصطلق کو شکست ہوئی۔

غزوہ خندق یا احزاب ذیقعد ۵ سنہ ہجری

اب بنی نضیر کے جلاوطن یہودی انتقام پر آمادہ ہوئے اور اُنکے چند سردار بنی وائل کے کئی رئیسوں کو ساتھ لیکر مکہ گئے اور ابُو سُفیان کو مدینہ پر حملہ کرنیکے لئے ابھارا اور وہ چار ہزار آدمیوں کے ساتھ بقصد مدینہ مکہ سے نکلا۔ رستہ میں غطفان اور کنانہ اور اور قبائل صحرائی کے لوگ شامل ہوتے گئے۔ اور قریب دس ہزار کے لشکر جمع ہوگیا۔

آنحضرت صلعم نے شہر سے باہر جاکر لڑنا خلاف احتیاط سمجھا اور مدینہ کے گرد خندق کھودی جسمیں بنفس نفیس شریک ہوتے تھے مورچے باندھ لئے۔ ابتک یہود بنی قریظہ کی نسبت عہد شکنی اور دغابازی کا گمان نہ تھا۔ بلکہ یہہ امید تھی کہ وہ بشرائط معاہدہ کے بموافق مسلمانوں کی مدد کرینگے اور کم سے کم یہ کہ دشمنوں کے شریک نہونگے۔ مگر اُنھوں نے اپنے ہمجنس یہودیوں کی رعایت سے عہد توڑ دیا اور صاف کہدیا کہ "محمدؐ کون ہے اور رسول کیا چیز ہے کہ ہم اُنکی اطاعت کریں۔ ہم سے اور اُس سے کوئی عہد و پیمان نہیں ہوا"۔ اِن کے علاوہ سیکڑوں منافق موجود تھے۔ جنسے یہ اندیشہ تھا کہ دشمنوں کو شہر کے غیر محفوظ مقامات بتادینگے۔ پس مسلمان ایک سخت ضغطہ کی حالت میں تھے اور ایک

شخص کے بھی بچنے کی توقع نہ تھی - الغرض یہ تمام لشکر مدینہ پر آپہونچا
اور ایک مہینہ کے قریب تک لڑائیاں ہوتی رہیں اور دشمنوں نے دو دفعہ
بڑی شدت اور قوت کے ساتھ عام حملہ بھی کیا - مگر ہر دفعہ ناکام ہٹا دیے گئے

محاصرہ کو طول ہو گیا تھا اور سخت جاڑے کا موسم تھا - لشکر کفار میں رسد
کی بہت قلت تھی - اور بھوک اور تکلیف کے مارے گھوڑے مرتے
جاتے تھے - اعراب صحرائی جو صرف لوٹ کی طمع سے شریک ہو گئے
تھے ہمت ہار چکے تھے اور خدا نے یہودیوں اور مشرکوں میں تفرقہ
اور پھوٹ ڈالدی تھی اور ایک دوسرے سے بدگمان ہو گئے تھے
اسی درمیان میں قریش کا رستم دستان عمرو بن عبد ود جو ہزار آدمی
کو اکیلا کافی ہوتا تھا اسلام کے شیر لشکر شکن علی مرتضیٰ کے ہاتھ سے مارا
جا چکا تھا -

اس شخص کی ایسی دھاک بڑھی ہوئی تھی کہ جب اُسنے خندق کو پھاند کر
دیو کی طرح چنگھاڑنا شروع کیا کہ "ھَل مِن مُبَارِزٍ - ھَل مِن مُبَارِزٍ" یعنی
کوئی ہے ؟ جو مجھسے لڑنیکو نکلے - کوئی ہے ؟ جو میرے مقابلہ میں آئے"
تو خوف کے مارے مسلمانوں کا یہ حال ہو گیا "کَاَنَّ عَلٰی رُؤُسِھِمُ الطَّیْر"
مگر غیرت و شجاعت اسد اللٰہی اسکی متحمل نہو سکی اور آنحضرت سے اُسکے
مقابلہ کی اجازت چاہی - اور آپنے جو یہ فرمایا کہ "اِنَّہٗ عَمْرٌو" تو عرض کیا کہ
"وہ ہے گر عمرو تو ہوں نام کو حیدر میں بھی" اس مضمون کو فتحعلیخان
صبا ملک الشعراے ایران نے کیا خوب ادا کیا ہے ؎

پیمبر بسر دوش که عمرو است ایں‌ا — که دست یلی آختہ ز آستیں
علی گفت اے شاہ اینک منم — کہ یک بیشہ شیر است در جوشنم

چنانچہ اجازت ملتے ہی شیر غضبناک کی مانند اوسکی طرف جھپٹے اور ایک بڑی کشمکش و کوشش کے بعد اُسکو پچھاڑا اور چھاتی پر چڑھکر سر کاٹ لیا اور حسب معمول نعرۂ تکبیر بلند کیا جسکے مارے جانیسے مشرکوں کی گویا کمر ٹوٹ گئی۔ اسی اثنا میں یکایک خدا نے برق و باد کا ایک بھاری لشکر اُن پر بھیجا۔ جس سے اَبُو سُفیَان محاصرہ اُٹھا کر رات ہی کو بھاگ جانے پر مجبور ہوا۔ اور اسکے بعد اُسکو پھر کبھی مَدِینَہ پر حملہ کرنے کیلئے نکلنے کی جرأت نہوئی۔

یہہ واقعہ قرآن مجید میں ایسے لطف کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ اُسکا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

"یَا اَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اذْکُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَاءَتْکُمْ جُنُودٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیحًا وَّجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَکَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِیرًا اِذْ جَاءُوکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ الظُّنُونَا" الیٰ اخر الآیات (سورہ احزاب)

یعنی اے مسلمانوں۔ یاد کرو خدا کے احسان کو جو تمپر ہوا۔ جبکہ چڑھ آئی تھیں تمپر فوجیں پھر بھیجی ہمنے اُنپر ایک تند ہوا اور ایسی فوجیں کہ جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے (یعنی موکلان برق و باد) اور خدا دیکھتا تھا جو کچھ کہ تم کر رہے تھے۔ جبکہ چڑھ آئے تھے دشمن تمہارے اوپر (مشرق!

کیطرف سے اور نیچے (مغرب) کی جانب سے - اور جبکہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے مونہہ کو آ گئے تھے - اور تم خدا (کے وعدۂ نصرت) کی نسبت طرح طرح کے گمان کر رہے تھے ؛

سریّۂ عبد اللہ بن عتیک - ذیقعد ۵ سنہ ہجری

جس زمانہ میں مدینہ پر چڑھائی کرنے کو قومیں جمع ہو رہی تھیں اور آنحضرتؐ مدینہ کے گرد خندق کھودنے میں مصروف تھے - اُسی زمانہ میں ابو رافع بن عبد اللہ جسکو سلام بن ابی الحقیق بھی کہتے تھے یہودیوں کا ایک سردار مدینہ پر حملہ کرنیکے لئے قوموں کے جمع کرنے میں بہت کوشش کر رہا تھا - عبد اللہ بن عتیک اور عبد اللہ بن اُنیس اور ابو قتادہ اور اسود بن خزاعی اور مسعود بن سنان خیبر کو گئے جہاں وہ رہتا تھا اور کسی طرح رات کو اُسکی خوابگاہ میں چلے گئے اور اُسکو مار ڈالا - مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا نے اُنکو اُس یہودی سردار کے قتل کرنیکو بھیجا تھا شاید ایسا ہوا ہو - مگر ہم اسلئے شبہ میں ہیں کہ ایشیائی مورخوں کی عادت ہے کہ خواہ مخواہ ہر چیز کو جناب پیغمبرؐ سے منسوب کر دیتے ہیں - علاوہ اسکے یہ قصہ ایسی عجیب باتوں کے ساتھ ملا کر لکھا ہے کہ وہی باتیں اُسکے صحیح ہونے میں شبہ ڈالتی ہیں - نہایت شبہ ہے کہ یہ واقعہ ہوا بھی یا نہیں مگر ہمکو مناسب ہے کہ جو طرف ضعیف ہے اُسکو اختیار کریں - پس ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا کے حکم سے وہ گئے اور اُنہوں نے اُس یہودی کو جو قوموں کو مدینہ پر حملہ کرنیکے

سے الٹے پیچ کر رہا تھا مار ڈالا مگر اس واقعہ سے ہمارے اُس دعوی میں کہ تلوار کے زور سے اسلام قبلوانا ان لڑائیوں سے مقصود نہ تھا۔ کچھ خلل واقع نہیں ہوتا۔ اور ہم ناظرین کو اپنی اُس توجیہ پر توجہ دلاتے ہیں جو کعب بن اشرف یہودی کے قتل کے باب میں لکھ آئے ہیں۔

غزوہ بنی قریظہ۔ ذی الحجہ ۵ سنہ ہجری

یہ بدر کی لڑائی کے موقع پر بھی بدعہدی کر چکے تھے اور دشمنوں کو ہتھیار دینے سے اُنکی مدد کی تھی۔ مگر معاف کر دیئے گئے تھے اور دوبارہ عہد لیا گیا تھا۔ اب جو اُنہوں نے ایسے سخت موقع پر جیسا کہ خندق کی لڑائی کا موقع تھا پھر دغابازی کی اور عہد توڑ ڈالا تو کسی طرح درگزر نہیں کیجا سکتی تھی بس جونہی ابوسفیان محاصرہ اُٹھا کر مکہ کو گیا اُنکی گڑھی کا محاصرہ کر لیا گیا پچیس دن تک جاری رہا۔ اسی درمیان میں اُنہوں نے اپنے سردار کعب بن اسد سے صلاح کی کہ کیا کرنا چاہیئے اُسنے کہا کہ تین کاموں میں سے ایک اختیار کر لو۔ یا ہم سب اسلام قبول کر لیں۔ یا خود اپنی آل اولاد اور عورتوں کو قتل کر کے محمد سے لڑ کر مر جائیں۔ یا آج ہی کہ سبت کا دن ہے اور اسوجہ سے مسلمانوں کو ہم سے حملہ کی توقع نہیں ہے اُنپر حملہ کر دیں مگر وہ ان تینوں باتوں میں سے کسی پر بھی راضی نہوے۔ اور صلح کا پیغام بھیجا۔ اسکا جواب یہ تھا کہ وہ بلا کسی شرط کے اپنے تئیں سپرد کریں اور آنحضرت جو چاہینگے اُنکی نسبت حکم دینگے" اسپر اُنہوں نے درخواست کی کہ تھوڑی دیر کے لئے ابولبابہ کو جو اُن لوگوں میں سے تھے جو بنی قریظہ

سے کے حلیف تھے ہمارے پاس بھیجدیا جاوے۔ وہ گئے اور اُن لوگوں نے
اُن سے پوچھا کہ ہم پیغمبر کے حکم پر اپنے تئیں سپرد کردینا قبول کریں یا نہیں
اُنہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ مگر ساتھ ہی اپنی گردن پر ہاتھ پھیرا جس سے یہ
اشارہ تھا کہ سب قتل کیے جاوینگے۔ تب اُنہوں نے اسبات پر اپنے تئیں
سپرد کرنے سے کہ آنحضرتؐ جو چاہیں گے اُنکی نسبت حکم دینگے انکار کیا۔
اَبُو لُبَابَہ خوب جانتے تھے کہ بنی قریظہ دو دفعہ اپنا عہد توڑ چکے ہیں
انکا کوئی معاہدہ جو وہ آیندہ کے لیے کریں قابل اعتبار نہو گا۔ اور اگر وہ اسلام
قبول کرنے پر راضی ہوں تو بھی اُسپر یقین نہو گا اور وہ منافق سمجھے جاوینگے
جنکی نسبت جب وہ علانیہ کوئی دشمنی کر چکے ہوں وہی حکم ہو گا جو اُن لوگوں
کی نسبت ہے جو علانیہ کافر ہیں۔ اسکے علاوہ اَبُو لبابہ کو معلوم تھا کہ وہ بغاوت
کی سزا کے مستحق ہیں۔ اگر انکی جگہہ کوئی مسلمان قوم ہوتی تو وہ بھی اُس سزا
سے بچ نہیں سکتی تھی۔ اسی سبب سے اُنہوں نے اشارہ کیا کہ سب قتل کیے
جاوینگے۔ اب بَنِی اَوس جو بنی قریظہ کے حلیف تھے درمیان میں پڑے
اور آنحضرت سے عرض کیا کہ جس طرح آپنے یَہُود بنی قینقاع سے جو بنی
خزرج کے حلیف تھے معاملہ کیا وہی اُنکے ساتھ بھی کیجیے۔ اسپر آپنے
فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو؟ کہ تمہاری قوم میں کا ایک شخص
یعنی سَعد بن معاذ جو حکم دیدے وہ منظور کیا جاوے؟ بَنِی اَوس اور
بنی قریظہ دونوں اسپر راضی ہوگئے اور بنی قریظہ نے اپنے تئیں سپرد کردیا
بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ بنی قریظہ نے اول اپنے تئیں اسی بات پر

سپرد کر دیا تھا کہ آنحضرتؐ انکی نسبت جو چاہیں حکم دیں اور بعد کو سعد بن معاذ
حَکَم یعنی پنچ قرار دیئے گئے تھے مگر یہ قول صحیح نہیں۔ بخاری
میں جو سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے ابو سعید خدری سے دو
روایتیں منقول ہیں اور اُن میں اور تاریخ ابن ہشام میں صاف بیان
ہوا ہے کہ بنی قریظہ نے اس بات پر اپنے تئیں سپرد کیا تھا کہ سعد
بن معاذ جو انکی نسبت حکم دیں وہ کیا جائے۔ غرضکہ سعد بن معاذ
بُلائے گئے اور اُنھوں نے یہ حکم دیا کہ لڑنے والوں کو قتل کر دیا جائے
اور اُنکی عورتیں اور بچے قید کر لئے جائیں۔ اور اُنکا مال تقسیم کر دیا جائے
مگر بُخاری کی حدیث میں عورتوں اور مال کی تقسیم کا کچھ ذکر نہیں۔ بہر حال اس
حکم کی تعمیل ہوئی۔ تمام عورتیں اور بچے اور لڑکے جنکے ڈاڑھی موچھ نہیں
نکلی تھی قتل سے محفوظ رہے اور تمام مرد بجز تین ۳ شخصوں کے جنکی نسبت
ثابت ہوا تھا کہ اس بغاوت میں شریک نہ تھے قتل کئے گئے۔ ایک
عورت جسنے ایک شخص کو مار ڈالا تھا بطور قصاص کے ماری گئی۔ اس موقع
پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ان لوگوں کو بطور قیدیان جنگ سزا نہیں دی گئی
تھی بلکہ باغیوں کے لئے جو سزا ہونی چاہئے وہ دیگئی تھی۔ مقتولین کی
تعداد میں نہایت مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ کسی مورخ کا چار سو اور کسی کا
چھ سو اور آٹھ سو اور نو سو بیان کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایتیں
قابل اعتماد نہیں ہیں۔ اور بلحاظ اُس آبادی کے جو اس زمانہ میں مدینہ
میں تھی یقین نہیں ہو سکتا کہ چار سو آدمی بھی لڑنے والے بنی قریظہ کی

بستی میں ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اور بچوں سمیت چار سو یا کچھہ زیادہ
تعداد اُن لوگوں کی ہوگی جسکو لوگوں نے غلطی سے مقتولین کی تعداد سمجھہ لیا
اس میں کچھہ شبہ نہیں کہ یہ واقعہ نہایت خوفناک تھا۔ مگر کونسا زمانہ ہے
اور کونسی قوم ہے جسکے ہاتھ سے باغیوں کو اِس سے سخت سزائیں نہ دیگئی
ہوں۔ جن لوگوں نے بغاوت کی تاریخیں پڑھی ہیں یا اپنی آنکھوں سے
اس اُنیسویں صدی عیسوی میں بھی جو سویلزیشن کا زمانہ کہلاتا ہے یا اِس
سے تھوڑا زمانہ پہلے بغاوت کے واقعات دیکھے ہیں اُنکی آنکھوں میں
کئی سو آدمیوں کا بجرم بغاوت قتل ہونا کوئی بڑا واقعہ معلوم نہوگا۔
رہی یہ بات کہ اس قسم کی لڑائیوں اور ایسی خونریزی کو حضرت موسیٰؑ نے
اپنے زمانہ میں اور محمد رسُولُ اللہ صَلّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے
اپنے زمانہ میں کیوں جائز رکھا اور مثل حضرت یحیٰؑ اور حضرت عیسٰیؑ
علیہما السلام کے کیوں نہ اپنی جان دیدی۔ اُسکی نسبت ہم اخیر کو بحث کرینگے
اس مقام پر صرف ہکو یہ بات دکھانی ہے کہ جو لڑائیاں آنحضرت کے
زمانہ میں ہوئیں وہ اس بنا پر نہ تھیں کہ لوگوں کو بجبر اور ہتھیاروں کے زور
سے مسلمان بنایا جاے۔ سو اِس عظیم واقعہ سے بھی جو بنی قریظہ کے
قتل کا واقعہ ہے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ بزور شمشیر صرف امن کا قائم رکھنا
مقصود تھا نہ کسیکو بجبر مسلمان کرنا۔

سریہ قرنطا یا محمد بن مسلمہ۔ محرم ۶ھ ہجری

قرنطا ایک قبیلہ ہے بنی بکر بن کلاب میں کا یہ لوگ ضرابہ

کی طرف رہتے تھے جو مدینہ سے سات منزل ہے اور عمرہ کے
لئے مکہ جانے کو نکلے تھے۔ جیسا کہ اُنکے سردار نے آنحضرتؐ کے
سامنے بیان کیا۔ غالباً اُنکے نکلنے سے شبہ ہوا ہو گا اسلئے محمد بن مسلمہ
کو تیس سوار دیکر اُس طرف روانہ کیا گیا۔ مگر وہ لوگ اُنکو دیکھکر بھاگ گئے اور
اُن میں سے ثمامہ بن اثال پکڑا گیا۔ جسکو محمد بن مسلمہ نے لاکر مسجد کے
ایک ستون سے باندھ دیا۔ مگر آنحضرتؐ کے حکم سے اُسکو چھوڑ دیا گیا اور
بعد کو وہ مسلمان بھی ہو گیا۔

غزوۂ بنی لحیان۔ ربیع الاول ۶ سنہ ہجری

غزوۂ رجیع میں ذکر ہو چکا ہے کہ رجیع کے مقام پر لوگوں نے
دغابازی سے مسلمانوں کو مار ڈالا تھا اُسکا بدلہ لینے کو آنحضرتؐ نے
دو سو سواروں کے ساتھ کوچ کیا اور غیر معروف رستہ اختیار کیا تاکہ بنی لحیان
یہ نہ سمجھیں کہ اُنپر چڑھائی ہوئی ہے۔ مگر جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ اُن کو
خبر پہنچ گئی تھی اور پہاڑوں میں جا چھپے تھے اسلئے آپ واپس تشریف لے آئے

غزوۂ ذی قرد یا غزوۂ غابہ۔ ربیع الآخر ۶ سنہ ہجری

غَابَہ ایک گانوں ہے مدینہ کے پاس شام کی طرف
عُیَینَہ بن حصن الفزاری نے بنی غطفان کے سوار لیکر مقام
غابہ میں آنحضرتؐ کے اونٹوں کو لوٹ لیا اور وہاں ایک آدمی بنی غفار
میں کا مع اپنی جورو کے تھا اُسکو مار ڈالا اور اُسکی جورو اور اونٹوں کو لیگئے سلمہ بن
عمر بن اکوع نے جو ایک نامی تیرانداز تھا تن تنہا اُن کا تعاقب کیا

اور اونٹوں کو چھڑا لیا۔ جب یہہ خبر مدینہ میں پہنچی تو لوگ آنحضرتؐ پاس۔
جمع ہوگئے تاکہ اُنکو سزا دیں۔ آپ نے سعد بن زید کو سردار
کرکے اُن لوگوں کے تعاقب میں بھیجا۔ کچھہ خفیف سی لڑائی ہوئی اور
چند آدمی مارے گئے۔ اُن لوگوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گئے۔
سعد کے روانہ ہونیکے بعد آنحضرتؐ خود بھی روانہ ہوئے اور ذی قردہ
تک جو ایک چشمہ کا نام ہے پہنچے اور پھر سب لوگ واپس چلے آئے۔

سریۂ عُکاشہ بن محصن اسدی۔ ربیع الآخر سنہ ۶ ہجری

غمر مرزوق ایک چشمہ ہے بنی اسدؔ میں فید سے دو منزل
عکاشہ بن محصن اسدی چالیس ۴۰ آدمیوں کے ساتھہ روانہ ہوئے
اسطرف اعراب یعنی گنوار عرب رہتے تھے غالباً اُن ہی کی تنبیہہ و تادیب
کو گئے ہونگے۔ وہ لوگ بھاگ گئے عکاشہ اُن کے دو سو ۲۰۰ اونٹ
پکڑ لائے۔

سریۂ ذی القصہ یا سریۂ بنی ثعلبہ۔ ربیع الآخر سنہ ۶ ہجری

ذی القصہ ایک گانوں ہے مدینہ سے چوبیس ۲۴ میل۔
آنحضرتؐ نے دس آدمی بنی ثعلبہ کے پاس روانہ کئے تھے
محمد بن مسلمہ اُن کے سردار تھے۔ یہہ لوگ ذی القصہ میں رات
کو رہے۔ مگر رات کو وہاں کے سو ۱۰۰ آدمیوں نے اُنکو کھیر کے تیروں سے
مار کر مار ڈالا۔ صرف محمد بن مسلمہ بچے مگر زخمی ہوئے صبح
کو ایک شخص اُنھیں اُٹھا کر مدینہ میں لے آیا۔ اِس واقعہ کے

بعد آنحضرتؐ نے ابو عُبَیدہ بن الجراح کو چالیس آدمی دیکر اُن لوگوں کی سزا دینے کے لئے بھیجا تھا مگر وہ سب پہاڑوں میں بھاگ گئے انکا گلا سڑا اسباب جو رہگیا تھا اُسکو ابو عُبَیدہ لوٹ لائے۔

سریۂ جموم۔ ربیع الآخر سنہ ۶ ہجری

جموم ایک مقام ہے بطن نخلہ میں

زید بن حارثہ بطور گشت کے اُس طرف گئے قوم مزینہ کی ایک عورت نے جسکا نام حلیمہ تھا بنو سلیم کی کچھ مخبری کی جسپر زید نے اُس بستی کو گھیر لیا۔ اُنکے اونٹ چھین لئے اور چند آدمیوں کو قید کر لیا جنمیں حلیمہ کا شوہر بھی تھا۔ مگر آنحضرتؐ نے انکو چھوڑ دیا۔

سریۂ عیص۔ جمادی الاول سنہ ۶ ہجری

یہ ایک موضع ہے مدینہ سے چار میل پر

قریش مکہ کا ایک قافلہ جس میں تجارت وغیرہ کا سامان تھا شام سے آتا تھا آنحضرتؐ نے زید بن حارثہ کو بھیجا کہ قریش مکہ تک اُس سامان کو نجانے دے۔ زید گئے اور قافلہ کا مال و اسباب چھین لیا۔ اور چند آدمی قید کر لئے۔

سریۂ طرف۔ جمادی الآخر سنہ ۶ ہجری

یہ ایک چشمہ کا نام ہے مدینہ سے چھتیس ۳۶ میل

زید بن حارثہ پندرہ آدمیوں کے ساتھ بطور گشت کے بنو ثعلبہ کی طرف گئے جو اعراب میں سے تھے۔ مگر وہ بھاگ گئے اور اپنے

اُونٹ بھی چھوڑ گئے جنکو زید لیکر چلے آئے۔

سریہ حسمی۔ جمادی الآخر ۶ہجری

یہہ وادی القریٰ سے دو منزل ورے ہے جو مدینہ سے چھ منزل ہے۔

دحیہ بن خلیفہ کلبی شام سے واپس آتے تھے۔ جب ارض جذام میں پہنچے تو ھُنید بن عوص اور اُسکے بیٹے نے اُنکو لوٹ لیا۔ دحیہ نے مدینہ میں آکر یہہ حال بیان کیا۔ اسی درمیان میں بنو نضیب نے جو رفاعہ کی قوم سے تھے اور مسلمان ہو چکے تھے ھُنید پر حملہ کیا اور مال و اسباب واپس کر لیا۔ آنحضرتؐ نے زید بن حارثہ کو ھُنید کی سزا دہی کو مقرر کیا۔ وہ گئے اور لڑائی میں ھُنید اور اُسکا بیٹا مارا گیا۔ اُنکا اسباب لوٹ لیا گیا۔ اور کچھ لوگ قید ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِس ہنگامہ میں بنی نضیب کا بھی کچھ اسباب لوٹا گیا۔ اور اُن کے کچھ آدمی بھی قید ہو گئے۔ جب اُنہوں نے آنحضرت پاس آکر یہ حال بیان کیا تو آپ نے حضرت علی مرتضیٰ کو متعین کیا۔ اُنہوں نے جاکر بنی نضیب کا سب مال و اسباب واپس دلا دیا اور قیدیوں کو چھڑوا دیا

سریہ وادی القریٰ۔ رجب ۶ہجری

یہ ایک میدان ہے مدینہ اور شام کے درمیان۔ وہاں بہت سی بستیاں ہیں۔ زید بن حارثہ کچھ آدمی لیکر بطور گشت اُس طرف گئے وہاں کے لوگوں سے لڑائی ہوئی۔ زید کے ساتھ کے آدمی جو مسلمان

سے مارے گئے اور زید بھی سخت زخمی ہوئے۔

سریہ دومۃ الجندل۔ شعبان ۶ ہجری

دومۃ الجندل کے لوگ (جو عیسائی تھے) ہمیشہ حملہ کا موقع تکتے تھے۔ چنانچہ ہجرت کے چوتھے سال ہی میں بھی اُنکے حملہ کا احتمال ہوا تھا۔ اور خود آنحضرتؐ نے کوچ فرمایا تھا۔ اُنہی اسباب سے اس سال عَبدُ الرَّحمٰن بن عوف کو سردار کرکے اُن لوگوں پر بھیجا اور فرمایا کہ کوئی دغا کی بات مت کرو اور خدا کی راہ میں لڑو۔ اور کسی نابالغ بچہ کو مت مارو یہ بھی فرمایا کہ اگر وہ تیری اطاعت کرلیں تو اُنکی سردار کی بیٹی سے شادی کرلینا۔ عرب میں قوموں کا اپنا پورا پورا ساتھی یا حمایتی بنا لینے کے صرف دو طریقے سب سے عمدہ تھے۔ ایک حلیف ہوجانا۔ دوسرا رشتہ مندی کرلینا اسی پولیٹیکل مصلحت سے آنحضرتؐ نے عبدالرحمٰن کو وہاں کے سردار کی بیٹی سے شادی کرلینے کی ہدایت کی تھی۔ اور یہی ایک بڑا سبب تھا کہ آنحضرتؐ نے اخیر عمر میں متعدد قبیلوں کی عورتوں کو اپنی ازواج مطہرات میں داخل کیا تھا باوجودیکہ عالم شباب میں بجز ایک بیوی کے کوئی اور بھی

پس عبدالرحمٰن وہاں گئے تین دن قیام کیا۔ اور اسلام کا وعظ کیا کئے۔ اور مسلمان ہوجانے کی اُنکو ہدایت کی۔ اصبغ بن عمرو کلبی جو وہاں کا سردار اور عیسائی تھا مسلمان ہوگیا اور اُسکے ساتھ اور بہت سے آدمی مسلمان ہوگئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے اُنہوں نے اطاعت اختیار کی۔ اور جزیہ دینا قبول کرلیا۔ عبدالرحمٰن

نے اصیحر کی بیٹی سے شادی کر لی۔

سریۂ فدک۔ شعبان ۶ سنہ ہجری

یہ ایک گانوں ہے حجاز میں مدینہ سے دو منزل۔
آنحضرتؐ کو خبر پہنچی کہ قبیلہ بنو سعد ابن بکر لوگوں کو جمع کر کے یہودیوں کو جو جلا وطن ہوکر خیبر میں جا بسے تھے مدد دینے کا ارادہ کر رہے ہیں اسلئے جناب علیؑ مرتضیٰ کو سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ آپ نے انپر چھاپا مارا اور اُن کے سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں لوٹ لائے اور کوئی لڑائی نہیں ہوئی

سریۂ زید بن حارثہ یا سریۂ اُم قرفہ رمضان ۶ سنہ ہجری

زیدؓ بن حارثہ مسلمانوں کا بہت سا مال تجارت لئے ہوئے شام کو جاتے تھے۔ جب وادی القریٰ میں پہنچے تو قوم فزارہ نے جو بنی بدر کی ایک شاخ ہے اور جنکی سردار اُم قرفہ نامی ایک عورت تھی سب اسباب لوٹ لیا۔ آنحضرتؐ نے زید ہی کو اُنکے سزا دینے کو متعین کیا۔ زید نے انکا ایک اُنپر چھاپا مارا۔ اور اُم قرفہ اور اُسکی بیٹی کو پکڑ لیا۔ قیس بن محسر نے اُس ضعیف عورت کو نہایت بُری طرح سے مار ڈالا یعنی اُسکا ایک پانوں ایک اونٹ سے اور دوسرا پاؤں دوسرے اونٹ سے باندھکر اونٹوں کو مختلف سمت میں ہانکا کہ اوسکے دو ٹکڑے ہو گئے۔ تاریخوں سے یہ بات قابل اطمینان نہیں معلوم ہوتی کہ اُم قرفہ کے مار ڈالنے کے بعد اُسکے پانوں اونٹوں سے باندھے تھے یا وہ زندہ تھی اور اونٹوں کے پانوں سے باندھکر اُسکو مارا تھا۔ مورخین نے اسکا

ذکر بھی فرو گزاشت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس بے رحم واقعہ کو اگر در حقیقت

وہ ہوا تھا شکر کیا فرمایا۔ ضرور قیس پر نہایت درجہ کی خفگی فرمائی ہوگی

کیونکہ عموماً آپکی یہ نصیحت تھی کہ عورتیں اور بچے نہ مارے جائیں۔ مع ہذا اس

سریہ کے متعلق ایسی مختلف روائتیں ہیں کہ جنمیں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں

ہوسکتا۔ علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اس سریہ کے سردار ابو بکر

صدیق تھے اور سلمہ بن الاکوع لڑے تھے اور اسمیں ایک ضعیف

عورت کے مع اسکی بیٹی کے پکڑے جانیکا ذکر ہے۔ مگر اسکے مارے

جانیکا ذکر نہیں۔ اسکا نہ مارا جانا زیادہ تر یقین کے قابل ہے کیونکہ صحیح مسلم

میں جو حدیث کی نہایت معتبر کتاب ہے اس عورت کا پکڑا جانا بیان ہوا

ہے مگر مارے جانیکا ذکر نہیں۔ پھر ایک روایت میں ہے کہ اسکی بیٹی

حزن بن ابی وہب کو دیدی گئی۔ اور اس سے عبد اللہ بن حزن

پیدا ہوئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ لڑکی آنحضرتؐ نے

لے لی اور اسکو مکہ بھیجدیا اور اسکے بدلے میں چند مسلمانوں کو قریش

سے چھڑا لیا۔ سر ولیم میور نے تسلیم کیا ہے کہ اس عورت کے قتل

ہونیکا علم آنحضرتؐ کو نہیں ہوا۔ لیکن تعجب ہے کہ اسپر بھی انہوں نے آپکو اسکے

قتل کا شریک گردانا ہے۔

سریہ عبد اللہ بن رواحہ۔ شوال سنہ ۶ ہجری

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق یہودی کے مرنے یا مارے جانے

کے بعد جسکا ذکر ہم سریہ عبد اللہ بن عتیک میں کر آئے ہیں

اُسیر بن رزام یہودیوں کا سردار قرار پایا اُسنے اپنے حلیف بنی غطفان کو اپنے ساتھ ملایا اور لڑائی کی تیاری کی۔ آنحضرتؐ کو جب یہ خبر ملی تو آپنے عبد اللہ بن رواحہ کو مع تین ۳ اور آدمیوں کے اس خبر کی تحقیق کرنے کو بھیجا۔ جب عبدُ اللہ واپس آئے تو آپ نے تیس ۳۰ آدمی اُنکے ساتھ کئے اور اُسیر بن رزام پاس روانہ کئے ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ اُنکا بھیجنا کسی معاہدے یا صلح یا اور کسی قسم کی گفتگو کے لئے تھا نہ لڑائی کے لئے۔ کیونکہ لڑائی کے لئے تیس ۳۰ آدمی نہیں بھیجے جا سکتے تھے عبد اللہ نے اُس سے گفتگو کی اور وہ اس لالچ میں آپکے پاس آنے پر راضی ہوا کہ خیبر کی سرداری اُسکو مل جائے۔ وہ بھی تیس ۳۰ آدمی اپنے ساتھ لیکر چلا۔ یہ سب اونٹوں پر سوار ہوکر چلے۔ یہودی آگے اور مسلمان اُنکے پیچھے بیٹھے۔ جب قرقرہ میں پہنچے تو اُسیر کے دلمیں کچھ شبہ ہوا جیسا کہ زاد المعاد میں لکھا ہے اور اُسنے عبد اللہ کی تلوار پر ہاتھ ڈالا عبد اللہ کو بھی شبہ ہوا۔ اور وہ اونٹ پر سے کود پڑے اور اُسکے پاؤں پر تلوار ماری۔ اُسیر بھی کود پڑا۔ اور خار دار سونٹا عبد اللہ کے مونہہ پر مارا۔ اِس ہنگامہ کو دیکھکر ہر ایک مُسلمان نے اپنے ساتھی پر حملہ کیا اور مار ڈالا۔

سریۂ عُرینیین۔ شوال سنہ (۶) ہجری

عُرینہ مدینہ کے قریب ایک میدان ہیں ایک باغ تھا۔ وہاں سے چند کسان آنحضرتؐ پاس آئے۔ نہایت مفلس اور تباہ حال

اور بیمار تھے - شاید استسقا کی بیماری تھی جس کا علاج اونٹ کا دودھ
اور پیشاب پینا اور جہان اونٹ بٹھاے جاتے ہون وہین پڑے رہنا
تھا - اُنہون نے جھوٹ موٹ بیان کیا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہین -
ہماری مدد کرو - آپ نے اپنی چند اونٹنیان اور چرواہے اُنکے ساتھ
کردیئے - مگر جب وہ حَرّہ کے مقام پر پُہنچے تو اُنہون نے جیساکہ صحیح مُسلم
مین بیان ہوا ہے اُن چرواہون کی آنکھین پھوڑ دین اور اُن کے
ہاتھہ پانون کاٹ ڈالے جس سے وہ مر گئے - اور اونٹنیان لیکر چلدیئے
کرز بن جابر الفہری مع چند آدمیون کے اُنکے تعاقب مین بھیجا گیا -
وہ پکڑے گئے - اور اُنکی بھی آنکھین پھوڑی گئین - اور ہاتھہ پانون کاٹ کر
ڈالدیئے گئے کہ وہ مر گئے -

ہم غزوۂ اُحُد مین لکھہ آئے ہین کہ مسلمانون کو یہ حکم مل چکا تھا کہ اگر تم عقوبت
کرنا چاہو تو اُسیقدر عقوبت کرو کہ جسقدر تمپر عقوبت کی گئی ہو پس غالباً اِسی بنا پر
مسلمانون نے اُنکو اُسیطرح مارا جسطرح اُنہون نے چرواہون کو مارا تھا -

سَرِیّہ عَمرو بن اُمیّہ - شوال سنہ ۶ ہجری

اَبُو سُفیَان بن حرب نے مَکّہ سے ایک آدمی مدینہ
مین بھیجا کہ کسی بہانہ سے آنحضرتؐ کو قتل کردے - وہ مع خنجر جو اُس کے
پاس چھپا ہوا تھا پکڑا گیا مگر جان بخشی کے وعدہ پر جب اُسنے یہ حال بتا دیا
تو اُسکو چھوڑ دیا گیا - اور وہ مَکّہ کو چلا گیا مَوَاہِبِ لَدُنیّہ مین لکھا ہے

کہ اسپر آنحضرتؐ نے ابُو سُفیان کے قتل کے لیئے عمرو بن اُمیّہ اور سلمہُ بن اَسلمؓ کو بھیجا - لیکن اُن کا وہان جانا کُھل گیا - لوگ اُن پر دوڑے مگر وہ کسی طرح پر بچکر نکل آئے - مگر یہ روایت اور اِس قسم کی اور روایتین جو ہم اوپر لکھہ آئے ہین اِسقدر لغو ہین کہ مخالف مذہب مورخون نے بھی اُن کو صحیح نہین سمجھا - چنانچہ واشنگٹن ارونگ جو ایک عیسائی مؤرخ ہے اپنی تاریخ اِسلام کے بیسوین باب مین لکھتا ہے کہ "محمدؐ پر جو یہ الزام لگایا گیا ہے کہ دُشمن سے فریب کی تدبیرین کین - کیونکہ سُنا گیا ہے کہ اُسنے عمرو بن اُمیّہ کو خفیہ پیغام کے ساتھہ مکّہ کو بھیجا کہ ابُو سُفیان کو مار ڈالے مگر یہ راز کُھل گیا اور قاتل بسرعت بھاگ آنے سے بچگیا - مگر یہ الزام اچھی طرح ثابت نہین ہے اور اُنکی [یعنی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی] کردار اور سیرت عام کے برخلاف ہے"

غزوہ حُدیبیّہ - ذی قعد (۶) سنہ ہجری

یہ ایک گانو ہے اور اُسمین اِس نام کا ایک کنوان ہے اُسی کے نام سے یہ گانو مشہور ہوگیا ہے - یہان سے مکّہ ایک منزل ہے -

زمانہ جاہلیّت مین - ذیقعد - ذی الحجہ - محرّم اور رجب کے مہینون مین لوگ لڑنے بھڑنے کو حرام جانتے تھے - اور یہ مہینے حج اور زیارت کعبہ کے لئے جو تمام اقوامِ عرب کا قومی اور مشترک معبد تہا مخصوص تھے - چنانچہ کعبہ مین انبیاے سلف خصوصاً حضرت

ابراھیم و اِسمٰعِیل علیہم السلام اور قربانی کے مینڈھے اور
عِیسٰی عَلَیہِ السَّلام کو گود مین لئے ہوئے حضرت مریم کی تصویر
کا ہونا[1] اِس بات کی دلیل ہے کہ عرب کے بعض قبیلون کے لوگ
جو یَھُودِی یا عیسائی ہو گئے تھے وہ بھی حج اور زیارت کو
آتے تھے اور کوئی کسی سے مزاحم ہونے کا حق نرکھتا تھا - پس اسی بنا
پر آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مکّہ مین جاکر حج وعمرہ ادا کرنے کا
ارادہ کیا - قربانی کے لئے اونٹ ہمراہ لئے - اور قربانی کی علامت
کے طور پر جو نشانیان مقرر تھین وہ اُن پر کردین - اور ایکہزار پانسو بیس لوگون
کے ساتھہ کوچ فرمایا - اور چونکہ یہ امید تھی کہ قُریشِ مکّہ حج اور زیارت
کے مانع نہونگے - اِسلئے لوگون کے پاس احتیاطاً صرف ایک ایک
تلوار تھی اور کوئی ہتھیار نہ تھا - مگر جب حُدَیبِیَّہ مین پُہنچے تو قُریش
نے مکّہ مین آنے سے روکا - دونون طرف سے پیغام سلام ہوئے -
اور لوگ آئے گئے مگر اُنھون نے نہ مانا - آخر کار عُثمان بن عفّان
بھیجے گئے اور اُن کو بھی اُنھون نے قید کر لیا - اور یہ مشہور ہو گیا کہ قُریش
نے اُنکو قتل کرڈالا - پس آنحضرتؐ نے مجبوراً لڑنے کا ارادہ کیا - اور سب
لوگون سے لڑنے اور مارنے مرنے پر بیعت لی - مگر بعد کو وہ خبر
غلط معلوم ہوئی - اِسکے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کو صلح کا
پیغام دیکر بھیجا - اور صلح اِس بات پر منحصر تھی کہ اِس سال آپ مکّہ مین حج

[1] دیکھو کتاب اخبار مکّہ مصنفہ علّامہ ازرقی صفحہ ۱۲۰ و تاریخ ابن ھشام وغیرہ - مؤلف

اور عمرہ کو نہ آئین اور واپس چلے جائین - اور سال آیندہ کو قضا کرلین اور تین۳ دن سے زیادہ مکّہ مین نہ ٹھہرین - اور ایک ایک تلوار کے سوا کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہو - بعد لمبی گفتگو کے آنحضرت اِس پر رضامند ہوگئے - اور حضرت علیؓ مُرتضیٰ کو عہدنامہ لکھنے کو فرمایا - اور کہا کہ لکھو "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" سہیل نے کہا کہ ہمتو یہ نہین جانتے صرف یہ لکھو "بِاسۡمِکَ اَللّٰھُمَّ" آپ نے فرمایا کہ یہی لکھو - پھر فرمایا کہ لکھو "ھٰذَا مَا صَالَحَ عَلَیۡہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ" سہیل نے کہا کہ اگر ھم اِس بات کو قبول کرتے کہ آپ خدا کے رسولؐ ہین تو آپ سے لڑتے ہی کیون - آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیے - آپ نے فرمایا کہ لکھو "ھٰذَا مَا صَالَحَ عَلَیۡہِ مُحَمَّدُ بۡنُ عَبۡدِ اللّٰہِ" غرض کہ اِس سال واپس چلے آنے کے علاوہ اِس بات پر صلح ہوئی کہ دس۱۰ برس تک لڑائی موقوف رہے سب لوگ امن مین رہین اور لڑائی نہو - اور یہ بھی معاہدہ ہوا کہ اگر کوئی شخص قُریش مکّہ مین کا بلا اجازت اپنے ولی کے آنحضرتؐ کے پاس چلا آئے تو آپ اُسکو اُنکے پاس بھیجدین - اور اگر آنحضرتؐ کے ساتھیون مین سے کوئی شخص مکّہ مین چلا آئے تو قریش اُسکو واپس نہین دینے کے۵۱ غرضکہ آنحضرتؐ نے اِس معاملہ مین ایسی نرمی اور عالی ظرفی کا برتاؤ کیا کہ دونون طرف سے عہدنامہ کی تصدیق ہوگئی - اور

۵۱ کسی مسلمان کا آنحضرتؐ کی مرضی کے برخلاف قریش کے پاس چلا جانا مرتد ہونے کے بغیر ممکن نہ تھا پس مرتد کو واپس لیکر آپ کیا کرتے - مؤلف عفی عنہ

آنحضرتؐ نے اُسی مقام پر قربانی کے اونٹ ذبح کئے اور ارادہ حج و عمرہ کا موقوف کیا اور مدینہ کو واپس تشریف لے آئے۔

غزوہ خیبر۔ جمادی الآخر سنہ (۷) ہجری

یہ ایک مشہور و معروف بہت بڑا شہر ہے مدینہ سے آٹھ منزل شام کی طرف۔

اَہلِ خیبر کہ جنمین وہ تمام یہودی بھی جا ملے تھے جو مدینہ سے جلاوطن کئے گئے تھے ہمیشہ مسلمانوں سے لڑنے کی تیاریاں کرتے رہتے تھے۔ اور اُنہوں نے بنی اسد اور بنی غطفان کو اپنا حلیف کر لیا تھا اور اپنے قلعوں کی مضبوطی پر جو شمار مین دس تھے بہت نازان تھے۔ جب اُن لوگوں کی آمادگی جنگ نے زیادہ شہرت پائی تو آنحضرتؐ نے اِس فساد کے مٹانے کا ارادہ کیا اور مدینہ سے چڑہائی کی۔ بنی اسد کا سردار طلیحہ بن خویلد اسدی اور بنی غطفان کا سردار عُیینہ بن حصن ابن بدر فزاری تھا خیبر والون نے اپنے قلعون کو بند کر لیا اور ایک مہینہ تک لڑائی جاری رہی۔ سب سے پہلے حصن ناعم فتح ہوا اور پھر بعض اور قلعے بھی فتح ہوئے اہل خیبر سخت لڑائیان لڑتے رہے مگر جب جناب حیدر کرار نے یہودیون کے بڑے نامی گرامی بہادرون حارث اور اُسکے بھائی مرحب اور عنتر اور یاسر کو مار لیا۔ اور ایک عجیب و حیرت انگیز قوت و صولت کے ساتھ اُنکے سب سے مضبوط قلعون وطیح۔ سلالم اور

قموص کو فتح کرلیا - تو اُنھون نے امن چاہا اور تین امر پر صلح ہوئی -

اول - یہ کہ تمام اہل خیبر کو اور اُن کے اہل وعیال کو جان کی امان دیجاے - دُوسرا - یہ کہ تمام اہل خیبر اپنا مال واسباب بطور تاوانِ جنگ کے دیدین - لیکن اگر کوئی شخص اپنا مال چھپا رکھے تو اُس سے جان اور اہل وعیال کے امن کا معاہدہ قائم نہ رہے گا - تیسرا یہ - کہ تمام زمین خیبر کی اُنکی ملکیت نرہے گی - مگر وہ اپنے گھرون مین آباد رہین گے - اور زمینون پر بھی قابض رہین گے - اور اُنکی پیداوار کا نصف حصّہ بطور خراج دیا کرینگے - اور کسی بد عہدی پر آنحضرتؐ کو اختیار رہوگا کہ اُنکو جلاوطن فرمائین " کنانہ بن ربیع بن ابی الحُقیق نے نہایت دغابازی کی اور نہایت بیش قیمت مال چھپا رکھا - جو تلاش کے بعد ملا - پس وہ مارا گیا - اور اُسکے اہل وعیال قید کرلیے گئے -

غزوہ وادی القریٰ - جمادی الآخر (۷) سنہ ہجری

خیبر سے مراجعت فرماکر آنحضرتؐ وادی القریٰ مین پہنچے اور وہان چار دن ٹھہرے تو اہل تیماء نے اسلام تو قبول نہین کیا - مگر جزیہ دینے پر صلح کرلی -

سریّۃ تُربہ وغیرہ - شعبان (۷) سنہ ہجری

اس مہینے مین تین (۳) مختلف اطراف مین تین (۳) سریّے بھیجے گئے جنمین پہلا سریّہ تُربہ کا تھا - جو مکہ کے قریب دو منزل پر ایک جگہ ہے اس سریّہ کے سردار عمر فاروق تھے اور تیس (۳۰) آدمی اُنکے ساتھ تھے مگر وہان کے لوگ بھاگ گئے اور یہ واپس چلے آئے

دُوسرا سَرِیّہ ابوُبکر صدّیق کا بنی کلاب پر تھا اُنسے کچھہ خفیف سی لڑائی ہوئی - کچھہ آدمی مرے - کچھہ قید ہوئے -

تیسرا سَرِیّہ بَنِیْ مُرَّہ پر بھیجا گیا جو فَدَکْ مین رہتے تھے - اِس سَرِیّہ مین تیس ۳۰ آدمی تھے اور بشیر بن سَعْد اُنکے سردار تھے جو خفیف لڑائی کے بعد واپس آگئے -

سَرِیّہ غالب لیثی و اُسامہ بن زید - رمضان سنہ ۷ ہجری

غالب بن عبد اللّٰہ لیثی نجد کی طرف منفعہ پر جو مدینہ سے آٹھہ منزل پر ہے بھیجے گئے تھے اور دو سو تیس ۲۳۰ آدمی اِس سَرِیّہ مین تھے مگر وہان بہت ہی خفیف سی لڑائی ہوئی - اور پھر سب لوگ واپس آگئے - اسامہ بن زید خربہ کی طرف بھیجے گئے تھے جو ضریہ کی طرف ہے یہان کسی سے لڑائی نہین ہوئی - مگر ایک شخص اُسامہ کو ملا جسپر اُنہون نے تلوار اُٹھائی - اور اگرچہ اُسنے کلمہ شہادت پڑہا - مگر اُسامہ نے اُسکو مار ڈالا - اور اِس باعث سے اُنپر آنحضرت صلعم نے نہایت خفگی ظاہر فرمائی -

سَرِیّہ بشیر بن سَعْد انصاری شوّال سنہ ۷ ہجری

یَمَنْ اور جَبَاب جسکو فَزارہ اور عذرا بھی کہتے ہین - بَنِی غطفان سے علاقہ رکھتے تھے جو خیبر والون کی مدد کو گئے تھے اِس وجہ سے یہ سَرِیّہ اُنپر بھیجا گیا تھا - مگر وہ لوگ بھاگ گئے - اُنکا مال و اسباب ہاتھہ آیا اور صرف دو ۲ آدمی قید ہوئے -

سریہ ابن ابی العوجا سلمی - ذی الحجہ ۷ سنہ ہجری

یہ سریہ بنی سلیم کی طرف بہیجا گیا تہا - وہان سخت لڑائی ہوئی اور دشمن چارون طرف سے ٹوٹ پڑے اور سب لوگ مارے گئے اور ابن ابی العوجاء بھی زخمی ہوئے اور مُردون مین پڑے رہگئے -

سریہ غالب بن عبد اللہ لیثی صفر ۷ سنہ ہجری

یہ سریہ بنی مُلَوَّح پر جو کَدِید مین رہتے تہے بہیجا گیا تہا - وہان کچہ لڑائی نہین ہوئی - مگر کچہ اسباب ہاتہہ آیا - اسی مہینہ مین خالد بن وَلِید اور عثمان بن ابی طلحہ اور عمرو بن عاص مکّہ سے مدینہ مین چلے آئے اور مسلمان ہو گئے -

سریہ غالب بن عبد اللہ لیثی صفر ۷ سنہ ہجری

یہ سریہ بھی فدک کی جانب بہیجا گیا تہا اُن ہی لوگون پر جنپر بشیر بن سعد بہیجے گئے تہے - اُن سے لڑائی ہوئی کچہ لوگ مارے گئے اور کچہ اسباب لوٹ لیا گیا -

سریہ شجاع بن وہب اسدی - ربیع الاوّل ۸ سنہ ہجری

یہ سریہ ذات عرق کی طرف بہیجا گیا تہا جو مدینہ سے پانچ منزل ہے - اور جہان بنی ہوازن نے لوگ جمع کیے تہے وہان کچہ لڑائی نہین ہوئی - مگر اُنکے اونٹ لوٹ لائے -

سریہ کعب بن عُمیر غفاری - ربیع الاوّل ۸ سنہ ہجری

یہ سریہ ذات اطلح کی طرف بہیجا گیا تہا جو ذات القراع کے قریب ہے

یہاں بہت کثرت سے لوگ لڑنیکے لئے جمع تھے - نہایت سخت لڑائی ہوئی اور جو لوگ بچ گئے تھے سب کے سب مارے گئے - خبر کے معلوم ہونے پر ایک بڑا لشکر بھیجنے کا ارادہ ہوا مگر معلوم ہوا کہ وہ لوگ اور سمت کو چلے گئے -

سریہ موتہ - جمادی الاوّل سنہ (۸) ہجری

یہ ایک قصبہ ہے شام کے علاقہ میں دمشق سے ورے - آنحضرتؐ نے حارث بن عمیر ازدی کو ہرقل شہنشاہ روم کے نام ایک خط دیکر شہر بصرے کو بھیجا تھا - جب موتہ میں پہنچا تو ایک نصرانی امیر شرحبیل بن عمرو غسانی نے تعرض کیا اور اسکو مار ڈالا اسپر آنحضرتؐ نے تین ہزار آدمیوں کا لشکر جسکے سردار زید بن حارثہ تھے اُسکی سزادہی کو بھیجا نہایت سخت لڑائی ہوئی اور زید اور جعفرؓ بن ابیطالب و عبداللہ بن رواحہ جنکے ہاتھ میں فوج کا نشان تھا بڑی بہادری کے ساتھ یکے بعد دیگرے لڑکر مارے گئے - اور فوج کا نشان خالد بن ولید نے لیا - اور نہایت سخت لڑائی کے بعد فتح پائی - اس لڑائی میں تمام عیسائی قومیں جو اُس نواح میں رہتی تھیں شامل تھیں - اور ہرقل کی فوج بھی جو قسطنطنیہ کا شہنشاہ تھا اور شام کے تمام صوبہ پر اُسکی حکومت تھی اور اُسی زمانہ میں فارس کو فتح کرچکا تھا اُن لوگوں کے ساتھ لڑائی میں شریک تھی

سریہ عمرو بن عاص - جمادی الآخر سنہ ۸ ہجری

یہ سریہ ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے - سلاسل ایک

چشمہ کا نام تھا ذات القراع کے پاس مدینہ سے دس منزل - بنی قضاعہ نے کچھ لوگ لڑنے کے لئے جمع کئے تھے - جب یہ خبر آنحضرتؐ کو پہنچی تو عمرو بن عاص کو تین سو آدمی دیکر اُس طرف روانہ کیا - سلاسل کے قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ دشمن بہت کثرت سے جمع ہیں - اسلئے دو۲۰۰ سو آدمی اُنکی مدد کو اور بھیجے گئے - مگر بنی قضاعہ آخرکار بھاگ گئے اور جمعیت متفرق ہوگئی

سریّہ ابی عبیدہ بن جراح - رجب (۸) سنہ ہجری

اس سریّہ میں تین ۳۰۰ سو آدمی تھے جو سمندر کے کنارہ پر چندروز ٹھیرے رہے اور کسی سے کچھ لڑائی نہیں ہوئی -

سریّہ ابی قتادہ انصاری شعبان (۸) سنہ ہجری

اس سریہ میں صرف پندرہ آدمی تھے اور بمقام خضرہ جو نجد میں ہے بنی غطفان کے لوگوں کی طرف بھیجا گیا تھا - کچھ لڑائی ہوئی اور کچھ لوگ قید کر لئے گئے اور دو ۲۰۰ سو اونٹ اور ایکہزار بکریاں ہاتھ آئیں -

سریّہ ابی قتادہ - رمضان ۸ سنہ ہجری

اس سریّہ میں صرف آٹھ آدمی تھے - اور یہ لوگ اِضم کی طرف بھیجے گئے تھے جو ایک چشمہ ہے درمیان مکّہ اور یمامہ کے اور مدینہ سے تین ۳ منزل ہے - یہ سریّہ صرف اسلئے بھیجا گیا تھا کہ قریش مکّہ کی کچھ خبر ملے - اور نیز مکّہ والے خیال کریں کہ آنحضرتؐ اُس طرف تشریف لیجائینگے - حالانکہ آپکا ارادہ قریش پر حملہ کرنے کا تھا -

غزوۂ فتح مکّہ - رمضان ۸ سنہ ہجری

منجملہ شرائط معاہدہ حُدَیبیّہ ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو قومیں چاہیں اِس معاہدہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ شامل ہوجائیں - اور جو قومیں چاہیں قریش کے معاہدہ میں داخل ہوجائیں - چنانچہ بنوخزاعہ آنحضرتؐ کے ساتھ اور بنوبکر قریش کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہوئے - مگر پورے دو برس بھی نہ گزرے تھے کہ بنوبکر نے بنوخزاعہ کے ساتھ اپنی عداوت اور جنگ و جدال جو شروع زمانہ اِسلام سے موقوف تھی پھر تازہ کیا - اور نَوفَل بن مُعاوِیہ دُئلی نے بنوخزاعہ پر حملہ کیا اور کچھ آدمی مارے گئے - قُریشِ مکّہ نے برخلاف شرائط معاہدہ ہتھیار بھیجنے سے بنوبکر کی مدد کی - اور بعض سرداران قریش خود بھی بہ تبدیل لباس اُنکے شریک ہوے - اور بنوخزاعہ کو یہانتک عاجز کیا کہ اُنہوں نے حرم کعبہ میں پناہ لی - مگر نوفل نے وہاں بھی اُنکا تعاقب کرنا چاہا اور کہا کہ "آج کے دن خدا کوئی چیز نہیں ہمکو اپنا بدلہ لینا چاہیئے" ناچار بنوخزاعہ نے بُدَیل بن ورقا کی پناہ لی جو اُن ہی میں سے تھا - مگر مکّہ میں رہتا تھا - اور عمرو بن سالم کو استمداد کے لیے آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا - قریش عہدشکنی تو کر بیٹھے مگر معاً یہ اندیشہ ہوا کہ آنحضرتؐ کو خبر پہنچے گی تو آپ ضرور اِسکی مکافات فرمائینگے - پس ابُوسُفیان اسکی معذرت اور دوبارہ عہد کرنے کو مدینہ مین آیا - مگر ناکام رہا - اور کیونکر ناکام نرہتا کہ قُریش نے بنوخزاعہ کے بہت سے لوگون کو قتل کردیا تھا اور اُنپر بے انتہا زیادتی کی تھی - پس ممکن نہ تھا کہ اُس ظلم اور خوں ریزی

سے جو قریش اور بنو بکر نے ملکر کی تھی درگزر کر کے نیا عہد کیا جاتا۔
پس آنحضرتؐ نے فوج کے جمع ہونے کا حکم دیا اور مکہؐ کے رستوں کی
سخت ناکہ بندی کی گئی۔ تاکہ قریش کو خبر نہ پہنچ سکے۔ اور دس ہزار
فوج جرار کے ساتھ کوچ فرمایا۔ اور مکہ کے قریب مَرُّ الظَّہران
میں پہنچ گئے۔ اور حکم دیا کہ تمام سرداران لشکر اپنے خیموں کے آگے رات
کو آگ روشن کریں۔ ابتک قریش بالکل بے خبر تھے۔ مگر آنحضرتؐ کی
طرف سے جو اطمینان نہ تھا اِسلئے مدینہ کے رستہ پر خبر گیری کے لئے
لوگوں کو بھیجتے رہتے تھے۔ چنانچہ اُس رات کو اَبُوسُفیان اور بُدَیل
بن ورقا اور حکیم بن حَزام جو مکہؐ سے نکلکر تفحص حال کے لئے
مَرُّ الظَّہران میں آئے اور اُنکو ایک ٹیلہ پر سے مدینہ کی جانب جا بجا
آگ جلتی ہوئی دکھائی دی تو نہایت حیران اور متعجب ہوئے کہ یہ آگ کیسی
ہے۔ اور کن لوگوں نے جلائی ہے۔ اِسی درمیان میں آنحضرتؐ کے چچا
عباس بن عبدالمطلب جو اِسی سفر میں مکہؐ سے آنکر شامل ہوئے تھے
اُنکو خیال ہوا کہ اگر یہ لشکر عظیم بے خبر مکہؐ پر پہنچ گیا تو قریش سب کے سب
مارے جائینگے۔ اِسلئے وہ سوار ہو کر مکہؐ کی جانب گئے۔ کہ اگر کوئی
وہاں کو جاتا ہوا ملجائے تو قریش کو مطلع کردیں۔ تاکہ وہ جناب رسولِ خدا کی
خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ اور امان حاصل کرلیں۔ پس اُنہوں نے جو اَبُوسفیان
کو بولتے سنکر اُسکو پکارا تو وہ آواز پہچان کر اُنکے پاس آیا اور پوچھا کہ اسوقت
تم کہاں سے آئے ہو؟ اُنہوں نے کہا کہ کیا تو دیکھتا نہیں کہ رسول خدا

دس ہزار فوج جرار کے ساتھ آن پہنچے ہیں - اور یہ آگ اُسی فوج ہی کی
تو ہے - جسکو سنکر اُسکے ہوش اُڑ گئے - اور بجز اسکے کچھ چارہ نہوا کہ
اُن کے کہنے کے موافق اُنکے پیچھے بیٹھ لیا - اور آنحضرتؐ کی خدمت
میں حاضر ہوا - اور اپنا مسلمان ہوجانا بھی ظاہر کیا - اور شاید دل میں کچھ
کچا پکا مسلمان ہو بھی گیا ہو - پس آپ نے حکم دیا کہ اچھا اُسکو اپنے پاس
ٹھہراؤ صبح کو دیکھا جائے گا - نماز فجر کے بعد عبّاسؓ پھر اُسکو لائے اور اُن کی
سفارش سے آنحضرتؐ نے اُسکو امان اور مکّہ کو واپس جانے کی اجازت
دی - اور تاکہ لوگ قتل سے بچ جائیں رحماً یہ بھی فرمادیا کہ جو شخص تیرے گھر
میں پناہ لیگا اُسکو امن دیا جائیگا -

اب آنحضرتؐ مکّہ پر بڑھے اور مشتہر کردیا گیا کہ جو شخص ابوسفیان کے
گھر میں پناہ لیگا اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرکے چُپ چاپ بیٹھا رہے گا
یا ہتھیار ڈالدیگا - یا حرم کعبہ میں پناہ لیگا اُسکو امن دیا جائیگا - مگر چند مرد اور
کُچھ عورتیں جو نہایت مفسد اور واجب القتل تھے مستثنیٰ کیے گئے -
اور فوج کے سرداروں کو مکّہ پر بڑھنے کا حکم ہوا - عِکرمہ بن ابوجہل
اور صفوان بن اُمیہ نے خالد بن ولید کے کالم کا خفیف سا
مقابلہ کیا اور چند مُسلمان شہید ہوگئے - مگر قریش کے ستّر آدمی مارے گئے
اور وہ بھاگ نکلے - باقی کسی نے مقابلہ نہیں کیا اور آنحضرتؐ بلامزاحمت
بسواری شتر مکّہ میں داخل ہوئے - اور اس طرح پر وہ پیشین گوئی
پوری ہوئی جو حضرت اشعیاؑ نبی نے وحی کی رو سے فرمائی تھی کہ

"دو شخص خدا کی سچی پرستش از سر نو قائم کرینگے - اور اُن میں سے ایک کو گدھے کا سوار اور دوسرے کو اونٹ کا سوار بتایا تھا" [کتاب اشعیاہ باب ۲۱ آیت ۷] جس کا پہلا حصّہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے جو گدھے پر سوار ہوکر یوروشلیم (بیت المقدس) داخل ہوئے تھے پورا ہو چکا تھا - کیونکہ بلاشبہ یہودیوں نے جو مکاری اور دغابازی سے شریعت کے صرف ظاہری احکام کی پابندی اختیار کی تھی اور دلی نیکی اور روحانی پاکیزگی کو بالکل چھوڑ دیا تھا آپ نے اُسکو بتایا اور خدا کی سچی پرستش قائم کی - مگر دوسرا حصّہ پورا ہونا باقی تھا جو اب پورا ہوا - کہ آنحضرتؐ اونٹ پر سوار ہو کر داخل مکّہ ہوئے اور شرک و بت پرستی کی جگہہ خدائے واحد کی پرستش قائم کی اور حضرت عیسیٰ کے بعد جو لوگوں نے اُنکو خدا کا بیٹا مانا اور تین خدا قائم کرکے پھر تین سے ایک خدا بنایا تھا اور خدائے واحد کی پرستش میں خلل آگیا تھا اُسکو مٹایا اور پھر سے خُدا کی سچی پرستش قائم کی - اور یوں فرمایا "یَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ" آنحضرتؐ نے سر سواری کعبہ کا طواف کیا - اور پھر جسطرح آپ کے جد امجد اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ الله نے اپنی قوم کے بتوں کو توڑا تھا اُسیطرح قریش کے بتوں کو جو حرم کعبہ میں جابجا نصب تھے توڑنا شروع کیا - چنانچہ "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا" فرماتے جاتے تھے اور توڑتے جاتے تھے - اب چند بت کعبہ کی دیواروں پر باقی رہگئے تھے جہاں ہاتھہ نہیں

پہنچ سکتا تھا - پس جناب علیؑ مرتضیٰ نے عرض کیا کہ میرے کاندھے
پر پائے مبارک رکھکر اُنکو بھی توڑ ڈالیئے - مگر آپ نے فرمایا نہیں - بلکہ تم
میرے کاندھے پر چڑھکر اُنکو توڑ و جس سے ظاہرا مقصود یہ تھا کہ جناب
موصوف کا خلیفہ اور وزیر اور شریک فی الامر ہونا ہر کسیکو معلوم ہوجاے
پس وہ صاحب ولایت کبریٰ جو محمدؐ رسول اللہ کے ساتھ وہی نسبت
رکھتا تھا جو حضرت موسیٰ کے ساتھ حضرت ھارونؑ کو تھی [۵] اُس
قبلۂ انام کے دوش مبارک پر پانو رکھکر کعبہ پر چڑھ گیا - اور بتوں کو
زمین پر پٹک کر اُس مشکل خدمت کو پورا کیا - جسکی بجا آوری کا وعدہ
کوہِ صفا کی دعوت کے موقع پر کیا تھا [دیکھو صفحہ ۶۴] کعبہ کے اندر
جو فرشتوں اور پیغمبروں کی تصویریں تھیں اُنکے مٹا ڈالنے کا حکم حضرت فاروق
کو ہوا - اور اُنہوں نے انکو مٹا ڈالا - مگر حضرت اِبرَاھِیمؑ و اِسمٰعِیلؑ
کی تصویروں کے مٹانے میں اُنکو تامل ہوا اور نہ مٹایا جنکو سلامت دیکھکر
آنحضرتؐ نے خود مٹایا -

---

۵ بُخاری اور مُسلِم نے بالاتفاق سَعد بن ابی وَقّاص کی سند پر روایت کی ہے کہ جناب
رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ مرتضیٰ کو فرمایا کہ "اَنتَ مِنّی بِمَنزِلَۃِ
ھَارُونَ مِن مُوسیٰ اِلّا اَنّہُ لَا نَبِیَّ بَعدِی" یعنی تمکو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ھارون
کو موسیٰ سے تھی - مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں - یعنی نبوت کے سوا تمام کمالات روحانی جیسے مجکو حاصل ہیں ویسے
ہی تمکو بھی حاصل ہیں - اور جسطرح ھارون موسیٰ کے ساتھ خدا کے حکم کی بجا آوری میں شریک تھے ویسے ہی
تم میرے ساتھ شریک ہو - وکفیٰ بذلک فضلاً - مؤلف عفی عنہ

اَب مکّہ اور اہل مکّہ سب آنحضرتؐ کا مال تھا اور جو ظلم و ستم اُنہوں نے آنحضرتؐ اور صحابہ پر کئے تھے وہ ہر کسی کو معلوم تھے۔ پس آپ چاہتے تو سب کو غلام لونڈی بنا لیتے۔ اور جسکو جو سزا چاہتے دیتے۔ مگر اللہ رے رحم و کرم کہ آپ نے اُن سب باتوں کو بھلا دیا اور اہل مکّہ سے وہی برتاؤ کیا جو یُوسُف عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا اور اُنکو مخاطب کرکے فرمایا کہ "لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ" یعنی۔ آج مینے اپنے قصور تمکو معاف کئے خدا جو سب سے زیادہ رحم والا ہے وہ بھی معاف کرے۔ اور پھر فرمایا "اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ" یعنی جاؤ تم سبکو مینے آزاد کیا۔ اور اشتہاریوں میں صرف چار آدمی قصاصاً قتل کئے گئے باقی وہ بھی معاف کر دیے گئے۔

جسطرح قدیم زمانہ کے یونانیوں کو یہ خیال تھا کہ اُنکا بڑا معبد جو شہر (ڈلفی) میں تھا اُسکو کوئی فتح نہیں کر سکتا اُسی طرح مُشرکین مکّہ کو بھی (بلا تشبیہ) کعبہ کی نسبت ایسا ہی یقین تھا کہ وہ کبھی کسی سے فتح ہونے والا نہیں۔ اور اَبرَہَہ وغیرہ بادشاہوں کی ناکامیابی سے اُنکا یہ خیال مستحکم ہو گیا تھا۔ اور وہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت بھی ایسا ہی گمان رکھتے تھے۔ لیکن اَب جو اُنکے خلاف توقع مکّہ فتح ہو گیا اور اُنکا بڑا بت ھُبَل جسکو اُحُد کی لڑائی میں مدد کے لئے ساتھ لے گئے تھے اور اَور بڑے بڑے بُت مٹّی میں مل گئے۔ تو اُنکو معلوم ہو گیا کہ بادشاہی اَور چیز ہے اور پیغمبری اور چیز۔ اور خدا کے دستِ قدرت کے

سامنے بُت کوئی چیز نہیں ہیں۔ اور وہ جوق جوق آنحضرتؐ کی خدمت
میں حاضر ہوسنے اور بطوعِ خاطر مسلمان ہونے شروع ہوئے۔ اور آپ
نے اُن سے اِس اقرار پر بیعت لینی شروع کی کہ "خدا کے ساتھ کسیکو شریک
نکرینگے۔ نہ اُسکی ذات میں نہ صفات میں نہ استحقاق عبادت و استغاثت
میں۔ اور چوری نکرینگے۔ حرامکاری کے مرتکب نہونگے۔ خونِ ناحق نکرینگے
بیٹیوں کو نہ مارینگے۔ اور نہ کسی پر بُہتان لگائینگے۔ اور تمام امورِ حق میں آپکی
اطاعت و فرماں برداری کرینگے"۔ اور عورتوں سے بھی اِسی مضمون پر بیعت
لی۔ مگر اتنا زیادہ کیا کہ "کسی کے سُوگ میں مونہہ نہ نوچینگی۔ اور نہ تپانچوں سے
پیٹینگی۔ اور نہ سر کے بال کھسوٹینگی۔ اور نہ گریبان چاک کرینگی۔ اور نہ سیاہ
کپڑے پہنینگی۔ اور نہ چلّا کر روئینگی۔ اور نہ قبر پر سوگواری میں بیٹھینگی"۔ اور
اِس طرح پر خدا کا وعدۂ نصرت پورا ہوا جو خدا نے فرمایا "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ
وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا" "یعنی جب خدا کا وعدۂ نصرت پورا یعنی مکہ
فتح ہوجائے اور تو لوگوں کو دین خدا میں فوج فوج داخل ہوتا دیکھے تو اپنے
پروردگار کی حمد بجا لا اور اُس سے طلب آمرزش کر (گنہگاروں کے لئے) کیونکہ
بیشک خدا معاف کردینے والا ہے"۔

اللہ اکبر وہ بھی کیا سماں ہوگا کہ جب آنحضرتؐ کے ارشاد سے
بلال بن رباح نے اُسی کعبہ پر چڑھکر کہ جسمیں لات و منات اور
عُزیٰ و ہُبل کی مدح و ثنا کے رات دن غلغلے ہوتے تھے باآواز بلند یہ کہا کہ

"اَللّٰہُ اَکْبَرُ - اَللّٰہُ اَکْبَرُ - اَللّٰہُ اَکْبَرُ - اَللّٰہُ اَکْبَرُ - اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ - اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ - اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ - اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" اور تمام کوہ و دشت خدا کے نام پاک کی عظمت وجلالت سے بھر گیا - اور اُس رسُول جلیل - افتخار آل خلیل کی رسالت حقّہ کی منادی کی صدا ہر ایک مُسلم و مُشرک کے کان تک پہنچ گئی - اور توحید کا ڈنکا چار کھونٹ میں بج گیا -

اب ہم ناظرین کو اُن آیات بیّنات کے مضمون کی طرف متوجہ کرتے ہیں جنکو آغاز رسالت مقدّسہ کے ذکر میں لکھ آئے ہیں اور مزید سہولت کے لئے یہاں پھر لکھتے ہیں - اور وہ یہ ہیں -

"یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرْ - وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ - وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ - وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ" اور پوچھتے ہیں کہ بحر رسالت کے اُس دُرّ یتیم نے جسکو مشرکین نگہ حقارت سے "یَتِیْمُ عَبْدُ الْمُطَّلِبْ" کہا کرتے تھے - اُن ساتوں حکموں کو جو اِن آیات میں ہیں علی وجہ الکمال پورا کیا؟ یا نہیں؟ اور یہ کہ دنیا میں ایسا کون شخص گزرا ہے؟ کہ جسنے ایسا اور اسطرح پر قیام[1] بامر اللہ کیا ہو؟ اور عذاب آخرت سے ایسے[2] طور پر لوگوں کو ڈرایا ہو؟ اور خدا کے نام[3] پاک کو ایسا بلند کیا ہو؟ اور خلایق کے تزکیہ نفس[4] اور طہارت باطنی وظاہری میں ایسے اعلیٰ درجہ کی کوشش کی ہو؟ اور شرک کے گندے نالے کی جگہہ توحید[5] کا دریاے طہور بہایا ہو؟ اور اِس[6] احسان عظیم کے عوض میں اپنے لئے

کسی چیز کا بھی خواہشمند نہوا ہو؟ اور بے انتہا تکلیفوں اور مصیبتوں اور ذلتوں اور حقارتوں کو محض لوجہ اللہ برداشت کیا ہو؟ یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنی نسبت خدا کی طرف سے کچھ احکام تجویز کرلے۔ مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ اُن کو ایسا اور اس طرح پر پورا بھی کردکھائے۔ یہ صرف اُسی سے ہوسکتا ہے اور بیشک اُسی سے ہوسکتا ہے کہ جسکو خود خدا تعالیٰ نے ایسے احکام فرمائے ہوں اور وعدہ نصرت و برکت کیا ہو۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم۔

سریۂ خالد بن وَلِید وغیرہ رمضان سنہ (۸) ہجری

فتح مکہ کے بعد خالد بن وَلِید "عُزّیٰ" کے توڑنے کے لئے جو قبیلہ بنی کنانہ کا بُت تھا۔ اور عمرو بن العاص "سواع" کے توڑنیکے لئے جو مکہ سے تین ۳ میل کے فاصلہ پر بنی ھُذَیل کا بُت تھا۔ اور سَعد بن زید الاشہلی "منات" کے توڑنے کے لئے جو نہایت مشہور بُت قبیلہ اَوس و خزرج کا مِلکی میں تہامقر ہوے اور وہ اُن کو توڑکر چلے آئے۔

سریۂ خالد بن وَلید۔ شوّال سنہ (۸) ہجری

"عُزّیٰ" کو توڑکر واپس آنیکے بعد خالِدُ بن وَلِید کو تین سو پچاس ۳۵۰ آدمیوں کے ساتھ بَنِی جَذِیمَہ کی طرف اِسلام کی ہدایت کرنیکے لئے بھیجا گیا۔ مگر بنی جَذِیمَہ پہلے سے مسلمان ہوگئے تھے اور اُنھوں نے ایک آدھ مسجد بھی نماز پڑھنے کے لئے اپنے ہاں بنالی تھی

لیکن وہ مُسلح ہوکر مقابلہ میں آئے۔جب پوچھا گیا کہ مُسلّح ہو کر کیوں آئے ہو؟
تو اُنھوں نے کہا کہ عَرَبؔ کی ایک قوم سے اور ہم سے دشمنی ہے۔
ہمکو خوف ہوا کہ وہی قوم ہم پر چڑھکر نہ آئی ہو۔اُن سے کہا گیا کہ ہتھیار رکھدو
اُنھوں نے ہتھیار رکھدیئے۔اُن سے ایک یہ غلطی بھی ہوئی کہ اپنا مسلمان
ہونا ظاہر کرنیکے لئے ”اَسْلَمنا“ کہنے کی جگہہ ”صبانا۔صبانا“ کہہ اُٹھے۔
اور اگرچہ اُنکا اِس کہنے سے یہ مدّعا تھا کہ ہمنے اپنا پہلا مذہب چھوڑ دیا ہے
مگر مُسلمان اِس لفظ کو کافر ہوجانیکے معنوں میں سمجھتے تھے۔چنانچہ اسکا
یہی مطلب سمجھا گیا۔اور اُنکو قید کر لیا گیا۔صبحکو خالدؔ نے حکم دیا کہ جسکے پاس
جو قیدی ہے اُسکو مار ڈالے۔بَنِی سَلیمؔ کے پاس جو قیدی تھے اُن کو
اُنھوں نے مار ڈالا۔مگر مہاجرین و انصار نے اپنے قیدیوں کو قتل نہ کیا۔
بلکہ اُن سب کو چھوڑ دیا۔جب آنحضرتؐ پاس یہ خبر پُہنچی تو آپ خالدؓ کی اِس
حرکت سے سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ”خداوندا جو کُچھ خالدؓ نے کیا ہیں
اُس میں بے قصور ہوں“ اور جناب مرتضویؓ کو حکم ہوا کہ جو لوگ مارگئے ہیں
اُنکا خون بہا اُنکے وارثوں کو جا کر دے آؤ۔چنانچہ آپ نے نہایت فراخ دلی کے
ساتھہ اِس حکم کی تعمیل کی۔جس سے وہ سب لوگ خوش اور شکر گزار ہوئے۔

غزوۂ حُنین جسکو غزوۂ اوطاس اور غزوہ ہوازن بھی کہتے ہیں۔شوّال سنہ (۸) ہجری

حُنَین اور اوطاس دو مقاموں کے نام ہیں۔جو مکّہ اور طائف

سے کے بیچ میں ہیں اور ھوازن ایک قوم تھی جس سے اِن مقاموں پر
لڑائی ہوئی۔

بعض قبائل صحرائی جنہیں بنی ھوازن اور بنی ثقیف اور بنی مُضَر
اور بنی جُشَم اور کچھ لوگ بنی ہلال کے اور بہت سے لوگ مختلف
قبیلوں سے ایک تعداد کثیر میں جمع ہوئے اور اُنھوں نے بسرداری مالک
بن عوف مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا۔ جسکی خبر پاکر آنحضرتؐ نے بھی لڑائی کی
تیاری کی۔ اور بارہ ہزار آدمیوں کے ساتھ کوچ فرمایا۔ جنمیں دو ہزار مکّہ
کے نومسلم تھے۔ مالک بن عوف بمقام حُنَین پُہنچ گیا۔ یہ ایک
ایسی دشوار گزار جگہہ تھی کہ فوج کا انتظام کے ساتھ گزرنا محال تھا۔ پس
فوج اسلام نے جو بلا ترتیب جنگ اور بغیر کسی خیال کے مونہہ اندھیرے
گزرنا شروع کیا۔ تو دشمن جو کمین گاہوں میں بیٹھے ہوے تھے یکایک
لوٹ پڑے اور تیروں کی بوچھار کردی۔ جس سے مسلمانوں میں نہایت
ابتری پڑگئی اور بھاگ نکلے۔ یہانتک کہ آنحضرتؐ کے پاس بھی بہت
ہی تھوڑے آدمی رہگئے۔ جب یہ حال دیکھا تو آنحضرتؐ ایک اونچی جگہہ
جاکر کھڑے ہوئے۔ اور حضرت عبّاس نے جنکی نہایت اونچی آواز
تھی لوگوں کو ڈانٹا کہ کہاں بھاگے جاتے ہو۔ غرضکہ سب لوگ نہایت
عجلت کے ساتھ پھر پڑے اور اکٹھے ہوگئے اور نہایت سخت
لڑائی کے بعد دشمنوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ نکلے۔ اِسکے
بعد آنحضرتؐ نے ابُو عامِر اشعَری کو اُن لوگوں کے تعاقب میں

بھیجا جو اوطاس کی جانب بھاگے تھے اُن سے بھی کچھ لڑائی ہوئی اور اَبُو عَامِر ایک تیر کے زخم سے مر گئے - اور مالکؓ بن عوف نے ثقیف کے ایک قلعہ میں جا کر پناہ لی - اور بہت سے قیدی اور مال واسباب مسلمانوں کے ہاتھ آیا - قیدیوں کی تعداد چھ ہزار (۶۰۰۰) لکھی ہے اور اونٹوں اور بکریوں کی تعداد تو بہت ہی زیادہ بیان کی گئی ہے -

کئی دن بعد ہوازن کے لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور التجا کی کہ قیدی احساناً چھوڑ دیئے جائیں - یہ بات کسیقدر مشکل تھی - کیونکہ تمام لڑنے والوں کا جیسا حق غنیمت کے مال میں حصّہ لینے کا تھا ویسا ہی اُن قیدیوں کے معاوضہ میں فدیہ لینے کا بھی تھا - اور وہ لوگ ایسے نہ تھے کہ عوضا نہ نہ دے سکتے ہوں - مگر آنحضرتؐ کا رحم جبلّی اِسکا مقتضی ہوا کہ وہ بغیر عوضانہ لینے کے چھوڑ دیئے جائیں - اِسلئے اُنکو یہ تدبیر سوجھائی کہ کل نماز کے وقت آؤ [جس سے غالباً یہ مقصود تھا کہ سب لوگ ایک جگہہ جمع ہونگے] اور جب نماز ہو چکے تو قیدیوں کے چھوٹنے کی درخواست کرو - اُنھوں نے ایسا ہی کیا - آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو کچھ میرا اور بَنِی عَبْدُ الْمُطَّلِبْ کا حصّہ ہے مینے تمکو دیا - پس مہاجرین و انصار نے بھی عرض کیا کہ ہمارے حصّہ کا بھی اختیار رسولؐ اللہ کو ہے - بعض لوگوں نے انکار کیا - مگر آخر کو سب راضی ہو گئے - اور تمام قیدی بغیر معاوضہ لینے کے احساناً چھوڑ دیئے گئے -

غزوۂ طائف - شوّال سنہ (۸) ہجری

حنین سے واپس آکر آنحضرتؐ نے طائف کی طرف کوچ فرمایا

کیونکہ بنی ثقیف نے طائف کے قلعوں میں جاکر پناہ لی تھی۔ اور لڑائی کا سامان کیا تھا۔ ایک مہینے تک یا کچھ زیادہ محاصرہ رہا۔ اور ابھی فتح نہیں ہوئی تھی کہ ذیقعد کے مہینے کا چاند دکھائی دیا۔ اور آنحضرتؐ محاصرہ اُٹھاکر عمرہ ادا کرنیکے لئے مکّہ میں آگئے۔ اور اُس سے فارغ ہوکر مدینہ کو تشریف لیگئے۔ محاصرہ کے دنوں میں طائف کے اطراف وجوانب کے بُتوں کو جناب علیؑ مرتضےٰ نے جاکر توڑ ڈالا اور طفیل بن عمرو دوسی نے ذوالکفین نام لکڑی کا ایک بُت توڑ ڈالا اور جلا دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اہل طائف نے چھ شخصوں کو آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا۔ اور چار باتوں پر صُلح چاہئے۔

ایک یہ۔ کہ "لات" جو اُنکا بُت ہے وہ تین برس تک نہ توڑا جائے۔ جب یہ نامنظور ہوا۔ تو ایک برس کی درخواست کی۔ اور جب اسکو بھی آپؐ منظور نہ فرمایا تو اُنہوں نے چاہا کہ ایک مہینے تک جب کہ وہ واپس جائیں نہ توڑا جائے۔ آپ نے اسکو بھی نامنظور فرمایا۔

دُوسری یہ۔ کہ اُنکے لئے نماز معاف کردی جائے۔ آپؐ نے فرمایا جس دین میں نماز نہیں ہے اُسمیں کچھ بھلائی نہیں ہے۔

تیسری یہ۔ کہ وہ اپنے بت اپنے ہاتھوں سے نہ توڑیں۔

چوتھی یہ۔ کہ جو عامل محصُول وصول کرنیکے لئے مقرر ہو اُس کے سامنے وہ نہ بلائے جائیں اور نہ اُنکی زمینوں کی پیداوار کا دسواں حصّہ لیا جائے۔ اور نہ کوئی جرمانہ لیا جائے۔ اخیر کی ان دو شرطوں کو آپ نے

منظور فرمایا اور صُلح ہوگئی - اور ابُوسُفیان اور مُغیرہ بن شعبہ کو "لات" کے توڑنیکے لئے بھیجا گیا - اور مُغیرہ نے اپنے ہاتھہ سے اسکو توڑدیا - یہ کسقدر ہنسی کی بات ہے کہ جب وہ توڑا جاتا تھا تو بنی ثقیف کی عورتیں اُسکے گرد جمع ہوگئی تھیں اور اُسکی موت پر گریہ وزاری کرتی تھیں -

سریّہ عُیَینہ بن حِصن الفزاری - محرّم سنہ (۸) ہجری

اِس سریّہ میں پچاس۵۰ سوار تھے - اور بنی تمیم پر جنہوں نے ابھی تک اطاعت نہیں قبول کی تھی بھیجا گیا تھا - وہ لوگ جنگل میں اپنے مویشی کو چرا رہے تھے کہ دفعۃً عُیَینہ اُنپر جا پڑے - وہ لوگ بھاگ گئے اور گیارہ مرد اور اکیس۲۱ عورتیں اور تیس۳۰ بچے گرفتار ہوئے - اُنکو مدینہ میں لے آئے اِسکے بعد بنی تمیم کے چند سردار ملکر مدینہ میں آئے اور اطاعت قبول کی - اور آنحضرت نے تمام قیدیوں کو بلاکسی معاوضہ کے اُنکو دیدیا -

سریّہ قُطبہ بن عامر - صفر سنہ (۸) ہجری

یہ سریّہ قبیلہ خثعم پر بھیجا گیا تھا - مورخین لکھتے ہیں کہ اِس سریّہ کو حکم تھا کہ بنی خثعم کو لوٹ لیں مگر کسی نے نہیں لکھا کہ ایسا حکم دینے کی کیا وجہ تھی - وہ قبیلہ کچھہ مالدار نہ تھا - نہ اُسکے پاس بہت سا اسباب یا مویشی تھے کہ کوئی بدظنی سے کہہ سکے کہ مال اور لوٹ کے لالچ سے ایسا حکم دیا تھا بہرحال اگر درحقیقت ایسا حکم دیا تھا تو ضرور اسکے لئے کوئی جائز سبب ہوگا -

اِس سریّہ میں کل بیس۲۰ آدمی بھیجے گئے تھے - اور جو واقعہ گزرا اُسکا بیان بھی مختلف ہے - زادالمعاد میں لکھا ہے کہ قبیلہ خثعم کے گانو کا

ایک آدمی ملا۔ اُس سے کچھ حال پوچھا وہ غالباً اس غرض سے چلایا کہ گانو
والوں کو خبر ہوجاوے۔ اُسکو لوگوں نے مار ڈالا۔ مگر مَوَاہِب اللدنیہ میں
اُسکے قتل ہونیکا کچھ ذکر نہیں۔ پھر زاد المعاد میں لکھا ہے کہ رات کو سوتے
میں گانوں پر حملہ کیا مگر مواہب اللدنیہ میں رات کو حملہ ہونا بیان نہیں ہوا
بہر حال یہ لوگ اُس گانوں پر جا پڑے۔ گانوں والے خوب لڑے اور
طرفین کے آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ اور کچھ بھیڑ بکریاں اور کچھ عورتیں
جو گرفتار ہوئی تھیں اُنکو مدینہ میں لے آئے۔ کسی نے نہیں لکھا کہ اُن
عورتوں کی نسبت کیا ہوا۔ اور اُسکا ذکر نہونا ظاہراً اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ
چھوڑ دی گئیں۔ کیونکہ اگر وہ بطور لونڈیوں کے تقسیم کیجاتیں تو اُسکا ذکر ضرور ہوتا۔

سَرِیّہ ضحّاک بن سفیان الکلابی۔ ربیع الاول (۹) سنہ ہجری

یہہ سریہ بنو کلاب پر بھیجا گیا تھا۔ اول اُنکو مسلمان ہوجانے کے لیے
سمجھایا گیا۔ مگر انہوں نے نہ مانا۔ لڑے اور شکست کھاکر بھاگ گئے۔

سَرِیّہ عبد اللہ بن حُذافہ۔ یا علقمہ بن المجزز المدلجی ربیع الاول (۹) سنہ ہجری

اِس بات میں اختلاف ہے کہ اس سَرِیّہ کے سردار عبدُ اللہ تھے یا
علقمہ۔ تین ۳۰۰ سو آدمی اسمیں تھے۔ یہہ قوم حبشہ کی طرف بھیجا گیا تھا جنکے
بغرضِ فساد جمع ہونے کی خبر پہنچی تھی۔ یہہ لوگ سمندر کی طرف حوالی جَدّہ
میں جمع تھے۔ جب مسلمان ایک جزیرہ میں جاکر اُترے تو وہ لوگ بھاگ گئے
اور یہہ بغیر کسی سے لڑے بھڑے واپس چلے آئے۔

(۹) سریّہ بنی طے سنہ ہجری

قبیلہ بنی طے کا سردار مشہور و معروف حاتم کا بیٹا عدی تھا
اور وہ اس قبیلہ میں بطور بادشاہ کے سمجھا جاتا تھا اور سب سے زیادہ آنحضرت
کو ناپسند کرتا تھا اور کسی قسم کی اطاعت بھی نہیں کی تھی۔ پس آپ نے جناب
علی مرتضیٰ کو متعین کیا کہ اُس قبیلہ میں جائیں اور اُنکے پوجنے کا بت جس کا
نام فِلس تھا توڑ دیں۔ یہ بت حاتم کے محلہ میں تھا۔ مسلمان یکایک
وہاں پہنچے۔ عدی بھاگ گیا۔ اور مسلمانوں نے اُس محلہ کو گھیر کر لوٹ لیا
اور فِلس کو توڑ ڈالا۔ اور کچھ قیدی پکڑ لئے اور واپس چلے آئے۔ قیدیوں
میں حاتم کی بیٹی بھی تھی۔ جب آنحضرت اُس طرف سے گزرے تو
اُسنے اپنا حال عرض کیا۔ آپنے کہا کہ عدی تیرا بھائی ہے جو بھاگ گیا ہے؟
اور کچھ جواب نہیں دیا۔ دوسرے دن پھر اُسنے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ
میں اسبات کا منتظر ہوں کہ کوئی شخص تیری قوم کا ملے تو اُسکے ساتھ آرام
سے تجکو تیرے گھر بھیجدوں۔ عدی عیسائی تھا اور شام کی طرف بھاگ
گیا تھا۔ انہیں دنوں میں ایک قافلہ شام کو جاتا تھا۔ حاتم کی بیٹی نے
درخواست کی کہ اُسکو اُس قافلہ کے ساتھ شام میں اُسکے بھائی کے
پاس بھیجدیا جاوے۔ پس آنحضرت نے اُسکو زاد راہ اور کپڑے عطا فرماکے
روانہ کردیا۔ اِسکے چند روز بعد عدی حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ اِس میں
کچھ شبہ نہیں ہے کہ قبیلہ ''طے'' کے جس قدر قیدی تھے وہ بھی
سب چھوڑ دیئے گئے۔

غزوہ تبوک - رجب ۹ھ ہجری

یہہ ایک قصبہ ہے شام اور وادی القری کے درمیان -
آنحضرتؐ کو یہہ خبر ملی تھی کہ رومیوں نے شام میں بہت کثرت سے لوگ
جمع کئے ہیں - اور ہرقل نے ایک برس کے خرچ کے لایق رسد
انکو دیدی ہے اور بنی لخم اور بنی جذام اور بنی عاملہ اور بنی
غسّان کے لوگ جو عیسائی تھے سب اُن کے ساتھ شریک ہو گئے
ہیں - رومیوں سے مراد ہرقل کا لشکر ہے جو قسطنطنیہ کا شہنشاہ
تھا - اور شام اُسی کے تحت حکومت میں تھا اور اِسی زمانہ کے قریب
اُسنے ایرانیوں پر بھی فتح پائی تھی - سخت گرمی کا موسم تھا اور قحط سے لوگ
نہایت مفلس اور تنگ تھے - اسلئے مسلمانوں کا لشکر تیار کرنے میں نہایت
دقت پیش آئی - مگر جس طرح سے ہوسکا لڑائی کا سامان کیا گیا اور مدینہ
سے روانہ ہوے - مگر جب تبوک میں پہنچے تو جسقدر مجمع کے ہونے
کی خبر سُنی تھی وہ صحیح نہ تھی - بہرحال آپ نے تبوک میں قیام فرمایا -
یوحنا بن رویبہ رئیس شہر ایلتہ جو عیسائی تھا اور اذرح اور جربا
اور مقنا کے لوگ وقتاً فوقتاً آئے اور جزیہ دینے پر راضی ہوئے اور
اُنکو عہدنامہ لکھدیا گیا - جسکا مضمون یہہ تھا کہ "ایلتہ والوں کو خدا اور
رسولِ خدا نے پناہ دی ہے - اُنکی کشتیوں کو - اُنکے مسافروں کو خشکی اور
تری میں اُنکے لئے اللہ اور رسول کی ذمہ داری ہے اور جو لوگ اہل شام
و اہل یمن و اور اہل بحرین اُنکے ساتھ ہوں وہ بھی امن میں رہیں

اور اگر اُن سے کوئی نئی بات پیدا ہوگی (یعنی دشمنی و عداوت کی) تو اُن کا مال (یعنی جزیہ دینا) اُنکو بچا نہیں سکنے کا۔ اور ہر ایک شخص کو اُن کا پکڑ لینا جائز ہوگا اور (اِس حالت کے سوا) کسی کو جائز نہیں ہے کہ جہاں وہ جانا چاہیں اور جس رستہ سے جانا چاہیں تری کے یا خشکی کے اُنکو منع کرے" غالبًا اسی قسم کے یا اِسکی مانند باقی لوگوں کو بھی جنھوں نے جزیہ دینا قبول کیا تھا فرمان لکھ دیئے ہونگے۔

اُکَیدَر بِن عَبدُ المَلِک کِندی رئیس دَومۃ الجَندَل جو اُس نواح کا بادشاہ سمجھا جاتا تھا اور عیسائی تھا حاضر نہیں ہوا۔ اُسکے پاس خَالِدؓ بن وَلِید کو بھیجا گیا۔ وہ اور اُسکا بھائی حَسّان گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے محل سے نکلے اور اُسکے ساتھ اُسکے سوار بھی تھے۔ مقابلہ ہوا حَسّان مارا گیا اور اکیدر گرفتار ہوگیا۔ جب اُسکو آنحضرتؐ پاس لائے تو اُسنے بھی جزیہ دینے پر صلح کر لی۔ اور اُسکو چھوڑ دیا گیا۔ اور آنحضرتؐ مَدِینہ کو واپس تشریف لے آئے

تبوک میں قیام کے دنون میں آنحضرتؐ سے خط دیکر ایک ایلچی کو ہرقل کے پاس بھیجا جسکی نسبت گبن نے یہہ فقرہ لکھا ہے کہ "جب ہرقل جنگ فارس سے تُوزک اور شان کے ساتھ لوٹا تو اُسنے مقام حِمص میں محمدؐ کے ایلچیوں میں سے ایک کی ضیافت کی جو دنیا کے بادشاہوں اور قوموں کو دین اِسلام کی طرف بلاتے پھرتے تھے جسکی بناپر عرب والوں نے تعصب سے یہہ خیال کیا کہ اِس عیسائی بادشاہ نے خفیہ اسلام قبول کر لیا۔ اُدھر یونانی یہ شیخی بگھارتے ہیں کہ ہرقل سے خود بادشاہ مَدِینہ نے

آکر ملاقات کی اور روم کے بادشاہ ہرقل نے فیاضی سے صوبہ شام میں ایک عمدہ مقام اُسکو عطا کیا" گبن نے یہہ مضمون رومیوں کی نسبت بطور طعن کے لکھا ہے۔ اور ہر مورخ سمجھ سکتا ہے کہ آنحضرت کا ہرقل کے پاس تشریف لیجانا اور اُسکا کسی زمین کا دینا محض غلط ہے۔ مگر ایشیا کے مورخون اور رومی مورخوں کے بیان سے آنحضرتؐ کے ایلچی کا ہرقل سے ملنا اور اُسکا ایلچی کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آنا ثابت ہے۔

اب موقع ہے کہ جزیہ کی حقیقت اور اہل ذمہ پر اُسکے عائد کیے جانے کی وجہ بیان کیجاوے۔ تاکہ اُسکے مقصد کے سمجھنے میں لوگوں نے جو غلطی کی ہے۔ اور مخالفین اسلام نے اُسکی بنا پر بہت سی طعن و تشنیع کی ہے۔ اُسکی کیفیت صحیح طور پر ناظرین کو معلوم ہو جاوے۔

سر سید احمد خان بہادر لکھتے ہیں کہ "جو لوگ مسلمان نہیں ہوتے تھے اور اپنے قدیم مذہب پر قایم رہتے تھے اُنپر جو جزیہ مقرر ہوتا تھا اُسکا مقصد سمجھنے میں لوگوں نے بڑی غلطی کی ہے اور جو لوگ مخالف اسلام ہیں اُنہوں نے جزیہ مقرر کرنے پر بہت سا طعن کیا ہے مسٹر لین نے اپنی کتاب "مدّ القاموس" میں لکھا ہے کہ "جزیہ قتل سے محفوظ رہنے کا معاوضہ تھا" اور یہہ اُنکی نہایت غلطی ہے کیونکہ امن کا ہو جانا یعنی لڑائی کا موقوف ہونا یا صلح کا ہو جانا یا کسی قسم کا معاہدہ ہونا گو کہ اُسمیں جزیہ دینا نہ قرار پایا ہو قتل سے محفوظی کا سبب ہوتا تھا نہ کہ جزیہ دینا۔

جزیہ اُن لوگوں سے لیا جاتا تھا جو مسلمانوں کے زیر حکومت بطور رعیت کے رہنا قبول کر لیتے تھے۔ جو لوگ رعیت ہو کر رہتے تھے وہ ذمی کہلاتے تھے۔ یعنی مسلمانوں کی حکومت میں اُنکے امن سے رہنے کے مسلمان ذمہ دار ہیں جیسے کہ اہل ایلتہ کے نام کے فرمان میں آنحضرت نے لکھایا تھا کہ "لھُو ذِمَّۃُ اللہِ وُمُحَمَّدُ النَّبِیِّ" پس جزیہ قتل سے محفوظ رہنے کا معاوضہ نہیں ہے۔ جزیہ دینے والے مسلمانوں کے ساتھ ہو کر لڑائی کو جانے سے بالکل بری تھے۔ لڑائی کی ضرورت سے جو خاص جہاز یعنی نقد و جنس مسلمانوں سے مانگا جاتا تھا اور دیا جاتا تھا اُس سے وہ بری تھے۔ مسلمانوں سے نہایت سخت سالانہ ٹیکس (زکات) یعنی چالیسواں ۴۰ حصہ مال کا سے لیا جاتا تھا اُس سے وہ لوگ بری تھے۔ اِن سب امور کی عوض ایک نہایت خفیف سالانہ ٹیکس جو فی کس تین ۳ روپیہ کئی آنے سال ہوتا ہے اُنسے لیا جاتا تھا پس اُس تخفیف و رعایت کی جو ذِمیوں کے ساتھ کی گئی تھی حد نہیں۔ فرض کرو کہ ایک ذِمّی کے پاس چالیس ہزار روپیہ نقد موجود ہے اور اُسکو اور قسم کی آمدنیاں تجارت وغیرہ سے بھی ہیں۔ اور ایک مُسلمان کے پاس بھی چالیس ہزار روپیہ نقد موجود ہے۔ اور اُسکے پاس اور کوئی آمدنی تجارت وغیرہ سے نہیں ہے سال بھر کے بعد اُس ذِمّی کو تو صرف تین روپیے کئی آنے اور اگر اوسکی جورو یا اور کنبہ ہے جسکی پرورش اوسکے ذمہ ہے تو ہر ایک کی طرف سے بھی اُسیقدر دینا ہوگا جسکی مقدار ایک عام طریقہ پر تیس چالیس روپیے سے

زیادہ نہیں ہوسکتی۔ مگر مسلمان کو بلا عذر اپنے صندوق خزانہ میں سے ایکہزار روپیہ نقد نکالکر دینا ہوگا۔ جزیہ مسلمان ہونے پر کسی طرح رغبت نہیں دلاسکتا بلکہ جس کسیکو ایمان سے مال کی محبت زیادہ ہو تو اُسکو مسلمان ہونیسے باز رہنے پر رغبت دلاسکتا ہے۔ بااین ہمہ جو ذمی غریب و مسکین تھے وہ جزیہ سے بھی معاف کردیئے جاتے تھے۔ جو خیال کہ مخالفین اسلام نے جزیہ کی نسبت کیا ہے اُسکے غلط ہونے کی شہادت ایک اور حال کے زمانہ کے بڑے عیسائی عالم کی کتاب سے ثابت ہوتی ہے۔ وہ عیسائی عالم "معلم بطرس البستانی" ہے اور اوسکی کتاب کا نام "مُحِیطُ المُحِیط" ہے جو عربی زبان کے لغت میں اُسنے لکھی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "اَلجِزْیَۃُ خَرَاجُ الاَرْضِ وَمَا یُوخَذُ مِنْ اَھْلِ الذِّمَّۃِ قِیلَ لَہَا لِاَنَّہَا تَجْزِیْ عَنْھُمْ اَیْ تَکْفِیْھِمْ مُعَامِلَۃُ الحَرْبِیِّینَ۔ وَقِیْلَ لِاَنَّھَا مَؤُنَۃُ الجِھَادِ کَالْمُسْلِمِیْنَ" یعنی جزیہ زمین کے خراج اور اُس مال کو کہتے ہیں جو ذمیوں سے لیا جاتا ہے اور اُسکا نام جزیہ رکھنے کی وجہ بعض نے یہہ بیان کی ہے کہ وہ اُس برتاؤ سے اُنکو بچاتا ہے جو مخالف مذہب دشمنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور بعضوں نے یہہ بیان کی ہے کہ لڑائی میں مسلمانوں کو جو جان و مال کی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے اُس سے اُسکو بچاتا ہے" (انتہی قولہ سلمہ)

یہانتک لکھا جاچکا تھا کہ اسی بحث کے متعلق ہمارے فاضل دوست مولوی محمد شبلی نعمانی پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈہ کا لکھا ہوا ایک

نہایت عمدہ اور محققانہ آرٹیکل نظر سے گزرا۔ جسکو ہم اُنکی اجازت سے بلفظہ یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "غیر مذہب والوں نے ہمیشہ اس لفظ کو نہایت ناگواری سے سُنا ہے۔ اُنکا خیال ہے کہ اسلام اس لفظ کا موجد ہے۔ اسلام ہی نے یہ اصول پیدا کیا۔ جس سے اُسکا مقصد مسلمانوں اور غیر مذہب والوں میں ایک نہایت متعصبانہ اور نامناسب تفرقہ قایم کرنا تھا۔ انکا یہہ بھی خیال ہے کہ جِزیَہ ایک ایسا جبر تھا۔ جس سے بچنے کے لئے اسلام کا قبول کرلینا بھی گوارا کیا جاتا تھا اور اسوجہ سے وہ جبراً مسلمان کرنیکا ایک قوی ذریعہ تھا۔ لیکن یہہ تمام غلط خیالات اُنہیں غلط فہمیوں سے پیدا ہوئے ہیں جو غیر قوموں کو اسلام کی نسبت ہیں۔ ہم اس موقع پر تین حیثیتوں سے جِزیَہ پر بحث کرنی چاہتے ہیں۔

(۱) جزیہ اصل میں کس زبان کا لفظ ہے۔ اور کن معنوں میں مستعمل ہوتا ہے

(۲) ایران اور عرب میں جزیہ کی بنیاد کب سے قایم ہوئی۔

(۳) اِسلام نے اسکو کس مقصد سے اختیار کیا۔ لیکن ہم جو کچھ لکھینگے تاریخی حیثیت سے لکھینگے۔

پہلی بحث

جِزیہ۔ گو اَب مصطلحہ معنی میں خاص ہو گیا ہے۔ لیکن لغت کی رو سے وہ خراج اور جزیہ کے لئے یکسان موضوع ہے۔ قاموس میں ہے "اَلجِزیَۃ خراج الارض وما یُوخذ مِن الذمی" جوھری و صاحب قاموس نے اس لفظ کے اصل و اشتقاق سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ لیکن صاحب

نے اپنی کتاب مد القاموس میں جو نہایت جامعیت اور تحقیق سے لکھی گئی ہے اُسکی نسبت دو احتمال قرار دیئے ہیں (۱) جزا سے مشتق ہے (۲) گزیہ کا معرب - بطرس صاحب نے بھی کتاب "مُحِیطُ المُحِیط" میں یہہ دوسرا قول نقل کیا ہے - لیکن اسکو مستند نہیں سمجھتے - فارسی لغت نویسوں نے گزیت کے لغت میں تصریح کی ہے کہ جزیہ اسیکا معرب ہے - بُرہان قاطع میں ہے "گزیت بفتح اول وکسر ثانی زرے باشد کہ حکام ہر سالہ از رعایا گیرند و آنرا خراج ہم گویند و زرے را نیز گویند کہ از کفار ذمّی ستانند چنانکہ نظامی گفتہ است ؎ گہش خاقان خراجِ چین فرستد - گہش قیصر گزیتِ دیں فرستد - وانچہ شہرت دارد بکسر اول و فتح ثالث است و معرب آن جزیہ باشد"

فرہنگ جہانگیری کے مصنف نے دوسرے معنی کی سند میں حکیم سوزنی کا یہہ شعر نقل کیا ہے - ؎ کتابِ خویش بخوانیم[۱] و ورد عمل کنیم[۲] کہ تا گزیت ستانند ناخوراہل کتاب - اور یہہ بھی لکھا ہے کہ جزیہ اسیکا معرّب ہے - ہمکو اسمیں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جزیہ اصل میں فارسی کا لفظ ہے - تصریحات لغت کے علاوہ تاریخی قرینہ نہایت قوی موجود ہے - یہہ مسلّم ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں جزیہ کا لفظ مستعمل ہو چکا تھا - یہہ بھی مسلم ہے کہ فارسی میں گزیت کا لغت اسی معنی میں قدیم سے شایع ہے - تاریخی شہادتوں سے (جیسا کہ ہم آیندہ بیان کرینگے) یہہ بھی ثابت ہے کہ نوشیروان نے جزیہ کے قواعد

[۱] بخوانیم و ورد
[۲] کنیم - زبا...

مقرر کئے تھے اور اُس زمانہ میں نوشیروان کے عمال یمن اور مضافات یمن پر منصوب تھے۔ اس طرح گزیت کا لفظ قانونی طور پر عرب میں پھیلا اور معرب ہو کر جزیہ ہو گیا۔ یہہ عام قاعدہ ہے کہ محکوم ملک میں جب فرماں روا زبان کے الفاظ دخل پانے لگتے ہیں تو سب سے پہلے وہ الفاظ آتے ہیں جو سلطنت کے قانونی الفاظ ہوتے ہیں۔ زبانِ عرب میں جسقدر فارسی الفاظ معرب ہو کر شایع ہو گئے ہیں کسی اور زبان کے نہیں ہوئے۔ اسپر طرہ یہہ کہ گزیہ کا لفظ معرب ہونے کے لئے گویا پہلے ہی آمادہ تھا۔ صرف ایک حرف کے اور دو ایک حرکت کے تغیر سے وہ عربی قالب میں پورا اُتر گیا۔

دوسری بحث

جہانتک ہمکو معلوم ہے ایران و عرب میں خراج و جزیہ کے وہ قواعد جو ادنی تغیر اسلام میں رائج ہیں۔ نوشیروان کے عہد میں مرتب ہوئے۔ علامہ ابن الاثیر جزری نے تاریخ الکامل کے پہلے حصہ میں ایک مضمون اس عنوان سے لکھا ہے "ذِكْرُ مَا فَعَلَهُ كِسْرىٰ فِي أَمْرِ الْخَرَاجِ وَالْجُنْدِ" جسکا خلاصہ یہہ ہے کہ "نوشیروان نے زمین کی پیمایش کرائی۔ اور مختلف شرحوں کی جمع مقرر کی۔ اور تمام لوگوں پر باستثنائے اہل فوج و روسا و ارکانِ دولت جزیہ* مقرر کیا۔

* علامہ ابن الاثیر نے اس موقع پر جزیہ ہی کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ کوئی ایسی اصطلاح نہیں جو مسلمانوں اور ذمیوں کے ساتھ مخصوص ہو۔ نوشیروان اور اوسکی ایرانی رعایا کا ایک مذہب تھا۔ تاہم جو ٹیکس اُنپر لگایا گیا مسلمان اُسکو جزیہ ہی کہتے تھے۔

جسکی تعداد بارہ[۱۲] درہم - آٹھ[۸] درہم - چھ[۶] درہم - چار[۴] درہم تک تھی" خراج کے ذکر کے بعد مورخ مذکور لکھتا ہے کہ "وہی الوضائع التی اقتدی بہا عمر بن الخطاب" یعنی وہ حضرت عمر نے انہیں قاعدوں کی تقلید کی" اور جزیہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ وہ حضرت عمر نے بیس[۲۰] برس سے کم اور پچاس[۵۰] برس سے زیادہ عمر والے کو جزیہ سے معاف کیا جس غرض سے نوشیرواں نے جزیہ کا قاعدہ جاری کیا - اوسکی وجہ علامہ موصوف نے نوشیرواں کے اقوال سے یہہ نقل کی ہے کہ "اہل فوج ملک کے محافظ ہیں اور ملک کے لئے اپنی جانیں خطرہ میں ڈالتے ہیں اسلئے لوگوں کی آمدنی سے اونکے لئے ایک رقم خاص مقرر کیگئی کہ انکی محنتوں کا معاوضہ ہو"

خراج و جزیہ کے متعلق جو کچھہ ابن الاثیر نے لکھا اوسکی تائید فردوسی کے اشعار سے بھی ہوتی ہے - اگرچہ بعض امور میں دونوں کا بیان مختلف ہے ہم اُن اشعار کو اس موقع پر نقل کرتے ہیں - ٭

ہمہ پادشاہان شدند انجمن	زمین را بہ بخشید و بر زد رسن
گزیتے نہادند بر یک درم	گرایدون کہ دہقان نبودش درم
گزیتِ ر زبار و رشش درم	بخز ماستان بر ہمی زد رقم
کسے کِش درم بود و دہقان نبود	نبودے غم و رنج کشت و درود
گزارنده از ده[۱۰] درم تا چہار[۴]	بسالے از و بستدے کاردار
دبیر و پرستنده شہریار	نبودے بدیوان کسے را شمار[۲]

بسنجید - نباشند

٭ چھاپہ کی غلطی سے بعض اشعار فارسی مندرجہ اس آرٹیکل کے غلط چھپ گئے ہیں اسلئے ہم نے انکی تصحیح کتاب فرہنگ انجمن آرا ناصری سے کر دی ہے -

دونوں روایتوں سے کے فرق کو ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں۔

تیسری بحث

اسلام نے جو انتظام قایم کیا اوسکی رو سے ہر مسلمان فوجی خدمت کے لئے مجبور کیا جا سکتا تھا۔ یہہ قاعدہ کچھہ آسان قاعدہ نہ تھا۔ اور لوگ اگر ذرا بھی اوس سے بچنے کا حیلہ پا جاتے تھے تو اوس سے فائدہ اوٹھانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایکبار جب جزیرہ سسلی میں مکتب کے معلم اس جبر سے بری کر دیئے گئے تو سیکڑوں آدمیوں نے اور کام چھوڑ کر یہی پیشہ اختیار کر لیا۔[۵۷]

اس لحاظ سے کل مسلمان فوجی خدمت رکھتے تھے اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ سے اسی طرح بری رہیں جس طرح نوشیروان عادل نے عموماً اہل فوج کو اس ٹیکس (جزیہ) سے بری رکھا تھا۔ لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے اور جنکی حفاظت مسلمانوں کو کرنی پڑتی تھی۔ اونکو فوجی خدمت پر مجبور کرنے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا۔ نہ وہ لوگ ایسی پرخطر خدمت کے لئے راضی ہو سکتے تھے۔ اسلئے ضرور تھا کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے کوئی ٹیکس ادا کریں۔ اسی ٹیکس کا نام جزیہ تھا جو فارسی لغت سے معرب کیا گیا تھا۔ لیکن اگر کسی موقع پر غیر قوموں نے فوج میں شریک ہونا یا شرکت کے لئے آمادہ ہونا گوارا کیا تو وہ جزیہ سے بری کر دیئے گئے۔ جیسا کہ ہم آیندہ تاریخی شہادت سے ثابت کرینگے

---

۵۷ دیکھو معجم البلدان یاقوت حموی۔ ذکر صقلیہ۔

جزیہ کا معاوضۂ حفاظت ہونا مسلمانوں میں علمی و عملی طور سے ہمیشہ مسلم رہا اور یہی وجہ ہے کہ اسی خیال سے اکثر اہل لغت کو اس طرف متوجہ ہونے دیا کہ جزیہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ وہ سمجھے کہ یہ لفظ جزا سے نکلا ہے جسکے معنی بدلہ کے ہیں اور چونکہ یہ ٹیکس بھی ایک معاوضہ اور بدلہ ہے لہذا اس مناسبت سے اُس کا نام جزیہ رکھا گیا۔ آنحضرتؐ و خلفاے راشدین کے جو معاہدے تاریخوں میں منقول ہیں اُنسے عموماً پایا جاتا ہے کہ جزیہ اُن لوگوں کی محافظت کا معاوضہ تھا۔ خود رسول اللہ صلعم نے والی ایلتہ کو جو فرمان جزیہ کا تحریر فرمایا اُسمیں یہ الفاظ مندرج فرمائے "وَیُحْفَظُوا وَیُمْنَعُوا" یعنی ان لوگوں کی حفاظت کیجائے اور دشمنوں سے بچائے جائیں[1]۔ حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب جو نہایت ضروری وصیتیں کیں انمیں ایک یہ بھی تھی کہ "غیر مذہب والے جو ہماری رعایا ہیں وہ خدا اور رسول کی ذمہ داری میں ہیں۔ اور مسلمانوں کو انکی طرف سے اُن کے دشمنوں سے مقابلہ کرنا چاہیئے" اس موقع پر ہم بعض معاہدات اصلی الفاظ میں نقل کرتے ہیں جنسے نہایت صاف اور مصرح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا ایک ٹیکس تھا۔ اور غیر مذہب والے جو مسلمانوں کی رعایا تھے یہی سمجھکر یہ ٹیکس ادا کرتے تھے۔

---

[1] دیکھو فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۵۹

"هذا كتاب من خالد بن الوليد لصلوبا ابن نسطونا وقومه اني عاهدتكم على الجزية والمنعة فلك الذمة والمنعة ما منعناكم فلنا الجزية والا فلا كتب سنة اثنتي عشر في صفر ۱۲ ¶

"یہ خالد بن الولید کی تحریر ہے صلوبا بن نسطونا اور اُسکی قوم کے لئے. میں نے تمسے معاہدہ کیا جزیہ اور محافظت پر پس تمہاری ذمہ داری اور محافظت ہمپر ہے جبتک ہم تمہاری محافظت کریں ہمکو جزیہ کا حق ہے ورنہ نہیں ۱۲ سنہ صفر میں لکھا گیا"

عمالان اسلام نے عراق عرب کے اضلاع میں وہاں کے باشندوں کو جو عہدنامے لکھے اور جنپر بہت سے صحابہ کے دستخط تھے اُنکے ملتقط الفاظ یہ ہین

"براءة لمن كان من كذا وكذا من الجزية التي صالحهم عليها الامير خالد بن الوليد وقد قبضت الذي صالحهم عليه خالد والمسلمون لكم يد على من بدل صلح خالد ما اقررتم بالجزية وكنتم امانكم امان وصلحكم صلح ونحن لكم على الوفاء."

تاریخ طبری صفحہ ۲۰۵۲

"اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے اس اس تعداد کا جزیہ دینا قبول کیا ہے اور جنپر خالد بن ولید نے اُنسے مصالحت کی ہے یہ براءت نامہ ہے - خالد اور مسلمانون نے جس تعداد پر صلح کی وہ ہمکو وصول ہوئی جو شخص خالد کی صلح کو بدلنا چاہے اُسکو تم لوگ مجبور کر سکتے ہو. بشرطیکہ جزیہ ادا کرتے رہو تمہاری امان - امان ہے اور تمہاری صلح صلح (یعنی جس سے تم صلح کرو ہم بھی صلح کرینگے اور جسکو تم امان دو گے ہم بھی امان دینگے -

¶ دیکھو تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری مطبوعہ یورپ جز خامس صفحہ ۴۸ -

اِسکے مقابلہ میں عراق کی رعایا نے یہہ تحریر لکھی ۔

"اِنَّا قَدْ اَدَّیْنَا الْجِزْیَۃَ الَّتِیْ عَاھَدَنَا عَلَیْھَا خَالِدٌ ۔ عَلیٰ اَنْ یَمْنَعُوْنَا وَاَمِیْرُھُمُ الْبَغْیَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَغَیْرُھُمْ" (طبری صفحہ مذکور)	"ہمنے وہ جزیہ ادا کر دیا جسپر خالد سے معاہدہ کیا تھا اس شرط پر کہ مسلمان اور نیز اور تمام قومیں اگر ہمکو گزند پہنچانا چاہیں تو جماعت اسلام اور اُنکے افسر ہماری حفاظت کے ذمہ دار ہوں گا"

ان تحریروں سے جو ہمنے اس موقع پر نقل کیں اور نیز اور تمام معاہدوں سے جو تاریخوں میں مذکور ہیں بداہتًا یہہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ اُسی اصول کی بنا پر تھا جو نوشیروان عادل نے قایم کیا تھا۔ لیکن اسپر بھی اگر کسی کو شبہ رہے تو ذیل کے واقعہ سے رہا سہا شک بھی رفع ہو جائیگا ابو عبیدہ جرّاح نے شام میں جب متواتر فتوحات حاصل کیں تو ھرقل نے ایک عظیم الشان فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلیے تیار کی ۔ مسلمانوں کو اُسکے مقابلہ میں بڑی مستعدی سے بڑھنا پڑا اور اونکی تمام قوت و توجہ فوجوں کی ترتیب میں مصروف ہوئی ۔ اُسوقت حضرت ابو عبیدہ امین افسر فوج نے اپنے تمام عمالوں کو جو شام کے مفتوحہ شہروں پر مامور تھے لکھ بھیجا کہ جسقدر جزیہ و خراج جہاں جہاں وصول کیا گیا ہے سب اُن لوگوں کو واپس دیدو جنسے وصول ہوا تھا۔ اور اُن سے کہدو کہ ہمنے تمسے جو کچھ لیا تھا اس شرط پر لیا تھا کہ تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کر سکیں۔ لیکن اب اس واقعہ کے پیش آجانیکی وجہہ سے ہم تمہاری

حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے" ابوعبیدہ کے خاص الفاظ جن میں عیسائیوں سے خطاب ہے یہ ہیں۔ "اِنَّمَا رَدَدْنَا عَلَیْکُمْ اَمْوَالَکُمْ لِاَنَّہٗ قَدْ بَلَغَنَا مَا جُمِعَ لَنَا مِنَ الْجُمُوْعِ وَاَنَّکُمْ قَدِ اشْتَرَطْتُمْ عَلَیْنَا اَنْ نَّمْنَعَکُمْ وَاِنَّا لَا نَقْدِرُ عَلٰی ذٰلِکَ وَقَدْ رَدَدْنَا عَلَیْکُمْ مَا اَخَذْنَا مِنْکُمْ" اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور لاکھوں روپیہ بیت المال سے لیکر اُن لوگوں کو پھیر دیئے گئے۔ جو رقم وصول ہوئی تھی اوسکی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف حمص سے قریباً آٹھ لاکھ روپیہ جزیہ وخراج میں ملے تھے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو دل سے دعا دی اور کہا کہ خدا پھر تمکو ہمارے شہروں کی حکومت دے۔ رومی ہوتے تو اسموقع پر واپس دینا تو درکنار جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ بھی لے لیتے۔ اِن سب باتوں سے زیادہ یہ امر اس دعوے کے لئے دلیل بین ہے کہ اگر کسی غیر قوم نے فوجی خدمت پر رضامندی ظاہر کی تو وہ اسی طرح جزیہ سے بری ہے جس طرح خود مسلمان۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں حبیب بن مسلمہ نے قوم جراجمہ پر فتح پائی تو اُن لوگوں نے فوجی خدمتوں میں بوقت ضرورت شریک ہونا خود پسند کیا اور اسوجہ سے وہ تمام قوم جزیہ سے بری رہی۔ نہ صرف جرجومہ بلکہ بہت سے انباط وغیرہ اور اوسکے

---

۵۱ یہ پوری تفصیل کتاب الخراج امام ابویوسف مطبوعہ مصر کے صفحہ ۸۰ و ۸۲ و ۸۳ میں مذکور ہے۔

۵۲ ایک عیسائی قوم تھی اور شہر جرجومہ اور اوسکے مضافات میں آباد تھے معجم البلدان میں اس مقام کا ذکر تفصیلاً لکھا ہے ۱۲

متصل کی آبادیوں سے یہہ امر اختیار کیا اور جزیہ سے بری رہے۔ خلیفہ واثق باللہ عباسی کے زمانہ میں وہاں کے عامل نے غلطی سے ان لوگوں پر جزیہ لگایا تو انہوں نے خلیفہ کو اطلاع کی اور دربار خلافت سے ان کی برارت کا حکم صادر ہوا+ - معاہدات میں یہہ تصریح کہ جزیہ[1] کے عوض ہم تمہاری اندرونی و بیرونی حفاظت کے ذمہ دار ہیں - جب[2] حفاظت پر قدرت نہو تو جزیہ کا واپس کر دینا جو قومیں[3] فوجی خدمت پر آمادہ ہوں انکو جزیہ سے بری رکھنا - کیا ان واقعات کے ثابت ہو جانے کے بعد بھی شبہ رہ سکتا ہے کہ جزیہ کا مقصد وہی تھا جو ہمنے تیسری بحث کے آغاز میں بتایا ہے - جزیہ کے مصارف یہہ تھے - لشکر کی آراستگی - سرحد کی حفاظت - قلعوں کی تعمیر - ان سے بچا تو سڑکوں اور پلوں کی تیاری - سررشتۂ تعلیم - بو شبہ اس طرح اس خاص رقم سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا - اور پہنچنا چاہئے تھا - مسلمان لڑائیوں میں شریک ہوتے - جانیں لڑاتے ملک کو تمام خطروں سے بچاتے - پس جس طرح انکے جسم و جان سے ذمی رعایا مستفید ہوتی تھی - اگر ذمیون کے مال سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا تو کیا بیجا تھا - اسکے علاوہ صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانوں سے وصول کیجاتی تھی اسمیں ذمی رعایا برابر کی شریک تھی - حضرت عمر فاروق نے بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ "خدا کے اس

+ فتوح البلدان بلاذری - صفحہ ۱۵۹ و ۱۶۱ -

قول میں "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِين" (صدقات۔ فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں) مسکینوں سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں*۔ جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس روپئے سالانہ تھی۔ کسی کے پاس لاکھوں روپیے ہوں تو اس سے زیادہ دینا نہیں پڑتا تھا عام شرح چھ روپئے اور تین روپیے سالانہ تھی۔ بیس (۱) برس سے کم اور پچاس برس (۲) سے زیادہ عمر والے اور عورتیں (۳)۔ مفلوج (۴) معطل (۵) العضو نابینا (۶)۔ مجنون (۷)۔ مفلس (۸) یعنی جسکے پاس دو سو درہم سے کم ہو۔ یہ لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے ل

اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا ہلکا ٹیکس جسکی تعداد اس قدر قلیل تھی۔ جسکے ادا کرنے سے فوجی پر خطر خدمت سے نجات ملجاتی تھی۔ جسکی بنیاد نوشیروان عادل نے ڈالی تھی۔ کیا ایسی ناگوار چیز ہو سکتی ہے؟ جیسی کہ اہل یورپ نے خیال کی ہے۔ کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی اس سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا؟ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہے ٹیکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا؟ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہمکو اُسکے مذہب کے ضایع ہونیکا رنج بھی نہ کرنا چاہئے۔ جو لوگ جزیہ ادا کرتے

* کتاب الخراج امام ابو یوسف

ل اس قسم کے لوگوں کا جزیہ سے مستثنےٰ ہونا ہی دلیل اس بات کی ہے کہ جزیہ خدمات جنگی اور حفاظت کا معاوضہ تھا نہ اور کچھ۔ کیونکہ مذہب پر قایم رہنے کا معاوضہ ہوتا تو کسی کے مستثنےٰ ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

السید محمد حسن عفی عنہٗ

تھے اُنکو اسلام نے جسقدر حقوق دیئے کون حکومت اُس سے زیادہ
دے سکتی ہے؟ لیکن چونکہ ہمارے مضمون کے عنوان سے یہ بحث
کسی قدر دور پڑ جاتی ہے اسلئے اس موقع پر ہم یہ بحث چھیڑنی نہیں
چاہتے"۔

ہم اوپر وعدہ کر آئے ہیں کہ اُس قسم کی لڑائیوں کی بابت جنکو موسیٰ کلیم اللہ
نے اپنے زمانہ میں اور محمد رسول اللہ نے اپنے وقت میں جائز
رکھا اور حضرت یحییٰ ع و عیسیٰ ع کی طرح کیوں نہ اپنی جان دیدی آیندہ
بحث کرینگے۔ چنانچہ اب اسکو پورا کرتے ہیں۔ اور اسمیں صرف جناب
سید اور چند نامی گرامی فضلاے یورپ کی رایوں کے نقل کر دینے پر
اکتفا کرینگے جنسے ثابت ہو گا کہ اس الزام کے رد میں جو مخالفوں نے اُن
محاربات کی بنا پر قایم کیا ہے ہم صرف اپنے ہم مذہب شخصوں ہی کی راے
پیش نہیں کرتے۔ بلکہ غیر قوم اور غیر مذہب کے نامدار اور محقق مورخوں کی شہادتیں
بھی پیش کر سکتے ہیں۔

جناب سید فرماتے ہیں کہ "جو لڑائیاں آنحضرت کے زمانہ میں ہوئیں
وہ چار طرح پر ہوئی تھیں۔ یا تو دشمنوں (۱) کے حملہ کے روکنے اور اُن
کے حملوں کے دفع کرنیکے لئے تھیں یا دشمنوں (۲) کا ارادہ لڑنے اور
حملہ کرنے اور لڑائی کے لئے لوگوں کے جمع کرنے کی خبر پا کر اُس فساد
کے مٹانے اور اون لوگوں کے منتشر کرنیکے لئے ہوئی تھیں۔ یا اُن (۳)

لوگوں پر حملہ کیا گیا تھا جنہوں نے عہد شکنی یا دغابازی یا بغاوت کی تھی یا
خبر رسانی اور ملک کے اور قوموں کے حالات دریافت کرنے کو جو لوگ
بھیجے جاتے تھے اُن سے لڑائی ہو گئی تھی۔

پس یہ تمام لڑائیاں ایسی تھیں جو معمولاً ملکی انتظام میں اور امن و امان کے
قایم کرنے میں واقع ہوتی ہیں اور دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ جس نے
ملکی انتظام ہاتھ میں لیا ہو اور اُسکو اس قسم کی لڑائیاں نہ پیش آئی ہوں۔ اِن لڑائیوں
کی نسبت یہہ کہنا کہ زبردستی سے ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنے کے
لیے تھیں ایک ایسا غلط قول ہے جسکو کوئی ذیعقل بجز اُسکے جسکے دل میں
تعصب بھرا ہو سچ تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہہ سچ ہے کہ جس قوم کی کسی مُلک میں
سلطنت اور حکومت ہو جاتی ہے۔ قدرتی طور پر اُس قوم کے مذہب کو
اور نہ صرف مذہب کو بلکہ رسم و رواج و عادات و اطوار کو ترقی ہوتی ہے اور
لوگ اُس طرف مائل ہو جاتے ہیں اور یہہ مقولہ کہ "الملك والدين توامان"
ہر ایک قوم اور ہر ایک مذہب پر صادق آتا ہے۔ اسیطرح اسلامی حکومت
کے سبب اُسی قدرتی قاعدہ سے اسلام کی ترقی کو بھی مدد پہنچی۔ مگر اِن لڑائیوں
کو جو ملکی ضرورت اور امن قائم کرنیکے لیے ہوئیں یہہ کہنا کہ "وہ اسلام
پھیلانے کے لیے اور بجبر ہتھیاروں کے زور سے اسلام قبول کروانے
کے لیے تھیں" محض غلط ہے۔ بلکہ صرف اسلام ہی کی تاریخ میں ایک
نہایت عجیب واقعہ پایا جاتا ہے جو اور کسی مذہب کی تاریخ میں نہیں ہے
کہ فاتح قوم نے فتح کامل حاصل کرنے اور استقلال کامل پانیکے بعد اپنی

مفتوح قوم کا دفعتاً مذہب اختیار کر لیا ہو مذہب اسلام میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو مفتوح ملک کے باشندوں کی مذہبی آزادی کی مانع ہو۔ جزیہ جو ایک قسم کا ٹیکس ہے اُسکی نسبت ہم بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں سے بہ نسبت اُنکے بہت زیادہ ٹیکس لیا جاتا تھا جو زکات کے نام سے موسوم ہے اور اسلیے مسلمان سلطنت میں غیر مذہب والے مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ آسودہ حال اور دولتمند رہتے تھے۔ اور لڑائی میں شریک ہونے کی مصیبتوں سے بالکل محفوظ تھے۔ تسلیم کیا جاوے کہ بعض مسلمان بادشاہوں نے غیر مذہب والوں پر ظلم کیا اور اُنکی مذہبی آزادی کو برباد کر دیا۔ مگر ایسا کرنا اُنکا ذاتی فعل تھا جسکے وہ خود ملزم ہیں نہ مذہب اسلام۔ بلاشبہ آنحضرت صلعم نے فتح مکہ کے بعد قوم عرب کے بتوں کو توڑ دیا مگر اُس بت شکنی کی نظیر محمود غزنوی یا عالمگیر کی یا اور کسی بادشاہ کی بت شکنی کی نہیں ہو سکتی۔

کعبہ ایک مسجد تھی حضرت ابراہیم کی بنائی ہوئی خدائے واحد کی عبادت کے لیے۔ اُسکے بعد جب عرب بت پرست ہو گئے تو اُس مسجد میں اُنہوں نے بت رکھدیے تھے جنکا برباد کرنا اور دین ابراہیم کا اُسمیں جاری کرنا ابراہیم کے پہلوٹھے بیٹے کے بیٹے کو لازم تھا قوم عرب جسکا غالب حصہ ابراہیم کی نسل سے تھا اور جس قوم و نسل میں خود آنحضرت صلعم بھی تھے۔ اُس قوم کو بتوں کی پرستش سے چھڑانا اور ابراہیم کے خدا کی پرستش سکھانا ضرور تھا۔ پس آنحضرت صلعم نے خود اپنی قوم کے بت توڑے تھے اُس سے دیگر اقوام کے مذہب کی آزادی

ضایع کرنا لازم نہیں آتا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں جہاں بت شکنی اور غیر مذہب کے معبدوں کے برباد کرنے کی مثالیں ملتی ہیں اُسی طرح ہزاروں مثالیں اُس کے برخلاف بھی موجود ہیں[۵۱] مسلمانوں کی سلطنت دنیا کے بہت بڑے وسیع حصہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ اوسکی حکومت میں مختلف مذہب کی قومیں رہتی تھیں تمام سنیگاگ (مسجد یہود) اور تمام گرجے جو زیادہ تر رومن کیتھلک مذہب کے تھے بدستور قائم رہے اور گھنٹے بجاتے تھے۔ تمام ملک میں ناقوس کی آواز گونجتی تھی[۵۲] مندروں میں بت موجود تھے۔ ہر ایک قوم اپنے مذہب میں آزاد تھی۔ پس ان تمام حالات کو جو نہایت کثرت سے تھے بھول جانا اور چند واقعات کو جو اُسکے برخلاف شخصی طبیعت سے واقع ہوئے تھے نظیر میں پیش کر کے یہہ کہنا کہ اسلام نے مذہبی آزادی کو مٹایا تھا محض ناانصافی ہے اور اصول مذہب اسلام کے بالکل برخلاف ہے۔

---

۵۱ مخالفین اسکی اگر کوئی نظیر رکھتے ہوں تو پیش کریں کہ خلیفہ عمر ابن عبد العزیز اموی نے دمشق کے عامل کو فرمان بھیجا کہ "ولید (خلیفہ) نے گرجے کو توڑ کر مسجد میں جو اضافہ کر لیا تھا وہ ڈھا دیا جاسے اور عیسائیوں کو اجازت دیجاسے کہ وہاں پھر اپنا گرجا بنالیں"

دیکھو فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۲۵ مولف عفی عنہ

---

۵۲ دولت عباسیہ کے عہد میں خاص دار الخلافت بغداد میں دیر الروم۔ دیر الشمونی۔ دیر الثعالب دیر درتا۔ دیر درمالس۔ دیر سمالو۔ دیر عذاری۔ دیر العاصیہ۔ دیر الزریقیہ دیر الزندرود نامی کیسے بڑے بڑے اور عالیشان گرجے موجود تھے۔ دیکھو معجم البلدان ذکر بغداد ۱۲ مولف عفی عنہ۔

رہی یہہ بات کہ "انبیا کو اس قسم کی لڑائیاں کرنی زیبا ہیں یا نہیں" اس سے انکار اور اسکو نازیبا قرار دینا قانون قدرت کے برخلاف ہے۔ تمام انبیا جبکہ قوم کی اصلاح اور اونکے مذہب کی درستی کو کھڑے ہوتے ہیں تو ابتدا میں عموماً اُنکے دشمن چاروں طرف ہوتے ہیں۔ اگر وہ اپنی حفاظت اور مخالفوں سے محفوظ رہنے کی کوشش نکرتے تو دنیا میں نہ آج یہودی مذہب کا وجود ہوتا اور نہ کسی اور مذہب کا اور نہ عیسائی مذہب کا اگر بعد حضرت مسیح علیہ کے اُس کے لئے ایسا زمانہ نہ آتا جس میں اوس کے پیرووں کی مخالفوں سے حفاظت کی گئی اور بزور حکومت اُسکو ترقی دیگئی۔[۱] قرآن مجید میں نہایت عمدہ اور بالکل سچ بات خدا نے فرمائی ہے۔ "وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝" یعنی "اگر نہوتا دفع کرنا اللہ کا آدمیوں کو ایک کو دوسرے سے تو ضرور ڈھائی جاتیں عیسائی درویشوں کی خانقاہیں اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا ذکر کیا جاتا ہے۔"

پس یہ کہنا کہ انبیا کو ایسی لڑائیاں نازیبا ہیں ایک ایسا قول ہے جسکو قانون قدرت مردود کرتا ہے۔ لوگ حضرت موسیٰ کے کاموں کو تو بھول جاتے ہیں اور غریبی اور مسکینی اور مظلومی کی مثال میں حضرت مسیح

[۱] جیسا کہ قسطنطین اعظم اور شارلمین وغیرہ شہنشاہوں نے اپنے اپنے زمانہ کے پوپوں کے فتووں کے موافق کیا۔ مولف عفی عنہ

کو پیش کرتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح نے جب اپنے تئیں خلقت کے سامنے
پیش کیا۔ اُسوقت سے حضرت مسیح کی وفات تک نہایت قلیل زمانہ
قریب تین ۳ برس کے گزرا تھا۔ اور صرف ستر آدمی کے قریب اُن پر ایمان
لائے تھے۔ اُن کو مطلق ایسی قوت جس سے وہ اپنے دشمنوں کو دفع
کر سکیں حاصل نہیں ہوئی تھی اور اسی سبب سے کالویری کی پہاڑی
پر وہ افسوسناک واقعہ واقع ہوا۔ اُسکے بعد اگر اُسکے ایسے حامی نہ پیدا ہو جاتے
جو دشمنوں کو دفع کر سکے تو آج دنیا میں ایک بھی گرجا اور ایک بھی خانقاہ
نہ دکھائی دیتی۔ علاوہ اسکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روحانی بادشاہی
کے سوا سلیمان کی سی سلطنت کے انتظام میں داخل ہو جانے میں ایک
بہت بڑی مجبوری تھی۔ عرب میں بادشاہت کا وجود نہ تھا۔ ہر ایک قبیلہ
کا سردار اُنکا حاکم ہوتا تھا اور جسکو سب لوگ بڑا سمجھتے تھے اُسکو مجبوری افسر بننا
اور تمام ملکی انتظام کرنا لازم تھا۔ جبکہ تمام قبائل رفتہ رفتہ مسلمان ہو گئے تو امکان
سے خارج تھا کہ وہ لوگ سوائے آنحضرت کے اور کسی کو اپنا سردار تسلیم
کرتے اور تمام معاملات ملکی بجز آنحضرت کے حکم کے تعمیل پاتے۔ پس ہر بات
پر انصاف سے غور کرنا چاہئے نہ تعصب سے۔ کیا یہہ انسانیت اور رحم کی
بات نہیں ہے؟ کہ لاچار بے بس مسلمان مرد اور عورتوں اور بچوں کو
کافروں کے ظلم سے بچایا جائے۔ اور اُنکی فریادرسی کے لئے ہتھیار
اُٹھایا جائے۔ کون شخص ہے جو اس لڑائی کو ناواجب کہہ سکتا ہے" انتہی قولہ ملخصاً

مسٹر اڈورڈ گبن اپنی مشہور و معروف تاریخ میں لکھتے ہیں کہ وہ فطرت آلہیہ

کی رو سے ہر ایک شخص کا حق ہے کہ ہتھیاروں کے ذریعے اپنی جان
و مال کی حفاظت کرے۔ اپنے دشمنوں کے ظلم و تشدد کو بزور دفع کرے
یا روکے اور اُنکے ساتھ عداوت کو انتقام کی ایک حد مناسب تک وسعت دے
عربوں کی آزاد سوسائٹی میں کیا بلحاظ رعایا ہونیکے اور کیا بلحاظ ایک شہر کے
باشندوں کے باہمی برتاؤ کے لوگوں کے فرائض میں ایک ضعیف سی
روک تھی۔ اور محمد صلعم اپنے ہموطنوں کی ناانصافی سے اپنی رسالت کی بجاآوری
سے جو بالکل صلح آمیز اور خلایق کی خیراندیشی پر مبنی تھی محروم
کیا گیا اور جلاوطن کیا گیا تھا ایک خودمختار قوم کی قبولیت نے مکہ کے
اِس پناہ گیر کو بادشاہ کے درجہ پر پہنچا دیا اور اُسکو واجب طور پر لوگوں کے ساتھ
معاہدات کرنے اور مخالفوں کے حملوں کو دفع کرنے یا اُنپر حملہ آور ہونیکا
حق حاصل ہو گیا"

پھر ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ "عقلِ خیراندیش یقین کر سکتی ہے
کہ محمد صلعم کی اصلی غرضیں خالص اور خلایق کی سچی بہی خواہی کی تھیں۔ مگر ایک انسان
پیغمبر سے یہہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ایسے ہٹیلے کافروں کی برداشت کرے جو اُسکے
دعووں کا انکار اور اُسکی دلیلوں کی تحقیر کریں اور اُسکی جان کو ایذا دیں۔ وہ اپنے
ذاتی دشمنوں کو تو معاف کر سکتا ہے مگر خدا کے دشمنوں سے واجب طور پر عداوت
رکھ سکتا ہے"* پس اپنی عظمت و علو مرتبت (بوجہ رسول خدا ہونیکے) اور

* بخاری اور مسلم نے باتفاق اُمّ المؤمنین عائشہؓ کی سند پر یہہ روایت کی ہے کہ "مَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهٖ فِیْ شَیْءٍ قَطُّ اِلَّا اَنْ يُّنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ بِهَا" (مشکوٰۃ) یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کسی ذاتی گناہ کا کبھی بدلہ

انتقام کے نہایت پُر زور جذبات محمدؐ کے سینہ میں مشتعل ہوئے اور اُسنے
نینوا کے نبی (یونس علیہ السلام) کی طرح آہ سرد بھر کر اپنے مخالفوں
کی بربادی اور تباہی کے لئے جنکو وہ تقصیر وار ٹھہرا چکا تھا دعا مانگی
اگرچہ اہل مکہ کی بے انصافی اور مدینہ والوں کی پذیرائی نے اِس
ایک شہر کے رہنے والے کو بادشاہ اور مسکین واعظ کو امیر افواج بنادیا
مگر انبیا و اولیاے سابقین کے جدال و قتال کی مثال نے اُسکی تلوار کو
مقدس یعنی بے الزام بنادیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ وہی خدا جو گنہگاروں کو وبا اور
زلزلہ کے ساتھ سزا دیتا ہے اُسکے مسلمان بنانے یا عذاب دینے کے لئے
اپنے بندوں کے دل میں دلیری اور دلاوری القا فرماے"۔

یہہ نامور مورخ یہہ بھی لکھتا ہے کہ دو افریقہ اور ایشیا کے لکھوکھا نو مسلم
جنھوں نے عرب کے مسلمانوں کی تعداد بڑھادی ایک خدا اور اوس کے
رسول پر ایمان لانے میں فریفتہ ہوگئے تھے۔ یہہ نہیں کہ اُن پر کچھہ
دباو تھا۔ کلمہ پڑھنے یا ختنہ ہوجانیسے رعیت یا غلام۔ قیدی یا مجرم ایک
لمحہ میں اپنے فتحیاب مسلمان کا ہمسر اور آزاد رفیق بنگیا۔ ہر ایک گناہ
دور ہوا۔ نکاح نہ کرنے کا عہد فطری عنایت سے جاتا رہا۔ قوائے شہوانی
جو صومعوں میں پڑی سوتی تھیں (یعنی بوجہ تجرد و رہبانیت) اہل حجاز
کے ڈھول سے چونک پڑیں۔ اور معاملات دنیا میں نئے مجمع کا ہر ایک

نہیں لیا۔ مگر حرمت الہیہ کا ہتک ہوتا تھا تو ضرور خدا کے لئے اُسکا بدلہ لیتے تھے

مولف عفی عنہ

شخص اپنی لیاقت اور حوصلہ کے موافق اصل سرشت پر پہنچ گیا"

یہی مورخ یہہ بھی لکھتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی لڑائیوں کو اُنکے پیغمبر نے مقدس قرار دیا تھا مگر اُسنے جو اپنی حیات میں مختلف نصیحتیں کیں اور نظیریں قایم کیں اُسنے خلیفوں سے دوسرے مذہب کو آزادی دینے کی نصیحت پائی جس سے اسلام کے غیر معتقدوں کی مخالفت رفع ہو جاوے۔ ملک عرب محمدؐ کے خدا کی عبادتگاہ اور اُس کا مملوک تھا اگر وہ دنیا کی قوموں کو محبت سے اور بہت کم شک سے دیکھتا تھا۔ بہت سے دیوتاؤں کے ماننے والے اور بت پرست جو اوس کو نہ مانتے تھے شرعًا نیست و نابود کئے جا سکتے تھے (یعنی ممکن تھا کہ اُنکا نیست و نابود کیا جانا شرعًا جایز قرار دیا جاتا) مگر انصاف کے فرائض سے نہایت عاقلانہ تدبیر اختیار کی گئی۔ ہندوستان کے مسلمان فتحمندوں نے بعض کام دوسرے مذہب کی آزادی کے برخلاف کرنے کے بعد اُس مرتاض اور آباد ملک کے مندروں کو چھوڑ دیا ہے۔ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسٰیؑ کے معتقدوں سے سنجیدگی کے ساتھ استدعا کی گئی کہ وہ محمدؐ کے الہام کو جو زیادہ تر کامل ہے قبول کریں۔ لیکن اگر اُنہوں نے نہ مانا اور ایک معتدل خراج یعنی جزیہ دینا قبول کر لیا تو وہ اپنے عقیدہ میں اور مذہبی پرستش میں آزادی کے مستحق تھے" انتہیٰ قولہ

مسٹر طامس کارلایل لکھتے ہیں کہ وہ ابتک محمدؐ نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے صرف وعظ و تلقین کا طریقہ اختیار کیا ہوا تھا

لیکن اَبْ جو بڑے طور پر اسکو وطن سے نکالا گیا اور نامنصف لوگوں نے نہ صرف اُسکے سچے پیغامِ آسمانی کے سننے میں جو اُسکے دل کی ایک نہایت گہری چیخ تھا بے پروائی ظاہر کی بلکہ خاموشی اختیار نہ کرنے کی حالت میں اوسکی جان کے خواہاں ہو گئے - تو اُس جنگل کے رہنے والے نے ایک عَرَبْ اور جوانمرد شخص کی طرح اپنے کو بچانا چاہا - اُسنے خیال کیا کہ اگر قریش کی یہی مرضی ہے تو اچھا یوں ہی سہی - جو پیغام قوم قریش اور تمام انسانوں کے لئے نہایت اہم تھے اُنہوں نے اُنکے سننے سے انکار کیا اور ظلم و ستم اور آہن و قتل کے ذریعہ سے اُنکو ملیامیٹ کر دینا چاہا تو لوہے کا مقابلہ لوہے سے کرنا پڑا - چنانچہ محمدؐ کو دس۱۰ برس جنگ و جدال اور سخت محنت اور انتہا کی کشمکش میں گزرے - اور اس کا نتیجہ جو کچھ ہوا اُس سے ہم سب آگاہ ہیں -

اِس امر کی نسبت کہ محمدؐ نے اپنا مذہب تلوار کے ذریعہ سے پھیلایا بہت کچھ کہا گیا ہے - اور بیشک جس بات کا ہم کو عیسائیت کی نسبت فخر ہے وہ بہت کچھ واجب الاحترام ہے - یعنی یہہ کہ اُس نے چپ چاپ طور پر وعظ اور سامعین کے دل میں یقین پیدا کرنیکے ذریعہ سے اپنے تئیں پھیلایا - لیکن بااینہمہ اگر ہم اِسکو کسی مذہب کی حقیقت یا بُطلان کی دلیل قرار دیں تو بڑی سخت غلطی ہے - تلوار سہی - مگر وہ تمکو مل کہاں سے جائیگی - ہر ایک نئی رائے شروع میں صرف ایک ہی رائے کا حکم رکھتی ہے اور ابھی ایک ہی شخص کے دل میں اوسکی جگہہ

ہوئی ہے۔ اور تمام دنیا میں ایک ہی آدمی اُسکا مقرر ہوتا ہے۔ اور اس
طرح پر گویا ایک شخص کل بنی آدم کے خلاف میں ہوتا ہے۔ پس اگر وہ
تن تنہا تلوار پکڑ لے اور اُسکے ذریعہ سے اپنا مذہب پھیلانا چاہے تو وہ کیا
کر سکتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ تم پہلے تلوار حاصل کرو (یعنی
تلوار پکڑنے والے معتقد بہم پہنچاؤ) الغرض ایک شے جس طرح اُس سے
ممکن ہوا پنے تئیں پھیلائیگی۔ حتیٰ کہ عیسائیت نے بھی جب کبھی وہ
اُسکے ہاتھ لگ گئی تلوار سے ہمیشہ نفرت ظاہر نہیں کی۔ مثلاً شارلمین
نے سیکسن قوم کو صرف وعظ ہی کے ذریعہ سے عیسائی نہیں بنایا تھا
میں تلوار وغیرہ کی کچھ پروا نہیں کرتا اور اجازت دیتا ہوں کہ ایک شے جس
طرح ممکن ہوا پنے تئیں اس جہان میں پھیلاے۔ زبان سے خواہ تلوار سے
خواہ کسی اور اوزار سے جو اُس کے پاس ہو۔ یا وہ اُس کو کہیں سے بہم
پہنچا سکے"

مسٹر گاڈفرے ہیگنس اپنی کتاب کے ایکسو پانچویں فقرہ میں
یہہ لکھکر کہ "یہہ خیال کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ "دین محمدی صرف
بزور شمشیر پھیلا ہے" پھر ایکسو ساتویں اور ایکسو آٹھویں فقرہ میں یہ لکھتے ہیں
کہ "اہل حجاز پر تاتاریوں کا پہلا حملہ آٹھویں صدی کے اخیر پر
ہوا۔ وہ لوگ ملک شمال سے جو مابین بحیرہ کاسپیان اور بحیرہ اسود
کے واقع ہے آئے۔ یہہ لوگ اسوقت "دین محمدی" نرکھتے تھے۔ مگر
اُنھوں نے تھوڑے ہی عرصہ بعد ان مغلوب اہل حجاز کا مذہب اختیار

کر لیا۔ ان فتحیابوں کے اس تبدیل مذہب سے وہ الزام جو چند بار مذکور ہوا کہ "دینِ اسلام کی کامیابی بزورِ شمشیر ہوئی ہے" نہایت عجیب وغریب طرح پر باطل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں سے خوب ثابت ہوتا ہے۔ کہ دینِ اسلام میں صرف وہی لوگ داخل نہیں ہوئے جو اُس سے زیر کیئے۔ بلکہ وہ لوگ بھی داخل ہوئے جنہوں نے مسلمانوں کو مغلوب و مطیع کیا" پھر فقرہ۔ ایکسو باون میں لکھتے ہیں کہ "جب عیسائی پادری بیان کرتے ہیں کہ محمدؐ کے مسائل کی کامیابی صرف بوجہ شمشیر ہوئی ہے" تو ظاہرا وہ علت کو بجاے معلول کے بولتے ہیں۔ کیونکہ تلوار چلانے کی علت ہاتھ کی حرکت ہے۔ اور ہاتھ کی حرکت کا باعث حرارت دینی ہے جس سے اُنکی فتح ہوئی اور حرارتِ دینی کا موجب وہ پختہ اعتقاد ہے جو محمدؐ کے مسائل کی صداقت پر اُن کو تھا۔ اُن ایمان والوں کے لئے جو صرف خداے یکتا کی رضا جوئی اور اپنے پیغمبر کی حفاظت میں جان دیتے تھے بہشت اور زمانۂ حال و استقبال کی خوشی اور وہ بھی ایسی جو ہمیشہ کے لئے تصور کیجاتی تھی تو اِس صورت میں یہ کیسا نامعقول اور غیر مفید امر ہے کہ تمام خطروں سے خوف نہ کھا کر اس جلیل القدر انعام کو حاصل نہ کریں اور اس ثواب کی قدر کو اپنی کوششوں سے نہ بڑھائیں خاصکر اُس صورت میں جبکہ معلوم ہے کہ اجل ہر شخص کی معیّن کردی گئی ہے۔ اور دنیا کی پیدایش سے پیشتر اوسکی تحریر ہوچکی ہے جسکو کوئی شے نہ روک سکے نہ ٹال سکے۔ بستر پر خواہ معرکہ میں ضرور ایک آدمی اُسی طرح پر مریگا جیسا کہ لکھدیا گیا ہے نہ احتیاط

کی وجہ سے وہ حکم تبدیل ہو سکتا ہے نہ خوف کی وجہ سے۔ حرارتِ دینی کی عالمگیر خاصیت بخوبی معروف ہے اور محمدؐ کے معاملہ میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ عجیب طور پر ظاہر کی گئی۔ دیکھو شہر مدینہ، قبل اس سے کہ محمدؐ تلوار کھینچے فتح ہو گیا تھا۔ اسلئے یہہ فتح تلوار کے زور سے نہیں کہی جا سکتی اُسکی پہلی مہم میں صرف تیس آدمی تھے۔ دنیا کی فتح آغاز کرنے کے لئے یہہ ایک نہایت تھوڑی فوج تھی۔ اوسکی دوسری مہم میں تین سو تھے اور اس طرح پر ایک لڑائی سے خواہ فتح ہوئی یا شکست۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے سپاہیوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ شاید لوگ یوں کہینگے کہ یہہ ایک معمولی بات ہے کہ فتح سے سپہ سالار کے سپاہیوں کی تعداد بڑھ جایا کرتی ہے۔ یہہ بہت صحیح ہے۔ مگر محمدؐ نے اُن لوگوں کو اپنی فوجوں میں بھرتی نہیں کیا جو اُسکے مذہب پر ادنیٰ درجہ کا بھی اعتقاد نہ لائے۔ یعنی زبان سے کلمہ "لا اِلٰہ اِلّا اللہ محمد رسول اللہ" نہ کہا۔ اور یہہ کلمہ ایسا سادہ اور صاف ہے کہ جسکا سمجھنا یاد رکھنا یقیناً مشکل نہ تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ کے پیرؤوں کی حرارت دینی اونکی تعداد کے ساتھ ہی بڑھی اور یہہ کہ اُس کے خلیفوں کی بڑی فوجوں میں یہہ وصف (جو کہ ہر فتحیاب کے لئے مرغوب ہے) اُنہیں کمالات کے ساتھ پایا جاتا تھا جیسا کہ خود محمدؐ کی چھوٹی چھوٹی فوجوں میں تھا۔ ظاہرا بات یہہ تھی کہ ہر ایک فتح سے مذہب پاک کے واعظوں کو (جن میں سے ہر ایک سپاہی تھا) اپنی لیاقت آزمائی کا نیا موقع اور نہایت عمدہ میدان مشق کے لئے ملگیا تھا"

یہہ محقق مورخ یہہ بھی لکھتا ہے کہ "وہ کوئی بات ایسی عام نہیں ہے
جیسا کہ عیسائی پادریوں کی زبانی مذہب اسلام کی مذمت اس وجہ سے
سُننے مین آئی ہے کہ "وہ اوسمیں تعصب زیادہ ہے اور اوسمیں دوسرے
مذہب کو آزادی نہیں ہے" یہہ عجیب زعم اور محض ریاکاری ہے۔ وہ
کون تھا؟ (عیسائی) جسنے میکسیکو اور پیرو کے لاکھوں باشندوں
کو قتل کیا تھا! اور اُن سب کو بطور غلام کے دیدیا تھا۔ اِس وجہ سے
کہ وہ عیسائی نہ تھے۔ مسلمانوں نے بمقابلہ اُسکے یونان میں کیا کیا؟ یہہ
کہ کئی صدیوں سے عیسائی امن و امان کے ساتھ اپنی ملکیت پر
قابض چلے آتے ہیں اور اُنکے مذہب۔ اُنکے پادریوں۔ اُنکے بشپ
اُنکے بزرگوں۔ اُنکے گرجاؤں کی نسبت دست اندازی نہیں کی گئی۔ جو
لڑائی بالفعل (یعنی جولائی ۱۸۲۹ء زمانہ تحریر کتاب) یونانیوں اور
ترکوں میں ہو رہی ہے وہ بہ نسبت اُس لڑائی کے جو حال ہیں ڈیمرارا
کے حبشیوں اور انگریزوں میں ہوئی تھی کچھہ زیادہ مذہب کی وجہ سے نہیں
ہے۔ یونانی اور حبشی اپنے فتحمندوں کی اطاعت سے آزاد ہوا چاہتے
ہیں۔ اور اُن کا ایسا کرنا واجب ہے۔ جب خلیفہ فتحیاب ہوتے تھے
اور وہاں کے باشندے مسلمان ہو جاتے تھے تو فوراً انکا رتبہ فتحمندوں کے
برابر ہو جاتا تھا۔ ایک نہایت دانشمند مگر غیر معتقد عالم نے سارسین یعنی
اہل حجاز مسلمانوں کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ "وہ کسی شخص کو ایذا نہیں
دیتے تھے اور یہودی اور عیسائی سب اُن میں خوش و خرم تھے"

لیکن اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ مُور [ملک بربر کے رہنے والے مسلمان
جو اندلُس میں تھے] اسوجہ سے جلاوطن کئے گئے تھے کہ وہ عیسائی
مذہب قبول نہیں کرتے تھے۔ مگر مجکو گمان ہے کہ اسکا سبب اور ہی
تھا یعنی میں خیال کرتا ہوں کہ وہ اپنی دلیلوں سے عیسائیوں پر اسقدر غالب
آگیے تھے کہ جاہل راہب سمجھتے تھے کہ اُنکی دلیلوں کا جواب صرف
مَنۡ ھَبِیۡ عَلَ اَلتۡ " سے سزا دینے اور تلوار ہی سے ہو سکتا ہے
اور مُجکو کچھ شبہ نہیں ہے کہ جہانتک اُنکی ناقص قوت جواب دینے
کے باب میں تھی وہانتک اُنکا یہ خیال صحیح تھا۔ جن ملکوں کو خلیفہ فتح
کرتے تھے وہاں کے غریب باشندے خواہ یونانی خواہ ایرانی خواہ
اسپین کے رہنے والے خواہ ھندو قتل نہیں کیے جاتے
تھے جیسا کہ عیسائیون نے بیان کیا ہے بلکہ فتح ہوتے ہی وہ سب
بامن و امان اپنی ملکیت اور اپنے مذہب پر قابض چھوڑ دیے جاتے
تھے اور اس پچھلے حق کی بابت ایک محصول دیتے تھے جو اسقدر خفیف ہوتا تھا
جو کسی کو گراں نہیں معلوم ہوتا تھا✝ خلفا کی تمام تاریخ میں کوئی بات ایسی نہیں
مل سکتی جو ایسی رسوائی کا باعث ہو جیسے کہ [عیسائیوں میں] مَنۡ ھَبِیۡ
عَلَ اَلتۡ " سے سزا دینا تھا اور نہ ایک مثال بھی اس بات کی پائی جاتی
ہے کہ کوئی شخص اپنا مذہب نہ چھوڑنے کے سبب جلایا گیا ہو۔ نہ مجکو یہ یقین
ہے کہ زمانۂ امن میں صرف اسوجہ سے قتل کیا گیا ہو کہ اُسنے مذہب اسلام

✝ اسمیں کسیقدر غلطی ہے جیسا کہ ہم جزیہ کی بحث میں تفصیل بیان کر آئے ہیں۔ مولف عفی عنہ

قبول نہیں کیا۔ اسمیں کچھ شبہ نہیں ہے کہ پچھلے مسلمان فتحمندوں نے

اپنی فتوحات میں بڑی بڑی بیرحمیاں کی ہیں جنکا الزام عیسائی مصنفوں نے

بڑی جدوجہد سے مذہبِ اسلام پر لگایا ہے۔ مگر یہ واجب نہیں ہے

درحقیقت مذہبی تعصب کے باعث لڑائی کی خرابیاں زیادہ ہوگئیں مگر

اس بات میں مسلمان فتحمند کچھ عیسائیوں سے زیادہ برے نہ تھے۔ تلوار کے

میان میں ہوتے ہی مصیبت کی انتہا ہوجاتی تھی قرآن میں ہے

(۱) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ط اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ط وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ط (۲) لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۳) وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ط وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۴) فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ط" کیا یہ ایسا مذہب ہے جو تعصب کا موکد ہو۔ موسیٰ نے

اہل کنعان کے ساتھ اور سموئیل نے اگاگ (قوم عمالیق کا ایک

بادشاہ تھا جو حضرت سموئیل نبی سے لڑا تھا) اور اہل شہر جبائن (یروشلیم

کے قریب شمال کیطرف ایک بت پرست شہر تھا) کے ساتھ جو سلوک

کیا اُسکو پڑھو اور دونوں میں نسبت کرو" انتہیٰ قولہ

اِنسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے محقق مولفین لکھتے ہیں کہ "بعض لوگ

بلا تامل یہ کہدیتے ہیں کہ "محمدؐ کی کامیابی کا سبب تلوار اور ایسی باتونکا
جایز کر دینا تھا جو شہوت پرستی کہلاتی ہیں" مگر لڑکر مذہب قبول کروانیکا
توہم وہی جواب دیتے ہیں جو کارلائل نے دیا ہے یعنی تلوار کے
زور سے مذہب قبول کروانے سے پہلے ضرور ہے کہ تلوار حاصل کیجائے"
محمدؐ کی وفات کے بعد گو کتنا ہی جبر کے ساتھ اسلام غیر مذہب کی
قوموں میں پھیلایا گیا ہو۔ مگر کچھہ شک نہیں کہ ظلم وستم کا استعمال اُسکی زندگی
میں بالکل نہیں ہوا بلکہ ابتدا میں تو تلوار اُسکے خلاف ہی تھی"

ایک آرٹیکل کے لکھنے والے نے اپنے آرٹیکل میں جو
"عیسائیت اور اسلام" کے عنوان سے ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو
اکتوبر سنہ رواں [۱۸۸۸ء] میں چھپا ہے اس مسئلہ کی نسبت جسمیں ہم بحث کر رہے
ہیں یہ لکھا ہے "کہا جاتا ہے کہ اسلام میں عیسائیت
کی سی فروتنی اور عجز وانکسار نہیں ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا ایک بہت
بڑی غلطی ہے کہ وہ لوگوں کو مسلمان بنانے والے مذہب کے اعتبار سے
ایک جابر اور ایذا رساں مذہب ہے بلکہ برخلاف اسکے عیسائیوں
کی بہ نسبت مسلمانوں نے ہمیشہ بہت زیادہ تحمل کیا اور بردباری سے
کام لیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے نہ تو لوگوں کو ستا ستا کر اُنسے اپنا مذہب منوایا
ہے۔ اور نہ اُن لوگوں کو جو مذہب کے اعتبار سے اُنسے مختلف ہوں
زندہ آگ سے جلایا ہے۔ اور باوجودیکہ عیسائی سلطنتوں نے
اپنی کل رعایا کو اُنکا مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اور اس طرح پر

متحد مذہب والی قومیں بنالیں۔ مگر مسلمان ہمیشہ اپنی رعایا کو آزادانہ اپنے مذہب پر قایم رہنے کی اجازت دیتے رہے۔ بلکہ حالیہ زمانہ میں بھی ترکون اور مغلون نے اپنے درمیان غیر مسلم آبادی کو قایم رکھا ہے۔

مسٹر جان ڈیون پورٹ لکھتے ہیں کہ "اسبات کا خیال کرنا جیسا کہ بعضوں نے کیا ہے اور اب بھی کرتے ہیں نہایت ہی سخت غلطی ہے کہ قرآن میں جس عقیدہ کی تلقین کی گئی ہے اُسکی اشاعت صرف بزور شمشیر ہوئی تھی۔ کیونکہ جن لوگوں کی طبیعتیں تعصب سے مبرا ہیں وہ سب بلا تامل اس بات کو تسلیم کرینگے کہ محمد کا دین آپکے ذریعے سے انسانوں کے خون یعنی قربانی کے بدلے نماز اور خیرات جاری ہوئی اور جس نے عداوت اور دایمی جھگڑوں کی جگہہ فیاضی اور حسن معاشرت کی ایک روح لوگوں میں پھونک دی اور جسکا اس وجہ سے بالضرور ایک بہت بڑا اثر شایستگی پر ہوا ہوگا) مشرقی دنیا کے لیے ایک حقیقی برکت تھا اور اسوجہ سے خاصکر اُسکو اُن خوں ریز تدبیروں کی حاجت نہ پڑی ہوگی جسکا استعمال بلا استثنا اور بلا امتیاز کے موسیٰ نے بت پرستی کے نیست و نابود کرنے کو کیا تھا"

یہی مورخ یہ بھی لکھتا ہے کہ "نائیسا کی کونسل میں یہ امر واقع ہوا تھا کہ شہنشاہ قسطنطین اوّل نے پادریوں کی جماعت کو وہ اختیار دیا تھا کہ جس سے نہایت ہیبت ناک نتیجے پیدا ہوئے تھے جنکا خلاصہ

اِن چند سطروں میں موجود ہے۔

"خونریزی اور بربادی اُن احمقانہ نو صلیبی جہادوں کی جو عیسائیوں نے قریب دو۲ سَو برس کے عرصہ تک ترکوں پر کیے تھے اور جنمیں کئی لاکھ آدمی ہلاک ہوئے۔ قتل کرنا اُن شخصوں کا جو اس عقیدہ کو نہیں مانتے تھے کہ انسان کا دوبارہ اِصطباغ ہونا چاہیئے لُوتھر کے پیرووں اور رومن کیتھلک مذہب والوں کا دریائے رائن سے لیکر انتہائے شمال تک قتل ہونا۔ وہ قتل جسکا حکم ہنری ہشتم اور اُسکی بیٹی [ملکہ] میری نے دیا تھا۔ فرانس میں سینٹ بارتھولومیو کا قتل ہونا! چالیس برس تک اَور بہت سی خوں ریزیوں کا ہونا!!! فرانسس اوّل کے عہد سے ہنری چہارم کے پیرس میں داخل ہونے تک "عدالتِ مذہبی" کے حکم سے قتل کا ہونا جو ابتک قابل نفرین ہے۔ کیونکہ وہ عدالت کی رائے سے ہوا تھا! علاوہ اِسکے اور بے انتہا بدعتوں کا اور اُن بتیس۲ برس کی خرابیوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں ہے جبکہ پوپ۔ پوپ کے مقابلہ اور بشپ۔ بشپ کے مقابلہ میں تھا! زہر خورانی اور قتل کی وارداتوں کا ہونا اور تیرہ۱۳ چودہ۱۴ پوپوں کی بیرحم۔ لوٹ اور گستاخانہ دعوے جو ہر قسم کے گناہ اور عیب اور بدکاری میں جو ایک نیرو یا ایک + گیلیگیولا سے نہایت فوق لیگئے تھے۔ آخرکار اِس خوفناک فہرست کا خاتمہ ہونیکے لیے ایک کرور بیس لاکھ نئی دنیا کے

+ دو شقی ترین قیاصرہ روم کا نام ہے۔ مولف عفی عنہ۔

باشندوں کا صلیب ہاتھ میں لیے قتل ہونا!!! یقیناً یہ بات تسلیم کرنی
چاہیئے کہ ایک ایسا مکروہ اور قریباً ایک غیر منقطع سلسلہ مذہبی لڑائیوں کا
چودہ سو برس تک سوائے عیسائیوں کے اور کہیں ہرگز جاری نہیں رہا
اور جن قوموں کی نسبت بت پرست ہونیکا طعن کیا جاتا ہے اُنمیں سے
کسی قوم نے ایک قطرہ خون کا بھی مذہبی دلائل کی بنا پر نہیں بہایا۔

ایک مصنف نے اپنے ایک آرٹیکل میں جو ایسٹ اور ویسٹ
اخبار میں چھپا تھا + اور اُسکا عنوان یہ تھا کہ "اسلام بطور ایک ملکی نظام
کے ہے" اسلام میں آزادی مذہب کی نسبت یہ لکھا ہے کہ "صرف
محمدؐ ہی ایسا بانی مذہب تھا جو ایک دنیوی بادشاہ بھی تھا اور سپاہی
بھی تھا۔ اور یہ دونوں قوتیں خاصکر اس لیے تھیں کہ تشدد اور اولوالعزمی
کو روکا جائے اور اولوالعزمی کی جانب وہ مائل تھا اور تلوار اُسکے اختیار
میں تھی۔ اسلیے خیال ہوتا ہے کہ جبکہ اُسنے مذہب کو دنیوی حکومت کا
وسیلہ قرار دیا اور اپنے معتقدوں کی طبیعتوں پر وہ غلبہ حاصل کیا جسکے سبب سے
وہ لوگ شرع اور حق اُسی بات کو سمجھتے تھے جو وہ جاری کرنا چاہتا تھا تو
چاہیئے کہ اُسکا مجموعہ احکام شرعی اور تمام مجموعوں سے مختلف ہو۔ بلکہ یہ
خیال ہوتا ہے کہ اُن احکام انصاف سے بھی مختلف ہو جو ہر ایک انسان
کی طبیعت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اب ہم اگر یہ بات دیکھیں کہ اُسکے
احکام کا مجموعہ ایسا نہیں ہے بلکہ اُسکے برخلاف یہ دیکھیں کہ محمدؐ نے

+ دیکھو خطبات احمدیہ صفحہ ۳۷۷ و ۳۷۸۔ خطبہ چہارم۔ مولف عفی عنہ۔

قومی معاملات میں حق رسانی اور فتح کرنے میں رحم اور حکمرانی کرنے میں
اعتدال اور سب سے مقدم دوسرے مذہب کی عدم مزاحمت کے
احکام قرار دئے ہیں تو ہمکو یہ بات تسلیم کرنی چاہیے کہ محمدؐ اپنے
ہمجنسوں میں ایسی ہی تعظیم کا استحقاق رکھتا تھا۔"

پھر اُسی مصنف نے اُسی آرٹیکل میں دوسرے مقام پر لکھا ہے
کہ "اسلام نے کسی مذہب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کی
کسی کو ایذا نہیں پہنچائی - کوئی "مذہبی عدالت" خلاف مذہب والونکو
سزا دینے کے لیے قایم نہیں کی - اور کبھی اسلام نے لوگوں کے
مذہب کو بجبر تبدیل کرنیکا قصد نہیں کیا - اسلام قبول کرنے سے لوگوں کو
فتحمندوں کے برابر حقوق حاصل ہوتے تھے - اور مفتوحہ سلطنتیں
اُن شرایط سے بھی آزاد ہو جاتی تھیں جو ہر ایک فتحمند نے ابتدائے
دنیا سے محمدؐ کے زمانہ تک ہمیشہ قرار دی تھیں"

اُسی مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اسلام کی تاریخ میں
ایک ایسی خاصیت پائی جاتی ہے جو دوسرے مذہب کے غیر آزاد
رکھنے کے بالکل برخلاف ہے"

اسلام کی تاریخ کے ہر ایک صفحہ میں اور ہر ایک ملک میں جہاں
اُسکو وسعت ہوئی دوسرے مذہب سے مزاحمت نکرنا پایا جاتا
ہے - یہانتک کہ فلسطین میں ایک عیسائی شاعر لامارٹین نے
اُن واقعات کی نسبت جنکا ہم ذکر کر رہے ہیں بارہ سو برس بعد علانیہ

یہ کہا تھا کہ "صرف مسلمان ہی تمام روئے زمین پر ایک قوم ہیں جو دوسرے مذہب کو آزادی سے رکھتے ہیں"

اور ایک انگریز سیّاح سلیڈان نے مسلمانوں پر یہ طعن کیا ہے کہ "وہ حد سے زیادہ دوسرے مذہب کو آزادی دیتے ہیں"

لایق فایق مورخ مسٹر ہالم[+] اپنی "تاریخ آئین سلطنت انگلستان" کی جلد اول باب (۲) میں لکھتے ہیں کہ "دین اسلام بندگان خدا پر عرض کیا گیا مگر کبھی اُن سے جبراً نہیں قبول کرایا گیا - اور جس شخص نے اِس دین کو بطیب خاطر قبول کر لیا اُسکو وہی حقوق بخشے گیے جو قوم فاتح کے تھے اور اِس دین نے مغلوب قوموں کو اُن شرایط سے بری کر دیا جو ابتدائے خلقت عالم سے پیغمبر اسلام کے زمانہ تک ہر ایک فاتح نے مفتوحین پر قایم کیے تھے قوانین اسلام کے موافق ہر قسم کی مذہبی آزادی اور مذہب والوں کو بخشی گئی جو سلطنت اسلام کے مطیع و محکوم تھے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" دلیل بیّن اور برہان قاطع اِس دعویٰ کی ہے - اِسلام میں اُور اہل مذاہب کو مذہبی آزادی بخشنے اور اُنکے ساتھ نیکی کرنیکا حکم ہے یہ آیت کسی بے قابو مجذوب کی بڑ نہیں ہے نہ کسی حکیم فلسفی کا خیال خام ہے بلکہ یہ اُس شخص کا قول ہے جو ایسی سلطنت کا بادشاہ تھا جو اتنی قدرت رکھتی تھی اور جسکا انتظام ایسا عمدہ تھا کہ جیسے اصول کو چاہتی نافذ کر سکتی تھی - دین میں بھی اور سیاست مدن میں بھی کئی ایک شخصوں اور

+ دیکھو تنقیح الکلام صفحہ ۱۸۷ مولف عفی عنہ

فرقوں سے نے مذہبی آزادی بخشنے کی ترغیب دی ہے۔ مگر اسکے
عملدرآمد کی تاکید صرف اُسوقت تک ہے جبتک وہ خود بے قابو اور کمزور
رہے ہیں۔ لیکن شارع اسلام نے مذہبی آزادی کی صرف ترغیب ہی نہیں
دی بلکہ اُسکو احکام شریعت میں داخل کر دیا ہے۔ بندگان خدا پر لطف و
شفقت کرنیکا اصول ہر ایک قوم کے ساتھ برتا گیا جو مطیع و محکوم اسلام
ہوئی اور ہر قوم سے اپنے رسوم و اعمال مذہبی کو بلا مزاحمت بجالانیکا معاوضہ
کچھ برائے نام خراج لیا جاتا تھا۔ اور جب ایک خراج یا جزیہ طے ہو جاتا تھا
تو پھر اُس قوم کے عقاید دینی اور امور مذہبی میں مداخلت بیجا کرنا سراسر
خلاف شرع اور حرام مطلق سمجھا جاتا تھا۔"

میرے محترم دوست علامۂ عصر ڈاکٹر جی ڈبلیو لائیٹنر صاحب
نے جنکے نام سے ہمارے اس ملک پنجاب کا بچہ بچہ واقف ہے
اپنے ایک آرٹیکل میں جسکا عنوان "جہاد" تھا۔ اور اکتوبر ۱۸۸۶ء کے
رسالہ "ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو" میں چھپا تھا لکھا ہے کہ اصل یہ ہے
کہ قرآن کی جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئی تھیں اور جو مدینہ میں نازل
ہوئیں اُنمیں باہم ایک حقیقی امتیاز ہے۔ چنانچہ پہلی سورتیں تو ایک ایسے
شخص کا کلام ہے جو بطور ایک سچے نبی کے بلا لحاظ دنیاوی خیالات
کے لوگوں کو اپنے گناہوں سے پشیماں ہونے اور باخدا زندگی بسر کرنے
کی تلقین کرتا ہے۔ لیکن جو سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں اُن میں ہم
لامحالہ دنیاوی خیالات کو غالب پاتے ہیں۔ اور یہ دیکھتے ہیں کہ

اسلام خاص اپنے وجود کے قایم رکھنے کے لیے ایک کشمکش میں
پڑا ہوا ہے - اور اُسکو نہ صرف اپنے پیروؤں کے لیے قوانین (احکام
مذہبی) بنانے کی ضرورت ہے بلکہ ایک نظام جنگی کا کام بھی مع اُن امور
کے درپیش ہے جو اُسکے محرک یا اُسکے قایم ہونے کے بعد اُسکا نتیجہ ہوتے
ہیں - پس ظاہر ہے کہ جو ہدایتیں لڑنے والوں کو دیجائیں یا ایک مجموعہ
قوانین میں درج ہوں وہ بالضرور ایک ایسے کلام سے مختلف ہونی ہی
چاہئیں جسمیں خدا سے بخشش اور نجات کی طلبگاری کی گئی ہو جہاد بالکفا
کو اُسکے متعارف معنوں کے لحاظ سے ٹھیک جایز یا ناجایز سمجھنا
اُن حالات وقت کے مدنظر رکھنے پر موقوف ہے جنمیں وہ احکام خاص
دئے گئے تھے - چنانچہ ہمکو اس بات کے کہنے میں کچھہ تامل نہیں ہے
کہ اسلامی کتب مقدسہ کے ایک بے تعصبانہ مطالعہ سے ہر ایک شخص
یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ وہ تمام لوگ جو ایک خدا کو مانتے اور اعمال صالحہ
بجالاتے ہیں نجات پاینگے - اور فی الواقع اُن لوگوں کی تمام دلیلیں ڈھی جاتی
ہیں جو اس بات پر قایم ہیں کہ جہاد کا مقصد تلوار کے ذریعہ سے اسلام
کا پھیلانا تھا - کیونکہ بخلاف اِسکے سورۂ حج میں صاف لکھا ہے کہ "جہاد
کا مدعا مسجدوں اور گرجاؤں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں اور زاہدوں اور
عابدوں کی خانقاہوں کو بربادی سے محفوظ رکھنا ہے" اور ہمکو اب تک
اُس عیسائی مجاہد کا نام معلوم نہیں ہوا جسکا مقصد مسلمانوں کی مساجد و معابد
یہود کی حفاظت کرنا تھا - البتہ جب بادشاہ فردیننڈ اور ملکہ اسابیلا

نے عربوں کو ہسپانیہ سے جہاں وہ اپنا علم و ہنر لیکر آئے تھے نکالدیا
تو بالطبع اسپر زور دیا گیا کہ جہاد کو اُسکے متعارف معنوں یعنی عیسائیوں
سے دشمنی رکھنے میں استعمال کیا جاوے۔ بیشبہ جہاد کے صرف
یہ معنے سمجھے جانے پر کہ "وہ غیر اقوام کے حملوں سے مسلمانوں کو بچایا جاوے"
اسقدر زور دیا گیا ہے کہ تمام مسلمان جرنیلوں [سرداران لشکر] کو یہ قطعی حکم تھا کہ
جس مقام میں اذان دینے سے کوئی مانع نہو یا جس میں ایک مسلمان
بھی اس امر کے ثبوت کے طور پر رہ سکتا ہو کہ وہاں اُسے کوئی اذیت
نہ پہنچے گی اسپر ہرگز حملہ آور نہوں"

جہادِ مذہبی کی ترغیب فی الحقیقت قرآن کے دوسرے
سورہ [بقرہ] میں دیگئی ہے۔ جو سخت اشتعالک دلائے جانیکی
حالت میں نازل ہوا تھا۔ مگر باوجود اِسکے اُسمیں بھی یہ صاف لکھا ہے
کہ "لڑو خدا کے دین کے لیے اُن لوگوں سے جو تمسے لڑتے ہیں"
وغیرہ وغیرہ الی آخرہ۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ لڑو گناہ سے
لیکن نہ گناہ کرنے والوں سے صلح و امن کے زمانہ میں اور اسکے بعد
پھر تیسرے سورہ [آل عمران] میں جہاں لارڈ آف ہوسٹس[1] سے
یہ کہکر مدد کے لیے دعا کی گئی ہے کہ "وہ دشمنوں کی کل مخالف فوجوں
سے زیادہ طاقت رکھنے والا ہے" اور جبکہ قریش لوگوں نے یہ
کوشش کی تھی کہ وہ مسلمانوں کو جو جنگ اُحد میں بھاگ نکلے تھے پھر اپنی

[1] ربّ العالمین یا ربّ الافواج ۔ مؤلف عفی عنہ

فتنہ یعنی بت پرستی کی طرف مائل کریں۔ اُس سورہ میں جو تر غیب لڑائی کی
دیگئی ہے وہ ایک خاص حالت رکھتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "کسقدر
نبیوں کو ایسے مخالفوں کا مقابلہ کرنا پڑا ہے جو ہزاروں تو جیں رکھتے تھے
مگر باوجود اسکے خدا کے دین کے لیے لڑائی لڑنے میں جو کچھ اُنپر گزرا
وہ اُس سے اپنے دل میں مایوس نہیں ہوئے اور نہ اُن کے
استقلال میں فرق آیا اور نہ اُنہوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا جو اُنکو ذلیل
کرنیوالا ہو۔ اور خدا نے اُنکو اس دنیا اور عاقبت میں اسکا اجر عظیم عطا فرمایا"
اور پھر آگے چلکر یہ کہا ہے کہ "ہم ضرور کفار کے دلوں میں اندیشہ پیدا
کردینگے" [یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قُریشی لوگوں نے
یہ افسوس کیا تھا کہ کیوں ہمنے مسلمانوں کو بالکل نیست و نابود نہ کردیا اور
یہ خیال کرنا شروع کیا تھا کہ ایسا کرنیکے لیے پھر مدینہ جائیں مگر ایک
ناگہانی آفت کی وجہ سے جو خدا نے اُنپر ڈالدی تھی وہ اپنا ارادہ پورا نکرسکے]
پھر چوتھے سورہ [نساء] میں لکھا ہے کہ "پس لڑ خدا کے دین کے لیے
اور اپنے سوا اَور کسی کو اُس کام کے کرنے پر مجبور نکر جو مشکل ہے" یہ
اُن مسلمانوں کیطرف اشارہ ہے جنہوں نے نبی عربی کے ساتھ تک اُس
کی خفیف لڑائی میں جانے سے انکار کیا تھا اور اسوجہ سے وہ صرف ستر
آدمیوں کو ساتھ لیکر روانہ ہونے پر مجبور ہوا تھا جسکے معنے دوسرے لفظوں
میں یہ ہیں کہ صرف محمدؐ ہی کا یہ فرض تھا کہ خدا کے احکام کی خواہ وہ
کیسے ہی مشکل کیوں نہوں اطاعت کریں" پھر یوں لکھا ہے کہ "بہر حال

مسلمانوں کو لڑائی کی رغبت دلا۔ شاید کہ خداوند عالم کافروں کی دلیری کو
روک دے۔ کیونکہ خدا اُن سے زیادہ صاحب طاقت اور سزا دینے
کی قدرت رکھنے والا ہے" پھر یہ لکھا ہے کہ "جو شخص بھلائی کی غرض
سے لوگوں میں بیچ بچاؤ کرائے اُسکو اُس بھلائی کا حصہ عطا ہوگا" اور
پھر لکھا ہے کہ "جب کوئی تمکو سلام کرے تو اسکا جواب اس سے بہتر الفاظ
میں دو" یعنی جب کوئی مسلمان تمکو "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ" کہکر [جو خاص
اسلامی سلام ہے] سلام کرے تو اُسکے جواب میں یہ کہنا چاہیئے
عَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ اور پھر آٹھویں سورہ میں
یہ لکھا ہے کہ "اے گروہ مسلمانان جب تمہارا ایسے گروہ کفار سے
مقابلہ ہو جو تعداد میں بہت زیادہ ہوں تو پیٹھ پھیر کر مت بھاگو کیونکہ جو شخص
اُس روز اُن کے سامنے سے پشت پھیر کر بھاگے گا بشرطیکہ وہ لڑائی
کی غرض سے یا کسی دوسرے گروہ مسلمانان میں شامل ہونیکے لیے نہ پھرا
ہو اُسپر قہر الٰہی نازل ہوگا" مگر بات فی الحقیقت یہ تھی کہ جسوقت یہ حکم دیا گیا
تھا اُسوقت مسلمانوں کو لڑائی لڑنا ایک امر ناگزیر ہو رہا تھا۔ اور اسوجہ سے
اِس امر کی ضرورت تھی کہ خصوصیت کے ساتھ ایک سخت حکم دیا جائے
مگر تاہم جس مقام پر کہ جہاد کے معنی یہ بتائے گئے ہیں کہ وہ ایک واجب
کوشش لڑائی لڑکر اُس حالت میں اپنا بچاؤ کرنے کی ہے جبکہ
کسی نے معاملات مذہبی میں نہایت ظالمانہ مداخلت کی ہو وہاں بھی جیسا
کہ ہم پہلے حوالہ دے چکے ہیں اُسکے الفاظ نہایت محدود ہیں۔ چنانچہ

وہ فقرہ بتمامہ یہ ہے - قرآن سورۃ الحج "جو لوگ کفار کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائیں انکو اس وجہ سے لڑنے کی اجازت دیجاتی ہے کہ انکو ناواجب طور سے تکلیف پہنچائی گئی ہے اور انکو گھروں سے ستا ستا کر صرف اس وجہ سے نکال دیا گیا ہے کہ وہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہتے ہیں - پس اگر خداوند عالم انکے ظلم و تشدد کو دوسرے انسانوں کے ہاتھ سے رفع نکرائے تو بیشک زہاد و عباد کی خانقاہیں اور گرجا گھر اور مسجدیں اور معابد یہود جہاں کہ ہمیشہ خدا کا نام لیا جاتا ہے بالکل ڈھا دئیے جائینگے"

چونکہ مندرجہ بالا شہادتوں میں ایک مذہب علی الکنٹ کا ذکر آیا ہے جسکے حکم سے عقیدہ مسلمہ فرقہ رومن کیتھلک کے مخالفوں کو نہایت سخت سزائیں دیجاتی تھیں اسلیے اسکا مفصل حال لکھنا مناسب معلوم ہوا - چنانچہ ہم اسکو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا سے نقل کرتے ہیں - اور وہ یہ ہے -

"اس عدالت کا نام "انکویزیشن" تھا اور اسکا یہ کام تھا کہ جو لوگ مذہب عیسوی کی نسبت ملحدانہ اعتقاد رکھتے ہوں یا اس سے بالکل منحرف ہو گئے ہوں انکو تلاش کر کے پکڑے اور سزا دے - یہ ہولناک محکمہ جو اس غرض سے قائم کیا گیا تھا کہ معاملات مذہبی میں آزادانہ تحقیقات نہونے پائے اور مذہب بالکل یکساں طور کا رہے - پہلے پہل تیرہویں صدی میں قائم ہوا تھا جبکہ پوپ انوسینٹ سوم نے ایک کمیشن

اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ نادبون کے ملحدوں کو مجرم قرار دیکر اُنکو سزائیں دے۔

۱۲۰۳ع [بارہ سو تین] میں پوپ نے دو راہبوں کو جو صوبہ نادبون کی ایک خانقاہ سے متعلق تھے اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ "البجنس" لوگوں کے کفر و الحاد کے برخلاف وعظ کریں۔ اور چونکہ اُنکو اپنے کام میں خصوصاً صوبہ ٹولوس میں بہت کامیابی ہوئی اسلیئے پوپ کو یہ جرات ہوئی کہ وہ کاتھلک چرچ میں انکویزیٹر [یعنی حکام محکمہ انکویزیشن] مقرر کرے جنکو بشپ لوگوں سے کچھ تعلق ہو اور جو بطور وکلائے محکمہ مقدسہ پوپ کے کام کریں۔ اور اُنکو ملحدوں کے سزا دینے کا حق حاصل ہو۔ پوپ نے اپنا یہ مقصد پورا کرنے کی غرض سے فلیپ دوئم بادشاہ فرانس اور امرا اور روسائے فرانس کو بھی اس کام میں مدد دینے کے لیئے لکھا اور بطور انعام اُنکی کوشش اور سرگرمی کے اُنکو ہر قسم کے مستلذات نفسانی کے پورا کرنے کی اجازت دی ملک فرانس میں انکویزیشن ۱۲۰۸ع [بارہ سو آٹھ] سے برخلاف قوم البجنس اور اُنکے محافظ ریمنڈ ششم کونٹ آف ٹولوس کے شروع ہوا۔ اور ہر طرح کی مخالفت جلد مغلوب کی جاکر چرچ کو بہت جلد ایسی مقدرت حاصل ہو گئی کہ وہ اپنے مخالفوں سے جو اُسکے قابو میں آجائیں جسطرح چاہے سلوک کرے۔ چنانچہ اُن بدنصیب البجنسوں کی تعداد قرار دینا جو ۱۲۰۸ع [بارہ سو آٹھ] کے بعد آگ میں جلا جلا کر مارے گیئے کچھ آسان

کام نہیں ہے۔ اور ممکن نہیں ہے کہ جو شخص اُس زمانہ کی تاریخ کو پڑھے
اُسکے دل میں نہایت سخت طور کا ہول اور رحمدلی کا خیال پیدا نہو کیونکہ
اُن حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طور پر ہزارہا آدمی قسم قسم کی نہایت
بیرحمانہ تکلیفوں کے ساتھ ایک ایسے مذہب کی فتحمندی کے لیے قتل کیئے
گیے کہ جسمیں اُسکے آسمانی بانی نے فیاضی اور رحمدلی کی تلقین کی تھی
سنہ ۱۲۱۵ [بارہ سو پندرہ] میں پوپ اِنوسینٹ سویم نے دسویں
دفعہ ایک جنرل کونسل قایم کر کے انواع و اقسام کی نئی نئی سزائیں ملحدوں کے
لیے ایجاد کیں جنکی تفصیل نہایت طولانی ہے پوپ انوسینٹ کے بعد
پوپ ھونوریس سویم نے بھی جو اُسکا جانشین تھا اس طریقہ کو جاری
رکھا اور رفتہ رفتہ ایک ایسی جماعت واعظوں اور سزا دینے والونکی قایم
ہو گئی جنہوں نے اپنا نام "معاونین و مددگاران عدالت مقدمہ تحقیقات
مذہبی" رکھا۔

سنہ ۱۲۲۴ [بارہ سو چوبیس] میں انکویزیشن اٹلی میں بھی قایم ہو گیا
اور جب باوجود اُن تشددات کے اَلبِجنس لوگوں نے اپنے عقائد کو
نہ چھوڑا بلکہ اُنکو خاص شہر رُوم میں بھی پھیلا دیا تو پوپ نے برہم ہو کر پہلے
سے بھی زیادہ سخت سزائیں دیئے جانیکا حکم دیا مثلاً زندہ جلا دیا
جانا یا اگر بشپ لوگ ملحدین پر رحم کا اظہار کرنا چاہیں تو بجائے اُسکے صرف
زباں کا کاٹ ڈالنا۔ تاکہ وہ آیندہ خدا کی نسبت کوئی کلمہ کفر نہ کہہ سکیں فقط
اور اٹلی کے بعد انکوزیشن اسپین میں قایم ہوا۔ اور اُس سرزمین میں یہ

یہ ویا خوب ہی پہولا پہلا - اور بادشاہ فر دیننڈ اور ملکہ اسابیلا کے
زمانہ مین تو انکوئزیشن نہایت ہی عام ہوگیا ہے - اور بڑے زور کیساتھ
مدت ہاے مدید تک جاری رہکر آخر کار اٹھارہ سو آٹھہ سنہ ۱۸۰۸ع میں
موقوف ہوا - اس ملک میں ایک عمدہ گرانڈ انکوئزیٹر جنرل کا
اور اُسکے بعد ایک کونسل آف سپریم" قائم کی گئی - جسکی شاخیں تمام اضلاع
اسپین مین پہیلی ہوئی تھیں - جنکا کام قوانین بنانا اور اس محکمہ کے استحکام
اور اوسکی کارروائی کے یکسان جاری رہنے کی نگرانی کرنا تھا - یہانتک
کہ رفتہ رفتہ یہ محکمہ ایذا رسانی اور تکلیف دہی کی ایک ایسی مکمل کل بنگیا کہ
جسکا نمونہ تاریخ عالم میں اُس سے پہلے کہیں نظر نہیں آتا - ایک مجموعہ ہدایات
بمقام سیویل چھپایا جاکر مشتہر ہوا جسکی اٹھائیس ۲۸ دفعات تھیں جنکی تفصیل
نہایت طولانی ہے - مثلاً چھٹی دفعہ میں یہہ درج تھا کہ "جو شخص اپنے
گناہ سے توبہ کرے اور بخشدیا جاوے پھر بھی اوسکو بطور بقیہ اُس سزا کے
جو اوسکے لئے تجویز کی تھی یہہ سزا دیجاوے کہ وہ کسی قسم کے باعزت پیشہ
کے اختیار کرنے اور سونا چاندی - موتی ریشم اور عمدہ ململ کے استعمال
سے محروم کیا جاوے" پھر بیسویں دفعہ میں لکھا تھا کہ "اگر کسی شخص کے
مرنیکے بعد اُسکی کتابوں یا زندگی کے اطوار سے یہ ثابت ہو کہ وہ ملحد
تھا تو اُسپر کفر والحاد کا فتوی لگایا جاکر اوسکی لاش قبر میں سے نکلوا کر پھینکدیجاوے
اور اُسکا کل مال و اسباب ضبط کیا جاکر اُسکے وارثوں کو کچھہ نہ دیا جاوے"
پھر بائیسویں دفعہ میں یہ حکم تھا کہ "جو شخص کفر کا فتوی پاکر سزایاب ہوا ہو

اور اوسکی اولاد کم عمر ہو تو اُسکے ضبط شدہ مال کا ایک تھوڑا سا حصہ خیرات کے نام سے انکو دیا جاسے اور وہ تعلیم مذہب عیسوی کے لئے کسی مناسب شخص کے سپرد کئے جائیں۔

جو الزامات محکمۂ مقدسہ انکویزیشن کے نزدیک قابل مواخذہ تھے وہ یہہ ہیں (۱) ہر قسم کا کفر و الحاد مذہب عیسوی میں (۲) یہودیت (۳) اسلام (۴) جرائم خلاف فطرت اور تعدد ازدواج۔

المختصر یہ عدالت مقدسہ ایسی غالب اور ایسی ہولناک نکلی کہ ماں باپ اپنے بچوں اور خاوند اپنی جوروؤں اور مالک اپنے نوکروں کو بغیر زبان ہلائے چپ چاپ اسکے حوالہ کر دیتے تھے۔ بلکہ اسکی قوت زیادہ تر وہ خوف ہی تھا جو اسنے لوگوں کے دلونمیں پیدا کر دیا تھا۔ اور خلایق کے دلوں میں اسکی ہیبت ایسی عام ہو گئی تھی کہ رئیسوں اور بادشاہوں تک اُسکے نام سے کانپتے تھے۔ جسقدر انسانوں کی جانیں اس بیرحمانہ "عدالت مذہبی" نے تلف کرائیں اُنکی تعداد ٹھیک ٹھیک بیان کرنی آسان نہیں ہے۔ چنانچہ صرف اسپین ہی میں بقول سیر کارنیٹی تین لاکھ چالیس ہزار آدمی اس محکمہ سے مستوجب سزا قرار دیئے جا کر کسی نہ کسی طرح کی تکلیف سے برباد کئے گئے۔ جن میں سے تقریباً بتیس ہزار آدمی تو زندہ آگ میں جلا کر مارے گئے۔ اور اگر اس تعداد میں وہ تمام بدنصیب لوگ شامل کر دیئے جائیں جو عدالتہاے مقامات میکسیکو۔ لیما۔ کارتھیجینا سسلی۔ سارڈینیا۔ اورن۔ مالٹا۔ نیپلس۔ میلان اور فلینڈرس

سے جبکہ اِن ملکوں میں اسپین کی حکومت تھی سزایاب ہوئے تھے تو غالباً یہہ ثابت ہوگا کہ نصف ملین سے زیادہ بدنصیب آدمی اِس سنگدل مقدس محکمہ سے طرح طرح کی سزائیں پاکر دنیا سے گئے"

"مسلمانوں کی سلطنت اسپین میں تقریباً آٹھ سو برس تک رہی اور فرڈیننڈ کے زمانہ حکومت سے لیکر فلیپ سویم تک تین ۳ لاکھ سے زیادہ مسلمان لوگوں نے ظلم وستم سے تنگ آکر اسپین سے ہجرت کی" *

یہ کیفیت اور حالت تو رومن کاتھلک فرقہ کے عیسائیوں کے ظلم وجور اور تعدی وتعصب اور سنگدلی کی تھی۔ جو مذہب کے معاملہ میں صدیوں تک انہوں نے ظاہر کی۔ لیکن پراٹسٹنٹ فرقہ نے جب فروغ پایا تب بھی علماے مسیحی کی مذہبی تعدی میں کچھ فرق نہ آیا چنانچہ ہالم صاحب اپنی تاریخ آئین سلطنتِ انگلستان کی جلد اول کے باب دویم میں لکھتے ہیں کہ "اِس دینِ مہذب کے مختلف شعبوں اور فرقوں سے سب سے بڑا گناہ جو سرزد ہوا ہے وہ یہہ ہے کہ بندگانِ خدا پر دین میں زور روز بروستی کرتے ہیں اور یہہ گناہ ایسا ہے کہ ہر ایک ایماندار آدمی جتنی زیادہ کتابوں کی سیر کرتا جاتا ہے اُتنی ہی اُسکو اُن سے کدورت اور نفرت ہوتی جاتی ہے"

* یہ فقرہ انسائکلوپیڈیا کی بیسوین جلد صفحہ ۴۲۶ سے لیا گیا ہے اور اوپر کے کل مضمون سے جو بارہویں جلد سے نقل کیا گیا ہے۔ جدا ہے۔ مولف عفی عنہ

میرے محترم دوست مولوی سید امیر علی صاحب
سلمہ اللہ تعالیٰ لیکی صاحب کی تاریخ مذہب معقول پسندی کی جلد دوم صفحہ
۴۹ کی سند سے لکھتے ہیں کہ "جب کالون نے سرویس کو صرف اسوجہ سے
زندہ جلادیا کہ اُسکے اعتقادات تثلیث کے باب میں جمہور علما کے برخلاف
تھے تو سب پراٹسٹنٹ فرقوں نے کالون کے اس فعل کی بڑی
تعریف کی اور ملا نکتن اور بلنجر اور فارل نے اس گناہ کی تعریف میں نامے
لکھے اور بیزا نے جو ایک بڑا عالم تھا اس فعل کی تعریف میں ایک بڑا رسالہ
تصنیف کیا" وہ یہہ بھی لکھتے ہیں کہ "وہ ہر ایک صاف دل آدمی کو ان قوانین
انگلستان کے دیکھنے سے کیسا صدمہ روحانی ہوتا ہے جن میں رومن کیتھولک
اور ڈسنٹر اور ین کن فارمسٹ اور اور فرقوں کے لئے صرف اختلاف
مذہب کی وجہ سے کیسی کیسی شدید سزائیں لکھی ہیں کہ العظمۃ للہ۔
اب امید ہے کہ مندرجہ بالا شہادتوں اور اِن تاریخی واقعات کو پڑھکر
انصاف دوست ناظرین خود فیصلہ کرلینگے کہ سر ولیم میور اور اُن کے
ہمخیال لوگوں کے اس قول میں کتنی سچائی ہے کہ "دین اسلام کا وجود اور بقا
اسپر موقوف تھا کہ اور ملکوں پر ہمیشہ تعدی اور دست درازی کیجاے۔ اور
اس دین کا تمام عالم میں شایع ہونا اور اس سلطنت کا ساری دنیا میں قایم
ہونا اسپر منحصر تھا کہ یہہ دین بزور شمشیر قبول کرایا جاے" اور یہہ کہ "دین اسلام نے
مذہبی آزادی یعنی یہ بات کہ لوگ جونسا مذہب چاہیں اختیار کریں اور اسکے
لوازم مذہبی آزادی سے ادا کریں بالکل روک دی ہے بلکہ معدوم

کردی گئی ہے۔ تحمل کا تو نام و نشان بھی نہیں دکھائی دیتا" سبحان اللہ مومن خان دہلوی گویا اسی موقع کے لئے کہہ گیا تھا ؎

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا ۔۔۔ میں الزام اسکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اب ہم چند پیشین گوئیاں نقل کرتے ہیں جو قرآن مجید میں بڑی صراحت کے ساتھ فرمائی گئی ہیں جنسے ثابت ہوگا کہ وہ انسان کا نہیں بلکہ بے شبہ اوسی کا کلام ہے جسکے نزدیک عالم غیب و شہادۃ دونوں یکساں ہیں۔ کیونکہ کسی شخص کو خواہ وہ پیغمبر اور نبی ہی کیوں نہو یہ قدرت حاصل نہیں ہو کہ خدا کے بتائے بغیر امور غیب سے واقف ہو جائے۔ اور کوئی ایسی بات بیان کرے جسکا اسوقت وجود نہو۔ اور پھر وہ بات اسی طرح پر واقع ہو جس طرح پر کہ اُسنے اُسکے واقع ہونے کی خبر دی ہو جو اوسکی سچائی اور منجانب اللہ ہونے کی معیار ہے۔ چنانچہ توریت اور اور صحف مقدسہ میں جو بعض پیشین گوئیاں بیان ہوئی ہیں وہ اسیواسطے وحی و الہام کے رو سے سمجھی جاتی ہیں کہ اپنے اپنے وقت پر ٹھیک ٹھیک وقوع میں آئیں۔ مثلاً وہ پیشین گوئی جو خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو جبکہ وہ کنعان میں پہنچے بطور وعدہ کے فرمایا کہ "یہ زمین تیری اولاد کو دونگا" (توریت کتاب اول باب ۱۲۔ آیت ۷) اور جبکہ حضرت لوط اُن سے جدا ہو گئے تو پھر خدا نے اسنے کہا کہ "آنکھیں کھول اور چاروں طرف دیکھ کہ یہہ تمام زمین جو تو دیکھتا ہے تیری اولاد کو دونگا۔ اور تیری اولاد کو زمین کی

ریت کے مانند کرونگا۔ جو کوئی ریت کے ذرونکو گن سکے تو تیری اولاد کو بھی گن سکیگا" (کتاب ایضاً باب ۱۳ آیت ۱۴-۱۵-۱۶) پھر ایک دفعہ خدا نے اُنسے وعدہ کیا کہ "وہ تیری اولاد اتنی ہوگی جتنے آسمان کے ستارے جنکو کوئی گن نہیں سکتا" (کتاب ایضاً باب ۱۵۔ آیت ۵) پھر خدا نے اُنسے ایک اور پکا وعدہ کیا کہ "یہ زمین مصر کے دریا سے فرات کے دریا تک تیری اولاد کو دونگا" (کتاب ایضاً باب ۱۵۔ آیت ۱۸) اور جبکہ وہ بوڑھے ننانوین برس کی ہوگئے تھے تو پھر خدا نے اُنسے وعدہ کیا کہ "وہ تجھ میں اور مجھ میں یہ وعدہ ہوتا ہے کہ تجھکو زیادہ سے زیادہ کرونگا۔ تو بہت سی قوموںکا باپ ہوگا۔ تجھسے قومیں پیدا ہونگی۔ تجھسے بادشاہ نکلینگے۔ اور تیری اولاد سے بھی یہ ہمیشہ کا عہد ہوگا اور کنعان کی زمین بوراثت دائمی تجھکو دونگا" (کتاب ایضاً باب ۱۷ آیت ۳-۴-۵-۶-۷-۸) علیٰ ہذا القیاس وہ وعدے جو خدا نے حضرت اِسحاقؑ و یعقوبؑ سے کئے۔ چنانچہ جب یعقوبؑ بیر شبع سے حاران کی جانب روانہ ہوئے اور ایک مقام پر پتھر سرہانے رکھکر سورہے تو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سیڑہی زمین سے آسمان تک لگی ہوئی ہے۔ اور خدا کے فرشتے اُسپر اُترتے چڑھتے ہیں۔ اُسپر خدا نے کھڑے ہوکر کہا کہ "میں تیرے باپ ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کا خدا ہوں۔ یہ زمین جسپر تو سوتا ہے تجھکو اور تیری اولاد کو دیتا ہوں۔ تیری اولاد زمین کی ریت کے برابر ہوگی۔ اور چاروں طرف پھیل جائیگی" (کتاب ایضاً باب ۲۸ آیت ۱۲-۱۳-۱۴) زبور سے ثابت ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ

سے جو عہد کیا تھا وہی بعد کو بھی قایم رہا اور وہ صرف کنعان کی زمین دینے
کا عہد تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "وہ عہد جو مینے ابراہیمؑ سے کیا اور اسحاقؑ
سے اوسکی قسم کھائی۔ اور یعقوبؑ سے بمنزلہ قانون کے مقرر کیا اور اسرائیل
سے عہد دائمی کیا اور کہا کہ زمین کنعان تجھکو دیتا ہون تاکہ تیری میراث کا حصہ ہو"
(زبور باب ۱۰۵ آیت ۹۔۱۰۔۱۱) اور اس وعدہ کا پورا کرنا خدا نے یون بتلایا کہ
جب حضرت موسیٰ مواب کے جنگل میں پشو پہاڑ پر چڑھے جو یریحو
کے سامنے ہے تو خدا نے اُنسے فرمایا کہ "یہہ وہ زمین ہے جسکی نسبت
مینے ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ سے قسمیہ وعدہ کیا تھا کہ تمہاری اولاد
کو دونگا۔ پس یہہ زمین میں تجھکو آنکھوں سے دکھلا دیتا ہوں مگر تو وہان
نہیں جائیگا" (توریت کتاب ۵ باب ۳۴ آیت ۴)

خدا نے جو وعدہ حضرت ابراہیمؑ سے کیا۔ اگرچہ حضرت اسحاقؑ
و اسمٰعیلؑ دونوں اُسمیں داخل تھے۔ مگر خدا نے حضرت اسماعیل کے
حق میں کمال فضل و مہربانی سے ایک علحدہ وعدہ بھی فرمایا کہ "مینے تیری
دعا اسماعیلؑ کے حق میں قبول کی۔ ہان مینے اُسے برکت دی اور اُسے
بارآور کیا۔ اور اُسے بہت کچھ فضیلت دی۔ اُس سے بارہ امام پیدا ہونگے
اور اُسکو بڑی قوم کرونگا" (توریت کتاب اول باب ۱۷۔ آیت ۲۰)

اب دیکھو کہ یہہ وعدے جنکا انکشاف اِن انبیا علیہم السلام پر وحی کے
ذریعہ سے ہوا تھا اپنے اپنے وقت پر سب پورے ہوئے اور جس
طرح حضرت اسحاقؑ کے حق میں اس وعدہ کا ایفا جسمانی اور روحانی

دونوں طرح پر ہوا یعنی اُنکی نسل میں بادشاہ بھی ہوے اور انبیا و اولیا اور
شہدا و علما بھی جنکی حد و شمار نہیں ہے۔ اور زمین موعود پر اونکا قبضہ ہوا
اُسی طرح بلکہ اُس سے بڑھکر وہ وعدہ بھی پورا ہوا جو حضرت اسمٰعیلؑ کے
باب میں ہوا تھا۔ چنانچہ جسمانی طور پر تو اسطرح کہ حضرت یعقوبؑ بن
اسحاقؑ کی مانند انکو بھی خدا نے بارہ[۱۲] بیٹے دیئے جن سے بارہ[۱۲] قومیں پیدا
ہوئیں اور رفتہ رفتہ تمام ملکِ عرب اِس سرے سے اُس سرے
تک اُنسے بھر گیا۔ اور روحانی طور پر اسطرح کہ اُنکے دوسرے بیٹے "قیدار"
کی نسل میں وہ فخر اولین و آخرین پیدا ہوا۔ جسکا نام مبارک "محمد" اور لقب
شریف "احمد" ہے جو نام اور لقب دونوں کے اعتبار سے محمود و
ممدوح ہے ؎ دل و جانم فدایت یا محمدؐ۔ سر من خاک پایت یا محمدؐ
اور جو سرخیل انبیا بھی ہوا اور موسیٰؑ اور سلیمانؑ کی طرح بادشاہ بھی
اور اس طرح پر وہ پیشین گوئیاں پوری ہوئیں جو حضرت موسیٰؑ اور
حضرت حبقوق نبی نے فرمائی تھیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ فرماتے ہیں
کہ "اور کہا خدا سینا سے نکلا۔ اور سعیر سے چمکا۔ اور فاران* کے
پہاڑ سے ظاہر ہوا۔ اُسکے داہنے ہاتھ میں شریعت روشن۔ ساتھ لشکر
ملائکہ کے آیا" (توریت کتاب ۵ باب ۳۳ آیت ۲) اور حضرت حبقوقؑ فرماتے
ہین کہ "آئیگا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے۔ آسمانون

* اس امر کی تحقیق کہ فاران مکہ معظمہ کے پہاڑون کا قدیم نام ہے کتاب خطبات احمدیہ
کے پہلے اور دسوین خطبہ مین دیکھو۔ مؤلف عفی عنہ۔

کو جمال سے چھپا دیا۔ اُسکی ستایش سے زمین بھر گئی (کتاب حبقوق نبی باب ۳۔ آیت ۳) اور عادت اللہ کے موافق اُس رسول اکرم۔ فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی پختہ وعدہ ہر طرح کی خیر و برکت کا ہوا۔ چنانچہ خدا نے فرمایا "اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ + فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (قرآن مجید۔ سورۂ کوثر) یعنی بیشک عطا کی ہے تجکو "کوثر" یعنی دنیا و آخرت میں ہر قسم کی خیر و برکت اور کثرت وحدت۔ پس شکر بجا لا اپنے پروردگار کا اور (مشرکوں کے برخلاف اُسکے نام پر) قربانی کر۔ بیشک تیرا دشمن ہی "ابتر" (یعنی مقطوع النسل اور ہر ایک طرح کی خیر و برکت سے محروم) ہے"

یہ وعدہ خدا تعالیٰ نے اُس زمانہ میں آنحضرتؐ سے فرمایا تھا جبکہ آپ مکہ میں تھے۔ اور تمام قوم آپکی سخت دشمن اور جان کی لاگو ہو رہی تھی اور آپ بے یار و مددگار اور ہر طرح سے مجبور و ناچار تھے۔ اور آپ کے چھوٹے چھوٹے صاحبزادے یکے بعد دیگرے قضا کر چکے تھے اور دشمنوں نے حقارتاً آپکا نام "ابتر" رکھ چھوڑا تھا۔ اور بظاہر کسی طرح کی امید اِس عظیم الشان اور خلاف توقع وعدہ کے پورا ہونے اور ظہور میں آنیکی نہ تھی۔ اب دیکھو کہ یہ وعدہ بھی اُسی طرح پورا ہوا جس طرح مذکورہ بالا وعدے پورے ہوئے تھے۔ چنانچہ روحانی طور پر تو اس طرح کہ خاص آپ کے خاندان میں اور آپ کی نسل میں آئمہ اثنا عشر علیہم السلام پیدا ہوئے جو سرخیل اوصیا و نائب برحق اور مظہر اتم آپکے کمالاتِ روحانی و باطنی کے ہیں۔

اور جنکے حق میں وحی کے رو سے آپ نے فرمایا "الا ان مثل اھل بیتی فیکم کسفینۃ نوح من رکبھا نجی ومن تخلف عنھا ھلک (رواہ احمد)

یعنی آگاہ ہو کہ بیشک مثال میرے اہل بیت کی تم میں نوح کی کشتی کی سی ہے جو اُسمیں چڑھ گیا بچگیا اور جو اُس سے ہٹ رہا ڈوب گیا۔ اور جن کی اطاعت و اتباع کی ہدایت یہ کہکر فرمائی "الا ایھا الناس انما انا بشر یوشک ان یاتینی رسول ربی فاجیب۔ وانا تارک فیکم الثقلین اولھما کتاب اللہ فیہ الھدی والنور فخذوا بکتاب اللہ واستمسکوا بہ۔ واھل بیتی۔ اذکرکم اللہ فی اھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی (رواہ مسلم) یعنی حجۃ الوداع کے بعد مدینہ کو واپس جاتے ہوئے بمقام غدیر خم آنحضرت نے لوگوں کو مخاطب کر کر فرمایا کہ "آگاہ ہو کہ میں صرف ایک آدمی ہوں قریب ہے کہ میرا پروردگار مجکو بلاے اور میں جاؤں۔ اور میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑنے والا ہوں جنمیں سے پہلی چیز خدا کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ پس جو اُسمیں ہے اُسکو لو اور مضبوطی سے اُسپر عمل کرتے رہو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں جنکے لیے میں تمسے خدا کو ضامن لیتا ہوں" اور مکرر فرمایا کہ وہ اپنے اہل بیت کے باب میں تم سے خدا کی ضمانت چاہتا ہوں" اور ترمذی نے جابر کی سند پر روایت کی ہے کہ وہ اُنہوں نے کہا کہ مینے ایام حج میں عرفہ کے روز آنحضرت کو دیکھا کہ قصویٰ نامی اونٹنی پر سوار ہیں اور خطبہ

پڑھتے ہیں۔ پس میں نے آپکو یہ فرماتے سنا "یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّی تَرَکْتُ
فِیکُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوْا۔ کِتَابُ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلُ بَیْتِیْ
یعنی اے لوگو میں نے تم میں چھوڑی ایسی چیز کہ اگر تم اُسکو پکڑے رہو گے
(یعنی اُسکا اتباع کرو گے) کبھی گمراہ نہو گے۔ کتاب اللہ اور میرے
اہل بیت" اور اسی جلیل الشان محدث نے زیدؓ بن ارقم کی سند پر
روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ "فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ
وسلم نے "اِنِّیْ تَارِكٌ فِیكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ
اَحَدُهُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْآخَرِ۔ کِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی
الْاَرْضِ۔ وَعِتْرَتِیْ اَهْلُ بَیْتِیْ وَلَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ
فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَخْلُفُوْنِیْ فِیْهِمَا" یعنی۔ میں چھوڑتا ہوں تم میں ایک
ایسی چیز کہ اگر تم اُسکو مضبوط پکڑے رہو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہو گے
جو ایک دوسری چیز سے بزرگ تر ہے۔ یعنی کتاب اللہ جو گویا ایک
رسی ہے آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی۔ اور میرے اہل بیت
اور یہ دونوں ہرگز جدا نہیں ہونگے یہانتک کہ میرے پاس حوض کوثر پر
پہنچ جائیں۔ پس سوچو کہ میرے بعد ان دونوں سے کس طرح پیش آؤ گے
جن بزرگواروں کے وجود ذیجود سے اُس بشارت کی تکمیل ہوئی جو خدا تعالےٰ
نے حضرت اسماعیلؑ کے حق میں فرمائی تھی کہ "اونکی نسل میں بارہ[۱۲]
امام پیدا کرونگا" اور ان کے سوا آپ کی امت میں سب سے انتہا اولیا
وشہدا اور علما پیدا ہوئے۔ جنکے نام ستاروں کی طرح روشن ہیں۔ اور وہ

شریعتِ روشن جسکی خبر موسیٰؑ نے دی تھی شرق سے غرب تک اور
جنوب سے شمال تک تھوڑے ہی عرصہ میں پھیل گئی۔ اور ابتک بھی
پھیلتی جاتی اور ظلمت کو نور سے بدلتی جاتی ہے جیساکہ ہم اپنی اِس کتاب
میں ایک مقام پر مشرح بیان کر آئے ہیں۔ اور جیساکہ حضرت حبقوقؑ نے
فرمایا تھا تمام زمین آپکی ستایش سے بھر گئی اور تمام جہان آپ کے نام نامی سے
واقف ہوگیا۔ فَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ۔

اور جسمانی طور پر اِس طرح کہ آپکی لختِ جگر صدیقہ کبریٰ فَاطِمَۃُ
الزَّھْرَا سَلَامُ اللّٰہِ عَلَیْھَا کے بطن شریف سے حَسَنَیْنِ عَلَیْھِمَا السَّلَامُ
پیدا ہوئے اور اُسی طرح آپکے فرزند کہلائے جس طرح کہ حضرتِ ابن مریمؑ
ماں کی وجہ سے حضرتِ داودؑ کے فرزند کہلائے۔ اور اُن کی نسل پاک
سے لاکھوں سادات دُنیا میں موجود ہوگئے۔ جنکا "لَحْمُکَ لَحْمِیْ وَدَمُکَ
دَمِیْ" موروثی خطاب ہے۔ اور باوجود اُس کاٹ چھانٹ کے
جو بَنِیْ اُمَیَّۃ اور بَنِیْ عَبَّاس نے اپنے اپنے زمانہ میں برابر جاری
رکھی وہ شجرۂ طیبہ بڑھتا ہی گیا۔ اور آخر کار اسکا مصداق بنگیا کہ "اَصْلُھَا
ثَابِتٌ وَفَرْعُھَا فِی السَّمَاءِ" یعنی۔ ایک ایسا درخت کہ جسنے مضبوط جڑ پکڑی
ہو اور اوسکی شاخیں ایسی اونچی ہوں کہ گویا آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔
اور جن لوگوں نے اُسکو اُکھاڑنا چاہا اُنھیں کی جڑیں اُکھڑ گئیں وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ
اِسکے علاوہ مسلمانوں میں ایسے بڑے بڑے خلیفے اور بادشاہ
خدا نے پیدا کئے کہ جنکی سلطنت و شوکت سُلیمانؑ کی سلطنت و شوکت

سے کچھ کم نہ تھی اور اُنھوں سے نے کنعان اور زمین موعود پر بھی قبضہ کیا جو
غیر خدا پرستوں کے ہاتھ میں چلی گئی تھی - اور اُس ورثہ کو ابراھیمؑ کی نسل
میں پھر سے لے آئے - اور جبتک خدا کی مرضی ہے وہ ابراھیمؑ کا ورثہ
اُنکے حصہ میں رہیگا - اگرچہ حقیقی قیام و بقا صرف خدا کی ذات کو ہے
اور اِس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید بیشک اُسی کا کلام ہے جو
عالم الغیب اور اپنے ہر قسم کے وعدوں کے پورا کرنے پر قادر ہے
دوسری پیشین گوئی اُس امام مظلوم کی شہادت کی خبر ہے جس کو
خود اُسکے نانا رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کی اُمت
کے بعض بدبخت لوگوں نے تین۳ دن کا بھوکا پیاسا مع دوستوں اور
عزیزوں اور بھائیوں اور بھتیجوں کے حق بات کے کہنے اور کرنے اور
ناحق بات کے نہ ماننے پر شہید کیا - یہانتک کہ چھ۶ مہینے کے شیرخوار بچہ
تک کو زندہ نچھوڑا اور عین سجدہ کی حالت میں اُسکا سر مبارک
کاٹ لیا اور اُس کے اور تمام شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر چڑہایا - اور
لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا - مال و اسباب لوٹ لیا! اور
خیموں کو جلا دیا - اور اُسکے حرم محترم کو قید کر کے بے مقنع و چادر
ننگی پیٹھ کے اونٹوں پر بٹھا کر جن کی مہار اُسکا بیمار و ناتوان فرزند (جو صرف
ایک وہی زندہ باقی رہگیا تھا) گلے میں طوق اور پانوں میں بیڑیاں پہنے ہوئے
کھینچتا تھا! کربلا سے کوفہ و دمشق کو لے گئے - اور اُس کی
اور اُسکے دوستوں اور عزیزوں کی لاشیں خاک و خون میں غلطاں کربلا کی

جلتی بلتی زمین پر کئی دن تک بے گور و کفن پڑی رہیں۔ جنکا بجز دن کی دھوپ اور رات کی شبنم کے کوئی بھی خبر گیراں نہوا۔ جو ایک ایسا درد انگیز وحسرت خیز عظیم واقعہ ہے کہ جسکی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ہے قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کہ ابرٰاھیمؑ نے اپنے بیٹے کو جو اس عمر کو پہنچ گیا تھا کہ اُن کے ساتھ دوڑ کر چل پھر سکے کہا کہ ﴿يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝ وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ﴾ (سورہ صافات)

یعنی اے فرزند میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجکو (قربانی کے لئے) ذبح کرتا ہوں۔ پس تو سوچ کہ تیرا دل کیا کہتا ہے؟ بولا ابا جان جو کچھ آپکو حکم دیا جاتا ہے وہ کیجئے۔ آپ دیکھ لینگے کہ انشاء اللہ میں اُسکو برداشت کرونگا۔ پس جب دونوں راضی بقضا ہو گئے۔ اور ابرٰاھیمؑ نے اُسکو ذبح کرنے کو ماتھے کے بل لٹالیا۔ تو ہمنے یہہ کہکر اُسکو پکارا کہ (بس) اے ابرٰاھیمؑ تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ بیشک ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں سچے دل سے نیکی کرنے والوں کو بے شبہہ یہہ تو بہت ہی سخت امتحان ہے اور ہم نے اُس لڑکے کو ایک بڑی قربانی کے بدلے بچالیا اور اُسکا ذکر خیر پیچھے آنے والوں میں چھوڑا''

اس آیۂ کریمہ میں جو "عظیم" کا لفظ "ذبح" یعنی ذبیح کی صفت میں وارد ہوا ہے۔ مفسرین نے اوسکی نسبت طرح طرح کی توجیہیں کی ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ ابراہیم نے اُس لڑکے کے عوض جو مینڈھا قربانی کیا تھا بڑا اور موٹا تازہ ہونے کی وجہ سے اُسکو عظیم کہا گیا کسیکا قول ہے کہ اس سبب سے عظیم کہا گیا کہ اُسنے خریف کی چالیس فصلیں بہشت میں چری تھیں۔ کسی نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ وہی مینڈھا تھا جسکو ہابیل بن آدم علیہ السلام نے پہلے پہل قربانی کیا تھا۔ اور جبریل اُسکو بہشت سے لے آئے تھے۔ کسی نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے بیٹے کا فدیہ ہونے کی وجہ سے "عظیم" کا اطلاق اُسپر ہوا۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ سب توجیہیں نہایت رکیک ہیں۔ کیونکہ ایک جانور خواہ وہ بہشت ہی کی گھانس سے کیوں نہ پلا ہو ایک انسان (پھر انسان بھی کیسا کہ نبی اور نبی زادہ) کا ہرگز بدلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ناقص چیز کامل شے کا عوض نہیں ہو سکتی۔ اور نہ قرآن مجید کی معجزانہ بلاغت کا یہ مقتضا ہے کہ ایک ناچیز جانور پر "عظیم" کا اطلاق اسمیں ہو۔ اور اسلئے ضرور ہے کہ ابراہیم کے بیٹے کا فدیہ کوئی ویسا ہی مقبول خدا اور عظیم المرتبہ ہو جیسا کہ وہ خود تھا۔ پس حق یہ ہے کہ وہ بڑی قربانی جسکے بدلے خدا نے ابراہیمؑ کے بیٹے کو بچا لیا وہ تھی جو سنہ ۶۱ ہجری کے ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو جمعہ کے روز دوپہر ڈھلنے کے بعد کربلا کے قیامت خیز میدان

میں اُسی طرح وقوع میں آئی جس طرح پر کہ ابراہیمؑ کے بیٹے کی قربانی وقوع میں آنے والی تھی۔ یعنی سجدہ کی حالت میں ٹھیک اُسی طرح پر اُسکو ذبح کیا گیا۔ جس طرح پر کہ ابراہیمؑ نے پیٹھ کی طرف سے بیٹے کو ذبح کرنا چاہا تھا ہاں اتنا فرق بیشک ہوا کہ ابراہیمؑ کا بیٹا کم سن لڑکا تھا اور باپ نے ہاتھ پانو باندھکر اُسکو ماتھے کے بل ذبح کرنے کو لٹایا تھا۔ مگر علیؑ کے بیٹے کی عمر چھپن سال سے تجاوز کر چکی تھی اور اُسنے اپنی مرضی اور اختیار سے سجدہ کے لئے اپنا ماتھا زمین پر رکھا تھا۔ ابراہیمؑ کا بیٹا تین دن کا بھوکا پیاسا نہ تھا۔ مگر علیؑ کے بیٹے کو تین دن سے پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہوا تھا۔ ابراہیمؑ نے ایک مینڈھے کو قربان کیا اور بیٹے کو بچا لیا مگر علیؑ کے بیٹے کے دوستوں اور عزیزوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بیٹوں اور بھانجوں غرض بہتر۷۲ سے زیادہ لوگوں نے اپنی جانیں قربان کر ڈالیں۔ مگر پھر بھی اُسکو نہ بچا سکے! ابراہیمؑ ہنستا اور خوش ہوتا ہوا بیٹے کو زندہ وسلامت اوسکی غمگین اور نراس ماں کے پاس لیگیا مگر علیؑ کے بیٹے کے سر کو دشمن اُسکی روتی پیٹتی سر برہنہ بہنوں اور بیٹوں کے ساتھ ایک شقی ترین خلایق کے خوش کرنے کو اُسکے تخت کے سامنے لے گئے!!! ابراہیمؑ کے بیٹے کی قربانی کا دن اُسکے جان سے بچ جانے کی خوشی منانے کے لئے عید قرار پایا۔ مگر علیؑ کے بیٹے کی قربانی کا دن رونے پیٹنے اور سوگ منانے کا دن مقرر ہوا۔

ہمارے اِس بیان کو پڑھکر ناظرین غالباً یہہ خیال کرینگے کہ یہ ایک

بالکل نئی بات ہے جسکو مفسرین میں سے کسی نے بھی بیان نہیں کیا +
مگر ہم کہتے ہیں کہ بیشک عامہ مفسرین نے اسکو بیان نہیں کیا۔ مگر قرآن
جنکے گھر میں اُترا ہے اور جنکو "اَحَدُ الثَّقَلَین" کہا گیا ہے اُنہوں نے
اِس آیہ شریفہ کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے اور یہ ہی حق ہے۔ اگرچہ یہ
امر مختلف فیہ ہے کہ وہ لڑکا جسکو حضرت اِبرٰاھیم نے قربانی کرنا
چاہا تھا حضرت اِسماعیل تھے یا حضرت اِسحٰاق۔ مگر اس سے اس
پیشین گوئی میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ پیشین گوئی کا مقصد
صرف اولاد ابراھیم میں سے ایک بڑے شخص کا فدیہ ہونا تھا
اِسماعیل یا اِسحٰاق کی نسل کی کچھ تخصیص نہ تھی۔ چنانچہ وہ مقصد پورا
ہوا اور حضرت اِسماعیلؑ کی نسل شریف میں سے حُسَین بن علیؑ
علیہما السلام شہادت عظمیٰ کے رتبۂ عالیہ پر فائز ہوئے۔ جسکا ذکر نہایت
حسرت اور افسوس کے ساتھ تقریبًا دنیا کے تمام حصّوں میں ہوتا ہے
اور ہوتا رہیگا۔ جو اُس وعدہ کی صداقت کی دلیل ہے جو خدا نے آپکے
حق میں فرمایا تھا کہ "وَتَرَکْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْن" اِسمیں شک نہیں
کہ حضرت اِبراھیمؑ کے اس غایت درجہ کے مخلصانہ وصابرانہ فعل کا
کہ خدا کے لئے اپنے لخت جگر کو دریغ نہ کیا ہمیشہ تعریف کے ساتھ ذکر

+ اہل سنت مفسرین نے تو نہیں مگر مُلّا معین الدین واعظ کاشفی نے اپنی کتاب
معارج النبوت میں حضرت امام ہمام جعفر الصادق علیہ السّلام کی سند پر
یہی لکھا ہے جو ہمنے بیان کیا ہے۔ مولف عفی عنہ

ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہیگا۔ لیکن اُس زور و شور و قیامت کی سی دہوم
دھام سے کے ساتھ نہیں ہوتا جیسا کہ علیؑ سے کے عظیم المرتبہ فرزند کی قربانی کا
ذکر خیر ہوتا ہے اور ہوتا رہیگا و ذالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤتِيهِ مَن يَشَاءُ۔

یہہ پیشین گوئی تو قرآنی تھی جو اپنے وقت پر ٹھیک ٹھیک پوری ہوئی
مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وحی سے کے ذریعہ سے اس ہولناک واقعہ
کی خبر دینا بھی اُس حد کو پہنچگیا ہے جسمیں کسی طرح شبہ نہیں ہو سکتا
چنانچہ مولانا شاہ عَبْدُ الْعَزِيْز دِهْلَوِی اپنی مستند کتاب سِرُّ الشَّهَادَتَيْن
میں لکھتے ہیں کہ "وَاَمَّا اِخْبَارُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بِهٰذِهِ
الْوَاقِعَةِ الْهَائِلَةِ مِنْ جِهَةِ الْوَحْيِ بِوَاسِطَةِ جِبْرِئِيْلَ وَغَيْرِهٖ مِنَ
الْمَلٰئِكَةِ فَمَشْهُوْرٌ مُتَوَاتِرٌ" یعنی۔ اور خبر دینا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم کا اس واقعہ ہولناک سے بواسطہ وحی لانے جبرئیل وغیرہ فرشتوں
سے کے سو مشہور اور متواتر ہے" چنانچہ اسکے ثبوت میں اُنہوں سے نے بہت
سی مستند اور صحیح حدیثیں نقل کی ہیں جن میں بہت تفصیل سے کے ساتھ اس
واقعہ سے کے ہونے کی خبر دیگئی ہے۔ پس بقول ہمارے مخدوم مولوی سید
امیر علی صاحب ایم اے بیرسٹرایٹ لا سی آئی ای سلمہ اللہ
تعالی سے کے "اگر معاصی عباد کا فدیہ اور تقرب خدا کا وسیلہ آدمی کو درکار ہے تو
جناب سید الشہدا حسینؑ بن علیؑ شہید دشت کربلا کی شہادت عظمی سے اس
مقصد کی تکمیل ہو گئی"

اللہ اکبر واقعہ کربلا بھی عجیب درد انگیز و حسرت خیز واقعہ ہے۔ اور جناب

سید الشہداء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صبر و استقلال اور شجاعت و شہادت
ایسے اعلیٰ درجہ کی ہے کہ جن لوگوں نے اُسکو مورخانہ نظر سے جانچا ہے
اور اِس واقعہ کی جزئیات پر غور کی ہے اُنہوں نے تسلیم کیا ہے کہ جناب
موصوف سے بڑھکر کوئی شجاع دنیا میں نہیں گزرا اور نہ کسی نے کسی ایک امر حق
کی تائید میں ایسے مصائب کی برداشت کی۔ چنانچہ جیمس کاکرن صاحب
آنجہانی اپنی بے نظیر تاریخ چین کی جلد دوئم میں (جو بغیر مدد کسی ہندوستانی
کے اردو زبان میں لکھی ہے) ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "دنیا میں رستم
کا نام بہادری میں مشہور ہے لیکن کئی شخص ایسے گزر گئے ہیں کہ اُنکے سامنے
رستم کا نام قابل لینے کے نہیں ہے۔ چنانچہ اول درجہ میں حسینؑ
ابن علیؑ کا درجہ بہادری میں ہے۔ کیونکہ میدان کربلا میں گرم ریت
پر تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا ایسا کام کیا ہو اُسکے سامنے
رستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے
کس کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسینؑ کا حال لکھے۔ کس کی زبان
میں یہ لطافت و بلاغت ہے کہ اُن بہتر بزرگواروں کی ثابت قدمی
اور تہور و شجاعت اور تیس ۳۰ ہزار سوار خونخوار شامی کے جواب دینے
اور ایک ایک کے ہلاک ہوجانے کے باب میں مدح جیسا کہ چاہیئے
کر سکے۔ کسکی نازک خیالی کی یہ رسائی ہے کہ اُن لوگوں کے
دلوں کے حال کو تصور کرے کہ کیا کیا اُنپر گزرا۔ اُسوقت سے
جبکہ عمر سعد نے دس ہزار سوار سے اُنکو گھیر لیا اُسوقت تک کہ جب

شمر ملعون نے سر کاٹ لیا - کیونکہ ایک کی دَوا دُو مشہور ہے اور
مبالغہ کی یہی حد ہے کہ جب کسی کے حال میں یہ کہا جاتا ہے کہ
دشمن نے چار طرف سے گھیر لیا - لیکن حسینؑ اور بہتّر تن کو آٹھ
قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا - اور اُس پر بھی قدم نہ ہٹا - چنانچہ
چار طرف سے تو دس ہزار فوج یزید کی تھی جنکے نیزوں اور تیروں
کی بوچھار مثل آندھی کے آتی تھی - اور پانچواں دشمن عرب کی دُھوپ
تھی جسکی مثال کسی سے زیر فلک نہیں ملتی اور یہی کہنا ہوتا ہے کہ عرب
کی دُھوپ کی مانند عرب ہی کی دھوپ ہے - اور چھٹا دشمن وہ
ریگ کا میدان تھا جو آفتاب کی تمازت میں شعلہ زن اور تنور کے خاکستر
سے زیادہ پرسوز تھا بلکہ اُسکو دریاے قہار کہنا چاہیے جسکے بُلبُلے
بنی فاطمہ کے پاؤں کے آبلے تھے - اور دو دشمن سب سے
ظالم بھوک اور پیاس مثل دغاباز ہمراہی کے جسکے برابر عدو نہیں سلتہ
تھے - اور تشنگی سے زبان پھول کر کے جب پھٹ جاتی تھی تب ہی
اُن دو کی خواہش اند کے تھمتی تھی - پس جنہوں نے ایسے معرکہ میں ہزارہا
کافروں کا مقابلہ کیا ہو اُن پر خاتمہ بہادری کا ہو چکا ،، [انتہٰے بلفظہ]

تیسری پیشین گوئی خود قرآن مجید کی کمی بیشی اور تحریف و
تصحیف سے محفوظ و مصئون رہنے کے باب میں ہے جیسا کہ فرمایا
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [سورہ حجر] یعنی بتحقیق
ہمنے اُتارا ہے قرآن کو اور بیشک ہم اُسکی حفاظت کے ذمہ دار ہیں "

کوئی کتاب کیوں نہو اور کیسی ہی احتیاط کیوں نہ کیجائے مگر نقل ہونے میں کسی طرح کی غلطی کا نہونا ایک غیر ممکن امر ہے ۔ یہانتک کہ مذہبی مقدس کتابیں بھی اس سے محفوظ نہیں رہیں اور نہ رہ سکتی ہیں ۔ چنانچہ عہد عتیق و جدید کی کتابوں کی نسبت ہارن صاحب اپنے انٹروڈکشن مطبوعہ لندن ۱۸۲۵ء کی جلد دویم کے صفحہ [۳۱۴] میں لکھتے ہیں کہ "عہد عتیق اور جدید کی کتابیں اور اور تمام قدیم تحریریں عموماً بذریعہ نقل کے ہر ایک کے پاس ہیں اور مروج ہوئی ہیں اسیلئے ممکن نہ تھا کہ اُنمیں غلطیاں داخل نہ ہوتیں ۔ اور جسقدر کثرت سے کتابیں بڑہیں اُسیقدر غلطیاں اُن میں پڑیں اور اختلافِ عبارت اُن میں پیدا ہوئے" پھر صفحہ ۳۱۷ میں لکھتے ہیں کہ "تمام نسخوں کو نقل کرایا گیا تھا یا ناقلوں نے خود ہی نقل کیا تھا ۔ اور چونکہ ناقل غلطی کے امکان پر خدا کی طرف سے حفاظت نہیں کئے گئے تھے اسلیئے جو غلطیاں واقع ہوئیں اُنکے ۴ چار سبب ہیں ۔

(۱) اول ۔ ناقلوں کی غفلت یا غلطیوں سے اختلاف کا ہونا اور یہ کئی طرح پر ہوتا ہے ۔

(۱) جبکہ ایک شخص منقول عنہ کو پڑھتا جاوے اور ایک یا بہت سے نقل کرنے والے اُسکو لکھتے جائیں ۔ اور جو شخص پڑھکر لکھواتا ہے وہ اچھی طرح نہ بتاوے ۔ بلکہ بے پروائی سے پڑہے اور ایسے الفاظ زبان سے نکالے جو اُس نسخہ میں نہوں جسکی وہ نقل لکھواتا ہے ۔ اور اسیطرح

مختلف الفاظ زبان سے بتاے۔ تواِس سبب سے ناقل سے
جواُسکے بتاے بموجب لکھتا ہے بالضرور نقل میں اختلاف
واقع ہونگے۔

(۲) عبری اور یونانی حرف آواز اور صورت میں مشابہ ہیں
اس سبب سے غافل اور بے علم نقل کرنے والا ایک لفظ یا
حرف کو بجاے دوسرے لفظ یا حرف کے لکھکر عبارت میں
اختلاف ڈالدیتا ہے۔

(۳) منقول عنہ جو لکیر کھینچکر لکھے گئے تھے نقل کرنے والا اُسکو
کسی حرف کا جزو سمجھ گیا۔ یا حرف کے کسی شوشہ کو غلطی سے
لکیر سمجھہ گیا۔ یا اُسنے اصلی لفظ کے صحیح معنی کو غلط سمجھکر اُسطرح پر لفظ
بدل دیا۔ یا جب وہ غلط لفظ لکھہ گیا اور اُسنے جان بھی لیا کہ مینے غلط
لکھا۔ مگر اِس خیال سے کہ نقل میں کٹ کُٹ ہوکر بدصورت ہوجائیگی
اُسکو صحیح نہ کیا۔ اور اپنی نقل کی خوبصورتی پر اُسکی صحت کو قربان
کردیا۔ اور اِس سبب سے نسخوں کی عبارتوں میں اختلاف
پڑگیا۔

(۴) نقل کرنے والا لکھتا کہیں تھا اور لکھہ گیا اور کہیں سے اور پھر
اُسکو خبر نہوئی۔ یا خبر ہوئی مگر اپنے لکھے کو مٹانا یا کاٹنا پسند نہ کیا
اور جہاں سے چھوٹا تھا وہیں سے پھر شروع کیا اور اِس طرح سے
ایک لفظ یا جملہ نامناسب طور سے داخل ہوگیا۔

(۵) نقل کرنے والے نے کوئی لفظ چھوڑ دیا اور جب اُسکو معلوم ہوا تو اُسنے اُس چھوٹے ہوئے لفظ کو اُس جگہہ پر لکھدیا جہاں اُسکو خبر ہوئی اور اس طرح پر لفظ اُلٹ پُلٹ ہو گیے یعنی کہیں کا کہیں لکھا گیا۔

(۶) عبری نسخوں میں اختلاف عبارت کا بڑا سبب یہ ہے کہ سطروں کا اندازہ برابر رکھنے کے لیے سطروں کے اخیر میں زیادہ لفظ بڑھا دیئے جاتے تھے۔ اور یونانی قلمی نسخوں میں اکثر الفاظ اور جملے اسلیے لکھنے سے رہگئے کہ ایک لفظ جو آچکا تھا تھوڑی دُور بعد پھر وہی لفظ آیا۔ اور نقل کرنے والے کی نگاہ پہلے لفظ پر سے چوک کر دوسرے لفظ پر جا پڑی اور وہاں سے لکھنے لگا اور اُن دونوں لفظوں کے درمیان میں جو کچھہ آیا لکھنے سے رہگیا

(۷) تمام قلمی نسخے بڑے حرفوں میں لکھے جاتے تھے۔ اور لفظوں بلکہ فقروں کے درمیان میں جگہہ نہ چھوڑتے تھے اس سبب سے کہیں لفظوں کے جزو لکھنے سے رہگئے۔ اور کہیں مکرر لکھے گیے۔ یا بے پروا اور جاہل نقل کرنے والے نے اختصار کے نشانوں کو جو قدیم قلمی نسخوں میں اکثر واقع ہوتے ہیں غلط سمجھا۔

(۸) بہت بڑا سبب اختلافِ عبارت کا نقل کرنے والوں کی جہالت یا غفلت ہے کہ اُنہوں نے حاشیہ پر جو شرح لکھی ہوئی تھی اُسکو متن کا جزو سمجھا۔ قدیم قلمی نسخوں کے حاشیہ میں مشکل مقامات

کی شرح لکھنے کا اکثر رواج تھا اور آسانی سے سمجھا جاتا تھا کہ یہ حاشیہ کی
شرح ہے پس اُن حاشیوں کی شرحوں میں سے تھوڑا یا سب اُن
نسخوں کے متن میں آسانی سے لگگیا ہو گا جو نسخے ایسے نسخوں سے
نقل ہوئے جنکے حاشیہ پر شرحیں لکھی ہوئی ہونگی۔

(۲) دویم۔ دوسرا سبب اختلاف عبارتوں کا اُس قلمی نسخہ
میں غلطیوں کا ہونا ہے۔ جس سے نقل لکھنے والے نے لی ہے
علاوہ اُن غلطیوں کے جو بعض حرفوں کے شوشے کم ہو جانے یا مٹ
جانے سے واقع ہوتی ہیں۔ چمڑے یا کاغذ کے مختلف حالات سے بھی
پیدا ہوتی ہیں۔ کاغذ یا چمڑا پتلا ہو جسمیں سے ایک ورق کا ایک طرف
کا لکھا ہوا دوسری طرف پھوٹ جاسے۔ اور دوسری طرف کے حرف
کا ایک جزو معلوم ہونے لگے اور اَور لفظ سمجھ میں آئے۔

(۳) سویم۔ اختلاف عبارتوں کا سبب یہ بھی ہے کہ نکتہ چین قیاس
سے اصلی متن کو ارادتاً بہتر اور درست کرنے کی مراد سے صحیح کیا گیا
ہے۔ جبکہ ہم ایک مشہور عالم کی تصنیف کی ہوئی کتاب پڑھتے ہیں۔ اگر
اُسکی کتاب میں کوئی صرف نحو یا قواعد مناظرہ کی غلطی پاتے ہیں
تب اُس غلطی کو زیادہ تر چھاپنے والے سے منسوب کرتے ہیں بہ نسبت
اِسکے کہ مصنف کی طرف نسبت کریں۔ اسی طرح ایک قلمی نسخہ کا نقل
کرنے والا جو اِس کتاب میں جس سے وہ نقل کرتا ہے غلطیاں پاسے
تو اُسکو ناقل اول کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور پھر اُن کو وہ اپنی

دانستہ میں اس طرح پر صحیح کرتا ہے کہ مصنف نے اُسکو یوں لکھا ہوگا
لیکن اگر وہ اپنے نکتہ چین قیاس کو بہت وسعت دیتا ہے تب وہ
خود اُس غلطی میں پڑتا ہے جسکے رفع کرنے کا اُسنے ارادہ کیا تھا۔ اور
اُسکا غلطی میں پڑنا کئی طرح پر ہو سکتا ہے۔

(۱) مثلاً نقل کرنے والا ایک لفظ کو جو حقیقت میں صحیح ہے
غلط سمجھے۔ یا جو مصنف کی مراد ہے اُسکو غلط سمجھے اور یہ جانے
کہ اُسنے صرف نحو کی غلطی پکڑی۔ حالانکہ وہ خود غلطی پر ہے یا یہ بات
ہو کہ وہ صرف نحو کی غلطی جسکے صحیح کرنے کا اُسنے ارادہ کیا ہو حقیقت
میں خود مصنف ہی نے کی ہو۔

(۲) بعض نکتہ چین ناقلوں نے نادرست کلاموں کو صرف صحیح
ہی نہیں کیا بلکہ عمدہ طرز کلاموں کو بجائے غیر عمدہ طرز کلاموں کے
بدل دیا اور اسی طرح اُنہوں نے اُن الفاظ کو جو اُنکو فضول معلوم ہوئے
یا جنکے فرق کو وہ نہ سمجھے لکھنے سے چھوڑ دیا۔

(۳) اختلاف عبارت کے سببوں میں سے بموجب قول میکلیس
صاحب کے بہت بڑا سبب جس سے عہد جدید میں
دروغ آمیز مقامات نہایت کثرت سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ ہے
کہ یکسان مقامات کو اس طرح تبدیل کیا گیا ہے جس سے اُنمیں ایک
دوسرے سے زیادہ کامل مطابقت کیجائے۔ اور خاصکر انجیلوں
کو اس طریقہ سے نقصان پہنچا۔ اور سینٹ پال کے ناموں کو اکثر مقامات

میں سے اسلیے اُلٹ پلٹ کیا گیا ہے کہ اُسکے عہدِ جدید کے
حوالوں کو اُن مقامات میں جہاں وہ سپٹوا جنٹ † ترجمہ کے بعینہ
الفاظ سے تفاوت رکھتے ہیں سپٹوا جنٹ ترجمہ سے مطابق کریں
(۳) بعض نکتہ چینیوں نے عہدِ جدید کے نسخوں میں اس طرح اختلاف
عبارت ڈالدیے کہ انکو ترجمہ ولگٹ کے مطابق تبدیل کر دیا۔
(۴) چہارم - ایک سبب اختلاف عبارت کا ایسی خرابیاں یا
تبدیلیاں ہیں جو کسی فریق کی مطلب برا ری کے لیے دانستہ کی گئی
ہوں - خواہ وہ فریق درست مذہب رکھتا ہو یا بدعتی ہو -
یہ بات تحقیق ہے کہ اُن لوگوں نے جو دیندار کہلاتے ہیں ارادتاً
بعض خرابیاں کیں - جو خرابیاں یا تبدیلیاں اس دوراندیشی سے کی گئی
تھیں کہ جو مسئلہ تسلیم کیا گیا ہے اُسکو تقویت ہو یا جو اعتراض اُس مسئلہ پر ہوتا ہو
وہ نہو سکے" (انتہیٰ قولہ)

ہمکو یہ بات تسلیم کرنی چاہیئے کہ قرآن مجید بھی اِس سے مستثنیٰ
نہیں کہ اُسکی نقل میں بھی غلطیوں کا ہونا ممکن ہے - مگر اُسمیں اور اَور کتابوں

---

† بطلمیوس فلاڈلفس ثانی بادشاہ اسکندریہ نے جو یونانی تھا بہتر یہودی عالموں سے کتب عہد عتیق کا ترجمہ اپنے مشہور کتب خانے کے لیے یونانی زبان میں کرایا تھا اسلیے اُسکو سپٹوا جنٹ یا الگزنڈرینی یعنی منسوب بہ الگزنڈریا کہتے تھے یا یہودیوں کی بڑی عدالت نے جو سینہڈرن کہلاتی تھی اور جسمیں بہتر ممبر ہوتے تھے اس ترجمہ کو منظور کیا تھا اور اسواسطے سپٹوا جنٹ کہلاتا تھا یہ ترجمہ دو سو چالیس یا دو سو چھیاسی برس قبل سنہ مسیحی کے کیا گیا تھا - مولف عفی عنہ

میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ کاتبوں کی غلطی سے تھل عتیق و تھل جدید کی کتابوں کی طرح اُسکو نقصان نہیں پہنچا اور نہ پہنچ سکتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے اس کلام کے (جو اُسکا آخری کلام ہے) غلطیوں اور کمی بیشی سے محفوظ و مصئوں رہنے کا شروع ہی سے ایسا سامان کر دیا ہے کہ اُسکو کسیطرح نقصان پہنچنا ممکن نہیں۔ یعنی مسلمانوں کے دلوں میں اُسکے حفظ یاد رکھنے کا ایک پرجوش شوق پیدا کر دینا۔ اور اُسکی وجہ سے ہر ملک اور ہر زمانہ میں ایسے ہزار ہا شخصوں کا موجود ہونا کہ جنکو قرآن مجید بہ ترتیب من اولہ الی آخرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک سند متصل کے ساتھ یاد تھا اور کسی کی قرأت میں ایک حرف یا ایک لفظ کا بھی فرق نہ تھا۔ اور آج کے دن بھی جو ششم رجب ۱۳۱۹ھ نبوی مطابق ۱۳۰۶ ہجری موافق نہم مارچ ۱۸۸۹ء عیسوی ہے جہاں جہاں مسلمان رہتے ہیں وہاں سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں ایسے لوگ موجود ہیں کہ جنکو وہ ویسا ہی برزبان یاد ہے جیسا کہ حضرت نبی امی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاک اور مبارک ہونٹوں سے نکلا تھا۔ اور جبکہ خلافتِ اولیٰ میں زید بن ثابت نے سورتوں کی موجودہ ترتیب کے موافق مصحف میں لکھا تھا۔ اور خلافت ثالثہ میں جبکہ اسلام دور دراز ملکوں میں پھیل گیا تھا اُسکی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ میں بھیجدی گئی تھیں پس یہ شرف و فضیلت صرف قرآن مجید ہی کو حاصل ہے کہ اگر بالفرض اُسکے تمام قلمی اور چھاپے کے نسخے دُنیا سے معدوم کر دیئے

جائیں تو ہمکو اسکے موجودہ کرنے میں کچھ بھی دقت نہو گی۔ اور حافظوں کے سینہ سے [جسکو گویا لوح محفوظ کہنا چاہیئے] ویسا ہی نقل ہو سکیگا جیسا کہ ہے۔ اور ایک لفظ اور ایک شوشہ اور ایک اعراب کا بھی فرق نہو گا اور یہ اُس کلام پاک کا اعجاز اور اوس وعدہ کی صداقت کا نتیجہ ہے جو خدا نے اُسکی نسبت فرمایا کہ "اِنّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ"

سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں لکھتے ہیں کہ "نہایت قوی قیاس سے ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک آیت قرآن کی محمدؐ کے غیر محرف اور صحیح الفاظ میں ہے۔ اور ہم کم سے کم اُسکے نتیجہ میں وان ہیم کے اس قول کے بہت ہی قریب پہنچتے ہیں کہ "ہم قرآن کو محمدؐ کا کلام ایسا ہی یقینی جانتے ہیں جیسا کہ مسلمان اُسکو کلام الٰہی سمجھتے ہیں" اور اپنی اسی کتاب کے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ "دنیا میں غالباً کوئی اور کتاب ایسی نہیں ہے جسکی عبارت بارہ سَو برس تک ایسی خالص رہی ہو"

یہودی اور عیسائی اپنی اپنی کتابوں کو کمی بیشی اور تحریف و تصحیف سے محفوظ نہ رکھ سکے تھے جیسا کہ ہمنے ھارن صاحب کی شہادت سے ابھی ثابت کیا ہے۔ اور اور شہادتوں سے بھی ثابت ہے۔ اسلیے قرآن مجید کی نسبت جو انسان کے لیے آخری پیغام خدا کا ہے اسکی ضرورت تھی کہ دنیا کے اخیر دن تک ویسا ہی محفوظ و مصئون رکھا جائے جیسا کہ خدا نے اُسکو اپنے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل

فرمایا تھا تاکہ کسی اَور کلام کے نازل کرنے کی حاجت نہو۔ پس خدا نے اُسکی حفاظت کا ذمہ اُٹھایا اور ایسے اسباب مہیا کردیئے جو کبھی زائل ہونے والے نہیں یعنی ہر ملک اور ہر زمانہ میں حافظوں کا کثرت کے ساتھ موجود ہونا۔ جنکے ہونے ممکن نہیں کہ اُسمیں کسی طرح کی غلطی یا کمی بیشی واقع ہوسکے۔ جیسا کہ تیرہ سو برس کے تجربہ سے ثابت ہوچکا ہے۔

اِن پیشین گوئیوں سے جو صرف نمونہ کے طور پر نقل کی گئی ہیں اور جو بطور لُغز اور چیستاں کے نہیں بلکہ ایسی صاف اور روشن باتیں ہیں کہ جنکی سچائی پر تاریخ اور تجربہ دونوں گواہ ہیں۔ بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید کن اعلیٰ درجہ کی صداقتوں پر مشتمل ہے۔ اور یہ کہ اُسکا ایسے واضح اور صریح طور پر اُمور غیب کی خبریں دینا اور اُن کا اپنے اپنے وقت اور موقع پر ویسا ہی وقوع میں آنا بغیر اِسکے نہیں ہوسکتا۔ کہ اُسکو کلام خدا اور معجزہ مستمرہ مانا جائے وہٰذا ہو المقصود۔

اَب ہم قرآن مجید کے معنی کی نسبت بحث کو ختم کرتے ہیں اور اپنے وعدہ کے موافق جو کتاب کے شروع میں کر آئے ہیں دکھاتے ہیں کہ جیسا وہ اپنے معنی اور مدعا کے لحاظ سے معجز ہے ویسا ہی الفاظ اور عبارت کے اعتبار سے بھی معجز اور ناقابل معارضہ ہے۔

سارے قرآن کی فصاحت و بلاغت کی نسبت بحث کرنا اور اُسکے نکات اور لطائف کو دکھانا ایک ایسا مشکل اور قریب بہ محال کام ہے کہ جسکو بڑے سے بڑے علماء و فضلاء بھی انجام نہیں دے سکتے۔ پس

مجھ جیسے شخص کو جسکی بضاعتِ علمی بہت ہی کم اور محدود ہے کب یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ ایسے سخت اور مشکل کام میں ہاتھ ڈال سکے۔ اور اُسکے پورا کرنیکا حوصلہ کر سکے۔ اسلئے میں صرف ایک آیت کے لکھنے پر اکتفا کرونگا ناظرین اُسپر تمام قرآن کو قیاس کر لیں۔ اور وہ یہ ہے۔ خدا تعالیٰ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے " اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ؏ یعنی۔ جو لوگ ایمان لائے اُنکا مالک اور کارساز تو اللہ ہے جو اُنکو تاریکیوں [گمراہیوں] سے نکالکر [ایمان و معرفت کی] روشنی میں لاتا ہے۔ اور جو لوگ انکار پر قایم رہے اُنکے مالک اور کارساز شیطان ہیں جو اُنکو اجالے سے نکالکر اندھیروں کیطرف ڈھکیلتے ہیں۔ دوزخ انھیں لوگوں کیلئے ہے۔ یہی اُسمیں ہمیشہ رہنے والے ہیں "

علّامہ شیخ جلال الدین سیوطی نے جو مشہور ترین فضلائے اسلام سے ہیں اس آیہ شریفہ میں اکیسو بیس نکات بدیعی معلوم کئے ہیں جنکو اُنہوں نے اپنے رسالہ مسمّیٰ بہ فَتْحُ الْجَلِیْل میں بہ تفصیل بیان کیا ہے مگر کلام الٰہی کے کمال کو دیکھنا چاہیے کہ ایک بہت ہی لطیف نکتہ ایسے محقق اور باکمال شخص کے ذہن سے بھی رہگیا اور وہ اسکو معلوم نہ کر سکا یعنی اس آیت کے حروف کا نکات بدیعی سے شمار میں چار رکھ ہونا جس سے گمان ہوتا ہے کہ شاید کچھ اور نکات و لطائف بھی ہوں جو اتبک کسی کے

ذہن میں نہیں آئے - پس ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ انسان خواہ کیسا ہی فصیح و بلیغ کیوں نہو ایسا کلام نہیں کر سکتا کہ جسکے وجوہ بلاغت حروف سے زیادہ ہوں - چنانچہ یہی وجہ تھی کہ لبید سا فرید و وحید شاعر (جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ آئے ہیں) بے اختیار بول اُٹھا کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے اور فوراً مسلمان ہو گیا - کیونکہ بسبب اُس کامل واقفیت اور مہارت کے جو فن فصاحت و بلاغت میں اُسکو حاصل تھی وہ اس بات کے جانچنے کی قابلیت رکھتا تھا کہ انسان ایسا کلام کر سکتا ہے یا نہیں - ہماری آرزو تھی کہ جن نکات کو شیخ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ اُنکو بیان کریں مگر افسوس ہے کہ ایسا کرنا بے فائدہ معلوم ہوا - کیونکہ جن لوگوں کے لیے ہمنے یہ کتاب لکھی ہے وہ قریب کل کے زبان عربی سے ناواقف ہیں اور کسی کلام کی فصاحت و بلاغت کو سمجھنا اور اُسکے نکات و لطائف کا اندازہ کرنا ہمیشہ اسپر موقوف ہوتا ہے کہ اُس زبان میں کامل مہارت حاصل کیجائے - پس جو لوگ زبان عربی سے ناواقف ہیں یا اُسمیں اُنکو کامل مہارت حاصل نہیں ہے - اور اُسکے فن معانی اور بیان و بدیع کو کامل طور پر نہیں جانتے وہ قرآن جیسے بلیغ ترین کلام کی فصاحت و بلاغت کو کسی طرح نہیں سمجھ سکتے اور نہ اُسکے محاسن و لطائف کا اندازہ کر سکتے ہیں - پس بافسوس تمام ہم اُنکو قلم انداز کرتے ہیں اور جو شخص معلوم کرنا چاہے اُسکو جناب شیخ کے رسالہ کے پڑھنے کی صلاح دیتے ہیں -

تمت

...الکتاب بعون الملک الوہاب

للہ الحمد ٹھکانے لگی محنت میری
طے ہوئی آج کی منزل ہیں مسافت میری

یعنی قریب تین سال کی محنت میں یہ زادِ آخرت و وسیلہ مغفرت انجام کو پہنچا۔ پس ہم جسقدر خوشی منائیں اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے گیت گائیں کم ہیں۔ کیونکہ یہ اُسی کی مہربانی تھی کہ اُسنے اپنے نہایت فضل و کرم سے مجھ نامہ سیاہ سرتاپا گناہ کو اس کتاب ہدایت انتساب کے لکھنے پر آمادہ کیا اور اُسکے انجام کو پہنچانے کی بھی توفیق بخشی۔ سب جانتے ہیں کہ میں انگریزی نہیں جانتا۔ پس یہ اُسی کے فضل کا نتیجہ تھا کہ ایسا عمدہ اور معتد بہ ذخیرہ اہل یورپ فضلا و حکما کی شہادتوں کا میسر و موجود ہو گیا جسکو مینے موقع بموقع حسب دلخواہ صرف کیا اور جو دعویٰ کیا اُسکو کم سے کم ایک نامی گرامی یوریپین مصنف کی شہادت سے ثبوت کو پہنچایا۔ پس اِس لحاظ سے یہ پہلی کتاب ہے کہ جو ایک جدید وضع اور طرز پر لکھی گئی ہے اور طریق استدلال بالکل نیا اور اچھوتا اختیار کیا گیا ہے۔ مینے اپنے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ اسکی عبارت اور مضمون عام فہم اور خاص پسند ہو۔ لیکن چونکہ میری لیاقت علمی نہایت محدود تھی اور اردو میری مادری زبان نہیں ہے اور نہ میرے اہل شہر کی زبان ہے اسلیے اگر کسی مضمون میں لغزش اور مسامحت یا محاورہ اور روزمرّہ میں

غلطی اور خطا واقع ہوئی ہو تو اہلِ کرم ناظرین سے اُمید معافی ہے کہ
اَلْعُذْرُ عِنْدَ کِرَامِ النَّاسِ مَقْبُوْلٌ۔

مجھے اپنے فاضل دوست مولوی عَبْدُ الْعَزِیز صاحب خلف الرشید
مَوْلانَا عَلاءُ الدِّین صاحب مرحوم ساکن کوم ضلع لودیانہ سلمہم اللہ تعالیٰ
کا شکر واجب ہے کہ جنہوں نے اس کتاب کی تالیف میں مجکو نہایت مدد دی
ہے۔ مَیں اپنے پیارے بھتیجے سَیِّد عِنَایَت حُسَیْن ولد ارشد
مَشِیرُ الدَّوْلَہ مُمْتَازُ الْمُلْک خلیفہ سَیِّد مُحَمَّد حُسَیْن خان بہادر
سلمہ اللہ تعالیٰ میر منشی رِیَاسَتِ عَالِیَہ پٹیالہ کی ترقی عمر و لیاقت کے
لیے بھی دعا کرتا ہوں کہ جنہوں نے بعض انگریزی کتابوں کے مضامین کے
نہایت عمدہ ترجمہ کر دینے میں مجکو حسب دلخواہ مدد دی۔ مجکو ایسا ہی اپنے سب سے
چھوٹے بھائی خلیفہ سَیِّد مُحَمَّد مُحْسِن صاحب متخلص بہ متین بقاہم اللہ تعالیٰ
کی محنت کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے کہ جنہوں نے مسودات کے مکرر
سہ کرر صاف کرنے وغیرہ میں میری امداد کی۔ اب میں نہایت جوش
کے ساتھ خوشی کا ترانہ گاتا ہوں۔ ناظرین کو چاہیے کہ میرا ساتھ دیں۔ اور
ثواب دارین حاصل کریں۔

لمؤلفہ غزل

مطرب مہربان بگو صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ
رقص کنان بہار سو صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ

ساقی مہ لقائے من۔ مطرب خوش نوائے من
بادہ بیار و خوش بگو صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ

بادہ پاکِ کوثری۔ جرعہ جام حیدری
صاف و لطیف و مشکبو صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ

نغمہ نعتِ مُصْطَفےٰ سرکن مدح مُرتضیٰ
نیست بجز انیم آرزو صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ

مست مے مجلسم۔ نیست بباده حاجتم
مے چو بیاد اُو خورم۔ بلبل سدرہ گویدم
جامِ شراب در کشم۔ نغمہ مدح سر کنم
بادہ خورم سبو سبو۔ باز روم بکوے اُو
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَیِّدِنَا وَ اٰلِہٖ

وردِ منست ہا و ہو صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
خوش بنشین و خوش بگو صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
مست و نظر بروے او صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
نعرہ زنان بہ ہا و ہو صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
جان و دلم فداے او صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

قطعہ تاریخ اختتام مبارک انجام تصنیف شریف کتاب مستطاب معظم و جلیل المسمیٰ بہ **اعجاز التنزیل** مصنفہ عالیجناب معلی القاب حضرت برادر صاحب قبلہ و کعبہ المخاطب بہ وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید **محمد حسن خان بہادر** سی آئی۔ اِی۔ وزیر اعظم و دستور معظم ریاست عالیہ پٹیالہ ادام اللہ اجلالہم۔ از بندہ ہیچمدان کمترین سید محمد محسن متین تجاوز اللہ عن سیّاٰتہ بمحمد و آلہ الطاہرین

ہوئی جب ختم افضالِ خدا سے
کتاب مستطاب اعجاز تنزیل
مدلل جسمیں ہے ہر ایک مضموں
عجب خوبی سے بے ایجاز و تطویل
وزیر الدولہ ہیں جسکے مصنف
جنہیں ہر فضل میں ہی سب پہ تفضیل
مُدَبِّرُ الْمُلْک اور سی آئی اِی بھی
لقب ہے جنکا با صد مجد و تبجیل
محمد اور حسن ملنے سے جنکے
مقدس نام کی ہوتی ہے تکمیل
نہوئے مجملاً بھی وصف جنکا
کرے وصاف گو کتنی ہی تفصیل

جو ہیں میرے برادر۔ پر پدر سے
کیا ارشاد اُنھوں نے کوئی تاریخ
گزارش کرتے ہی بالراس والعین
تو میں نے اے متین ہاتف سے پوچھا
لکھہ اسکا سال ہجری بے کم و کاست

نہیں کم واجب التکریم و تبجیل
لکھو جلدی۔ کہ ہے چھپنے میں تعجیل
ہو تھی فی الفور مجھپر فرض تعمیل
پکارا وہ بجسب راے جبریل
مدلل خوب ہے اعجاز تنزیل
۱۳۰۶ھ

قطعہ تاریخ انطباع این کتاب لاجواب از نتائج طبع نکتہ رس دقیقہ یاب شیخ ملک محمد صاحب منصرم اسٹامپ ریاست عالیہ پٹیالہ زید مجدہم

بجو اعجاز تنزیل مطبوع شد
بتاریخ فرخندہ و سال نیک
زتاریخ ہجریش خوش مطلعے
دو براہین حقہ بطرز جدید
۶ ۱۳۰

بعہد حسن از لطف رب مجید
بماہ ہمایون و روز سعید
بگوش من از غیب گویا رسید
ازین بہ نیاید بسمع شنید
۱۳ھ

ایضاً قطعہ تاریخ اختتام

جناب مصنف بالفابہ
نوشت این کتابے کہ ہر حرف آن
بہیں زاد سے عقبے مہیا نمود
زتاریخ ختمش ہمیں ہاتفے

کہ ماناد با شوکت و ابہت
بود بالیقین دفتر معرفت
برائے نجات و پے مغفرت
بگفتا [زہے توشۂ عاقبت]
سن ۱۳۰۶ھ

قطعہ تاریخ اختتام منشی محمد حسین صاحب خوشنویس مرادآبادی

محمد حسن خان عالیجناب
رفیع المکان قدردان ہنر

وہ ہیں مالکِ دولتِ علم و فضل
مدلّل یہ ایسی لکھی ہے کتاب
ہوا جب خیال اسکی تاریخ کا
یہ لکھ بے تکلف اٹھا کر قلم

سپہر فراست کے روشن قمر
کہ مداح جسکے ہیں اہلِ نظر
تو ہاتف نے مجھسے کہا آنکر
کہ دو اعجاز تنزیل ہے معتبر ۱۳۰۶ھ

ایضاً

یہ اعجاز تنزیل ہے وہ منور
وہ انوار اسلام تاباں ہیں اِس سے
کہ ہو نور و ظلمت کا سب فرق روشن
مکمل ہوا جب یہ نسخہ تو راغب
وہیں ہاتفِ غیب آکر یہ بولا

کہ معدوم ہو کفر کی جس سے ظلمت
ہوئی جلوہ گر اس سے وہ حق کی رحمت
ملے جس سے گمرہ کو راہِ ہدایت
ہوئی فکر تاریخ کی دلکو رغبت
چراغ سبیل ۱۳۰۶ھ - اسکو کہتے ہیں حضرت

نتیجہ فکرِ عالی منزلت مولوی محمد رفعت اللہ صاحب رفعت بدایونی

جناب معلیٰ محمدؐ حسن خان
مدلل کتابے بہ تصدیق ایمان
ہویدا از ہر جملہ تکذیب منکر
ز ہر حرف حرفے آمدہ بر حریفاں
عجب دفترے از براہین محکم
جو شد فکر تاریخ بیحد و غایت
بگو رفعت از روے برہان قاطع

نوشت است ہمثیل ردِ نصاری
ثبوتِ دلائل ز تحریر اعدا
ز ہر لفظ معنی تردید پیدا
ز ہر نقطہ قطع کلام نصاری
عجب نسخۂ از تعرض مبرّا
بخاطر نمود ہاتف از غیب القا
کہ دو اعجاز تنزیل تحقیق اعلےٰ ۱۳۰۶ھ

تمت بالخیر

اشتہار چھپائی مطبع مفید عام آگرہ

خدا کے فضل و کرم سے اس مطبع مین ہر قسم اور ہر زبان کی کتابین
اُردو ہندی ۔ فارسی ۔ عربی نہایت خوشخط صحیح و عمدہ جلد ارزان نرخ پر جو
عمدہ سیاہی مصالحہ سے لیتھو مین طبع ہوتی ہین ۔ عدالتون و محکمہ بندوبست
اور چنگی وغیرہ کے جملہ کاغذات بھی چھپتے ہین یہ نامی مطبع پنیتیس ۳۵ برس
سے اپنے فرائض منصبی کو نہایت ایمانداری اور خوش معاملگی سے ادا
کر رہا ہی اور اسکی شہرت و نیک نامی روز افزون ہی اس مطبع مین کتب
بہ نسبت اور مطابع کے بہت خوشخط و صاف و عمدہ چھپائی جاتی ہین جن
صاحبونکو کچھ چھپوانا ہو اونکو کیفیت نرخ وغیرہ کی خط و کتابت سے معلوم
ہو سکتی ہی نمونہ کیلئے ہمارے مطبع کی چھپی ہوئی کتابین کافی و وافی ہین فقط

المشتہر

محمد قادر علیخان صوفی مالک و مہتمم مطبع مفید عام آگرہ